تَبرِیدُ النَّوَاظِر

فِی

تَحقِیقِ الحَاضِرِ وَالنَّاظِر

آنکھوں کی ٹھنڈک

تالیف

حضرت مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خان صاحب صفدر

شیخ الحدیث مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

مَکتَبہ صَفدَریہ

نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ

اور اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں

چوں میگویم مسلمانم بلرزم ◎ کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

[illegible]

(علامہ اقبال)

تَبْرِيْدُ النَّوَاظِرْ

فی تحقیق الحاضر والناظر

یعنی

آنکھوں کی ٹھنڈک

جس میں

بڑی تحقیق و جستجو سے قرآن کریم، صحیح احادیث، عقائد حضرات صحابہ کرامؓ اور جمہور حضرات سلفؒ و خلفؒ اور حضرات فقہاء احنافؒ کے صریح فتووں سے یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ حضرات انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر جگہ حاضر و ناظر (اور عالم الغیب) نہیں ہیں اور فریقِ مخالف کے دلائل کے دندان شکن جوابات بھی درج کئے گئے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِى السَّبِيْلَ

ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر

طبع بستم ۲۰ ——— جنوری ۲۰۰۲ء

نام کتاب ——— تبرید النواظر فی تحقیق الحاضر والناظر

مصنف ——— شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر

تعداد ——— گیارہ سو (۱۱۰۰)

مطبع ——— فائن بکس پرنٹرز لاہور

ناشر ——— مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

قیمت ——— ۶۵ روپے

ملنے کے پتے

- مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی ۱۶
- مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ حقانیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
- مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
- مکتبہ مجیدیہ بوہڑ گیٹ ملتان
- مکتبہ سید احمد شہیدؒ اردو بازار لاہور
- مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
- دار الکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور
- مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
- مکتبہ حنفیہ فاروقیہ اردو بازار گوجرانوالہ
- کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
- مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ مینگورہ
- مکتبہ العارفی جامعہ امدادیہ فیصل آباد
- مکتبہ امدادیہ حسینیہ راولپنڈی روڈ چکوال
- مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لکی مروت
- مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
- مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد
- کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھڑ

فہرستِ مضامین

تصدیقات حضرات علمائے کرام

(۱)

اسوۃ الصلحاء قدوۃ العلماء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم المقام حضرت مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خان صاحب صفدر کی تصنیف "تبرید النواظر" فی تحقیق الحاضر والناظر اس عاجز نے متعدد مقامات سے بنظر غائر دیکھی جس میں مولانا ممدوح نے دیوبندی حضرات کے مندرجہ ذیل عقیدہ کہ

"انبیاء علیہم السلام نہ تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور نہ جمیع ما کان و ما یکون کے عالم ہوتے ہیں"۔ اس عقیدہ کی مولانا ممدوح نے قرآن مجید سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعات سے تائید فرمائی ہے کہ ان حضرات سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوا کرتے تھے اور نہ ہی ما کان (جو کچھ ہو چکا) اور ما یکون (جو کچھ آئندہ ہو گا) کے عالم ہوتے تھے۔ ہاں ان حضرات کو اللہ جل شانہ جس چیز کے متعلق مطلع فرماتے تھے اتنی چیزیں اُن کے علم میں آجاتی تھیں اور جن چیزوں پر نہیں مطلع فرماتے تھے اُن چیزوں کا انھیں علم نہیں ہوتا تھا۔

قرآن مجید کی شہادتوں کے علاوہ صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف کی احادیث سے بھی اسی عقیدہ کی تائید ثابت کی ہے اور احادیث کی یہ دونوں کتابیں علاوہ مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کے خود احناف حضرات کے ہاں مسلّم اور واجب التعظیم ہیں۔ ان کے علاوہ مولانا ممدوح نے احناف حضرات کے فتاویٰ کے حوالوں سے بھی حضرات دیوبند کے عقیدہ کی تائید ثابت کی ہے۔ ان فقہائے عظام رحمہم اللہ سے احناف کو جو عقیدت ہے اسکی بنا پر ہر حنفی کو انکے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہیے ان فقہائے عظام رحمہم اللہ کو جو علمی قابلیت و فہم صحیح

اور وسعتِ نظر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی وہ آجکل کے زمانہ میں کتنے علماء احناف کو حاصل ہے۔ مذکورۃ الصدر خوبیوں کے نہ ہونے کے باعث ہی تو حنفی حضرات اپنے ان بزرگوں کی تقلید لازمی قرار دیتے ہیں اور جو شخص انکی تقلید کے دائرے سے نکل جائے اس پر طرح طرح کی طعن و تشنیع ہوتی ہے۔

لہٰذا ہر حنفی المذہب مسلمان کو اپنے مسلّمات کی بنا پر ان حضرات کا بیان کردہ عقیدہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم ماکان اور مایکون کے متعلق مان لینا فرض عین ہے اور اگر نہ مانے تو وہ پھر حنفی نہیں رہے گا۔ بلکہ ایسے شخص پر غیر مقلد کا الزام لگایا جائے گا۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ دیوبندی علماء کرام اپنے قول کے پکے اور اپنے وعدہ تقلید پر سچے ثابت ہوئے ہیں کہ جو ان حضرات کا عقیدہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا ہم اسی پر قائم ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام نہ تو ہر جگہ حاضر اور ناظر ہوتے ہیں اور نہ جمیع ماکان و مایکون کے عالم ہوتے ہیں۔

دیوبندی حضرات کے عقیدہ کے متعلق حنفیوں کے مسلّم امام عظیم محدث حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ کا عقیدہ سنیئے جو حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے تبرید النواظر کے صفحہ ۱۶۷ کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے۔ حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔ درود و سلام پہنچانے کیلئے فرشتوں کا تقرر

مخصوص بمن بَعُدَ عن حضرۃ مرقدہ المنور (مرقات ج ۲ ص ۷)

اُس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے دور ہو۔

اور نیز لکھتے ہیں۔

لئلا یظن ان دعاء الغائب لا یصل الخ (مرقات ج ۲ ص ۷)

تاکہ یہ گمان نہ کیا جائے کہ شاید آپ تک غائب کا سلام نہیں پہنچتا اسلئے اللہ تعالیٰ نے درود و سلام پہنچانے کیلئے فرشتے متعین کر دیئے ہیں۔

اور اسی مسئلہ کو انھوں نے شرح شفا میں پیش کیا ہے۔

لا لان روحہ حضرۃ فی بیوت المسلمین

یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں موجود ہے (بلکہ تو سلام آپ تک سلام پہنچایا) ہے

سچے حنفیوں پر اتمام حجت کے لئے یہ بیان کافی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ حضرات دیوبند اپنے مسلّم التعلیم عقیدوں کے صحیح معنوں میں پابند ہیں کہ ہم اپنے اسلاف کے مقلد ہیں۔

اس کے علاوہ حضرت مولانا ممدوح نے مخالفین کی اشعار و دلیلوں کے بہترین جوابات دیئے ہیں الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ مولانا ممدوح نے دیوبندی حضرات کا دامن ان تمام اعتراضات سے پاک کردیا ہے جو مخالفین کیا کرتے ہیں اور دندان شکن جوابات دینے کے علاوہ قرآن مجید حدیث شریف فقہائے عظام کے فتاووں سے مخالفین پر ایسا اتمام حجت کردیا ہے کہ قیامت کے دن مخالفین اپنے غلط اعتقادات کے متعلق یہ عذر پیش نہیں کرسکیں گے کہ اے اللہ ہمیں ان دندان شکن جوابات کی اطلاع نہیں ہوئی تھی ورنہ ہم اپنے مصنوعی یعنی خود ساختہ عقائد سے یقیناً تائب ہوجاتے اور آج تیری بارگاہ میں مجرم قرار نہ دیئے جاتے۔

ہر حنفی سے درخواست کرتا ہوں کہ حضرت مولانا سرفراز خاں صاحب کی اس کتاب کو پڑھیں تاکہ کوئی مخالف انہیں گمراہ نہ کرسکے بلکہ ہوسکے تو گمراہوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کریں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

احقر الانام احمد علی عفی عنہ ۲۸ جمادی الثانیہ ۱۳۷۶ھ

(۲)

استاذ العلماء حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ العالی

(سابق وزیر معارف شرعیہ ریاستہائے متحدہ بلوچستان و شیخ التفسیر دارالعلوم دیوبند و شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل)

محترم المقام زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ خیریت جانبین انصیب گذرتے ہیں تین کتابوں کا پارسل مجھے پہنچا۔ گوجرانوالہ کا پارسل ابھی تک نہیں پہنچا۔ تبرید النواظر کے متعلق میری بے لاگ رائے یہ ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع میں بے مثال ہے۔ کتاب چار ابواب اور ایک مقدمہ پر مشتمل ہے۔ باب اول میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ان جملہ وقائع قرآنیہ کو بیان کردیا گیا ہے جن سے حاضر و ناظر ہونے کی تردید ہوتی ہے۔ باب دوم میں احادیث صحیحہ سے ان واقعات کو مرتب کیا گیا ہے جن سے خاتم الانبیاء صلی اللہ

علیہ وسلم کے حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہونے کی نفی لازم آتی ہے۔ بابِ سوم میں اقوال آئمہ محدثین اور فقہاء سے استدلال کیا گیا ہے اور بابِ چہارم میں فریق مخالف کے پچانوے نام اور بیجان اٹھارہ دلائل کا جواب دیا گیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف دام مجدہ کو ترتیب و بسط دلائل و تردید بدعت میں خاصہ ملکہ حاصل ہے اس موضوع پر ایسی عمدہ جامع و پُر از معلومات کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری میرے خیال میں اگر فریق مخالف اس کتاب کا منصفانہ اور غیر جانبدارانہ مطالعہ کرے اور توفیق الٰہی بھی دستگیری فرماویں تو قوی اُمید ہے کہ انکو اس کتاب سے ہدایت نصیب ہوگی اللہ تعالیٰ مؤلف علام کو جزائے خیر دے اور اس خدمت کو قبول فرمائیں۔

احقر شمس الحق عفا اللہ عنہ مقام و ڈاکخانہ ترنگ زئی ضلع پشاور۔ مورخہ ۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ
۲۹ر نومبر ۱۹۵۹ء

(۳)

فخر الاماثل حضرت مولانا الحافظ الحاج القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم

(مہتمم دار العلوم دیوبند)

حضرت المحترم زید مجدکم السامی۔ سلام مسنون نیاز مقرون گرامی نامہ باعث شرف ہوا۔ یہ زمانہ اکثر و بیشتر سفر و ں میں گزرا اسلئے جواب عرض نہیں کرسکا۔ وہاں کی حاضری کے وقت جناب نے جو کتابیں عنایت فرمائی ہوں گی وہ کتب خانہ کے جنگل میں مستور ہیں انکا تلاش کرنا اور نکالنا اس عدیم الفرصتی اور ہجوم کار میں بہت ہی بھاری سا نظر آتا ہے۔ راہ ہدایت اور تنویر آلنواظر اب پہنچی ہیں اس میں حیاۃ النبی کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ کچھ صفحات کا اضافہ کرکے اس میں اس مسئلہ کو بھی لگایا ہے اُسے تلاش کیا مگر نہ فہرست میں عنوان ملا نہ کتاب میں یہ مسئلہ نظر سے گزرا چونکہ یہ مسئلہ آجکل چھڑا ہوا ہے اسلئے اسکی طرف نظر اشتیاق زیادہ رہی مگر ملا نہیں۔ جناب کی تالیفات بحمد اللہ محققانہ ہوتی ہیں نہ ہم جیسوں کی تقریظ کی محتاج ہیں اور نہ ترمیم کی تو کیا ہو میں یہ تو جناب کا علو ظرف ہے کہ اس کمال پر بھی ہم جیسوں کی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تالیفات کو قبول فرماویں اور خلق اللہ کو ان سے منتفع فرماویں آمین۔ فرصت ملی تو استفادہ کرونگا۔ بے حد ہجوم کار ہے اور کسی وقت فرصت نہیں ملتی تاہم شوق استفادہ ہر وقت ہے سعی کرونگا کہ کسی وقت استفادہ کرکے خیال عرض کروں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ دُعا کا مستدعی ہوں۔ والسلام

محمد طیب از دیوبند۔ ۳۰/۱۱/۷۸ھ

علیہ وسلم کے حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہونے کی نفی لازم آتی ہے۔ باب سوم میں اقوال ائمہ محدثین اور فقہاء سے استدلال کیا گیا ہے اور باب چہارم میں فریق مخالف کے اپنے نام اور بیان اٹھارہ دلائل کا جواب دیا گیا ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف دام مجدہ کو ترتیب و بسط دلائل و تردید بدعت میں خاصہ ملکہ حاصل ہے اس موضوع پر ایسی عمدہ جامع و پر از معلومات کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری میرے خیال میں اگر فریق مخالف اس کتاب کا منصفانہ اور غیر جانبدارانہ مطالعہ کرے اور توفیق الٰہی بھی دستگیری فرما دیں تو قوی امید ہے کہ انکو اس کتاب سے ہدایت نصیب ہوگی اللہ تعالیٰ مؤلف علام کو جزائے خیر دے اور اس خدمت کو قبول فرمائیں۔

احقر شمس الحق عفا اللہ عنہ مقام و ڈاکخانہ ترنگ زئی ضلع پشاور۔ مؤرخہ ۲۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۹ھ
۲۹ نومبر ۱۹۵۹ء

(۳)

فخر الاماثل حضرت مولانا الحافظ الحاج القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم

(مہتمم دار العلوم دیوبند)

حضرت المحترم زید مجدکم السامی! سلام مسنون نیاز مقرون گرامی نامہ باعث شرف ہوا۔ یہ زمانہ اکثر و بیشتر سفروں میں گزرا اسلئے جواب عرض نہیں کر سکا۔ وہاں کی حاضری کے وقت جناب نے جو کتابیں عنایت فرمائی ہوں گی وہ کتب خانہ کے جنگل میں مستور ہیں انکا تلاش کرنا اور نکالنا اس عدیم الفرصتی اور ہجوم کار میں بہت ہی بھاری سا نظر آتا ہے۔ راہ ہدایت اور تبرید النواظر اب پہنچی ہیں اس میں حیاۃ النبی کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ کچھ صفحات کا اضافہ کر کے اس میں اس مسئلہ کو بھی لگایا ہے اُسے تلاش کیا مگر نہ فہرست میں عنوان ملا نہ کتاب میں یہ مسئلہ نظر سے گزرا۔ چونکہ یہ مسئلہ آجکل چھڑا ہوا ہے اسلئے اسکی طرف نظر اشتیاق زیادہ رہی مگر ملا نہیں۔ جناب کی تالیفات بحمد اللہ محققانہ ہوتی ہیں نہ ہم جیسوں کی تقریظ کی محتاج ہیں اور نہ ترمیم کی تو کیا ہوتیں؟ یہ تو جناب کا علو ظرف ہے کہ اس کمال پر بھی ہم جیسوں کی حوصلہ افزائی فرماتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تالیفات کو قبول فرما دیں اور خلق اللہ کو ان سے منتفع فرما دیں آمین۔ فرصت ملی تو استفادہ کرونگا بے حد ہجوم کار ہے اور کسی وقت فرصت نہیں ملتی تاہم شوق استفادہ ہر وقت ہے سعی کرونگا کہ کسی وقت استفادہ کر کے خیال عرض کروں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ دعا کا مستدعی ہوں۔ والسلام

محمد طیب از دیوبند۔ ۳۰ / ۱۱ / ۷۹ھ

دیباچہ

راقم الحروف نے فریق مخالف کی متعدد کتابوں اور رسالوں (خصوصاً خان صاحب بریلوی اور مفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی اور مولوی محمد عمر صاحب اور مولوی سید احمد صاحب کاظمی غزالی ملتانی وغیرہ کی کتابوں) میں جب یہ غلط اور باطل عقیدہ دیکھا اور پڑھا کہ وہ امام الانبیاء سید الرسل خاتم النبیین شفیع المذنبین حضرت محمد صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم (اور دیگر حضرات انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام) کو ہر جگہ حاضر ناظر اور عالم الغیب) سمجھتا ہے اور اس عقیدہ کو خالص دین اور باعث نجات یقین کرتا ہے اور اس عقیدہ کو تسلیم نہ کرنے والوں کو گستاخ، بے ادب اور بے ایمان حتیٰ کہ کافر سمجھتا ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) تو بمقتضائے "الدین النصیحۃ" راقم نے اس مسئلہ کے اثباتی اور منفی پہلو کے دلائل پر آج سے کئی سال پہلے یہ کتاب لکھی اسکا خیال اور وہم بھی نہ تھا کہ اسکو مسلمانوں کے مختلف طبقات میں اتنی مقبولیت حاصل ہوگی کہ اس کو خواص اور عوام عقیدت کی نگاہوں سے پڑھیں گے اور ذوق وشوق کے ہاتھوں سے لیں گے مفسرین نے آیات کی تفسیر سے لطف اٹھایا تو محدثین نے اس میں پیش کردہ احادیث سے استفادہ کیا۔ مناظرین نے اسکے استدلالات کو سراہا تو ادباء نے اسکے اردو ادب کی داد دی الغرض جید علماء کرام اور کالجوں، مدرسوں اور اسکولوں کے طلباء یہاں تک کہ اہل دل "تاجروں" نے اس سے تسکین قلب حاصل کی اور سینکڑوں خطوط ملے جن میں انھوں نے عقیدت اور عشق کے پھول اس کتاب کے طرز بیان پر نچھاور کئے اور تھوڑے سے عرصہ میں یہ کتاب بالکل نایاب ہوگئی اور بیسیوں خطوط اس کی بار بار اور جدید اشاعت کے موصول ہوئے۔ اب اس کتاب کو معمولی اضافات اور ترامیم کیساتھ ہدیۂ قارئین کرام کیا جا رہا ہے ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

احقر ابو الزاہد

سخنہائے گفتنی

مشرکین عرب کا یہ دعویٰ تھا کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد ہیں اور عقائد میں بھی ابراہیمی ہیں اولادِ ابراہیمؑ ہونے میں تو وہ ایک حد تک سچے تھے لیکن عقیدہ میں انکو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی نسبت نہ تھی مگر چونکہ مشرکین عرب کو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیحد محبت اور عقیدت تھی، اسلئے وہ جن عقائد کو اپناتے تھے انکی حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف بھی نسبت کرتے تھے اور جو بزرگ (یعنی جناب حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) صحیح طور پر ابراہیمی تھے انکو مشرکین اپنی اصطلاح میں صابی (یعنی بے دین) کہا کرتے تھے (العیاذ باللہ تعالےٰ) قرآن کریم نے جابجا انکی تردید کی ہے اور صاف فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ مشرک نہ تھے۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ کم و بیش یہی حال زمانہ رواں کے برائے نام مسلمانوں کا ہے کہ قرآن کریم، حدیث شریف اور بزرگان دینؒ کی طرف ایسے گندے عقائد منسوب کرتے ہیں جن کی تردید کیلئے قرآن کریم اور شریعت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف تحیۃ) وقف ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مشرکین عرب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکاروں کو صابی کہا کرتے تھے اور آجکل کے کلمہ گو مشرک قرآن اور حدیث کے ماننے والوں اور سلف صالحینؒ کی صحیح اتباع کرنے والوں کو وہابی کہتے ہیں۔ بس انکے نزدیک اسلام صرف یہی ہے کہ مسلمانوں کا سا نام رکھ لیا اور زبان سے بزرگوں کی محبت کا دعویٰ کر لیا ہے

صبر، خودداری، دلیری، حق پرستی اب کہاں ... رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلمان ہو گئے

ان کے شرکیہ عقائد تو بہت ہیں مگر منجملہ ان شرکیہ عقائد کے ایک مسئلہ حاضر و ناظر بھی ہے۔ فریق مخالف کا یہ دعویٰ ہے کہ جسطرح اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور ہر چیز اسکے قریب ہے اسیطرح حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ کی یہ صفت ذاتی اور قدیم ہے اور مخلوق کی یہ صفت عطائی اور حادث ہے تو جس طرح اللہ تعالےٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے، کوئی چیز اس سے دور اور مخفی نہیں، اسی طرح بزرگان دین سے بھی خداداد قوت کے ماتحت کوئی چیز

کچھ بھی ڈھکی نہیں۔ اور خصوصاً جناب ختم المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر تو اہلِ حق سے بارہا فریق مخالف نے مناظرہ بلکہ مکابرہ اور مجادلہ بھی کیا ہے اور اہل حق کی تکفیر بھی کی ہے۔ فریق مخالف کی اس چال اور گورکھ دھندے کے سمجھنے سے ہم تو قاصر رہے ہیں کہ کسی کو تو کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت اور ہر ایک کے لئے حاضر و ناظر ہیں اور کبھی کسی وقت حاضرین جلسہ سے کھڑا ہونے کا حکم فرمایا کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں، باادب کھڑے ہو جاؤ اور قیام کرو۔ جب آپ ہر وقت اور ہر جگہ موجود ہیں تو تمھارے جلسہ میں کہاں سے تشریف لاتے ہیں؟ وہ تو پہلے ہی سے موجود تھے۔ اور کسی کو کہہ دیتے ہیں کہ مجالسِ مولود میں آپ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور کسی سے کہہ دیتے ہیں کہ جس آدمی کا تعلق اور رابطہ آپ سے قوی تر ہوتا ہے اس کے لئے آپ حاضر و ناظر ہوتے ہیں، اور کسی کو لطائف اور امثال کے شکلی محاورات میں الجھا دیا جاتا ہے اور کبھی کسی کو طی الارض کی مستند اور غیر مستند کرامات سے مغالطہ دیا جاتا ہے اور ان جزوی اور شخصی واقعات سے قاعدہ کلیہ بنا کر عامۃ المسلمین کو دھوکا دیا جاتا ہے۔ غرضیکہ ؎

اک سوال اور سینکڑوں اُن کے جواب — ہم سے کچھ غیروں سے کچھ دربان سے کچھ

مخالفین نے کہیں تو کسی مجمل آیت اور مجمل حدیث سے استدلال کیا ہے حالانکہ خود قرآن کریم کی دوسری مفسر آیات اور صحیح مفسر احادیث اس کی تفصیل اور تشریح کرتی ہیں اور کہیں جزوی واقعات (یعنی معجزات اور کرامات) سے اپنے باطل عقیدہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ مخالفین کے پیش کردہ دلائل کی حقیقت سے بھی عامۃ المسلمین کو آگاہ کر دیا جائے کہ یہ دلائل پرکاہ کا وزن بھی نہیں رکھتے اور اہل السنت والجماعت کے اٹل دلائل اور محکم براہین بھی ہدیۂ قارئین کر دیئے ہیں تاکہ ہر ایک فریق کے دعاوی اور دلائل کا صحیح معیار اور توازن معلوم ہو سکے۔ اگرچہ اس مسئلہ پر متعدد علماء حق نے مختلف زمانوں اور متعدد زبانوں میں کتابیں اور رسالے لکھے ہیں لیکن اس بندۂ ناچیز نے بھی اپنی محدود بساط کے مطابق اس مسئلہ پر قلم اٹھانا ضروری سمجھا کیونکہ ؎

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے — کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اندازِ بیاں اور

میں قارئین کرام سے ملتجی ہوں کہ اگر کسی دلیل کے پیش کرنے میں کوئی ضعف یا سقم نظر آئے قصور میرا سمجھنا جمہور حضرات سلف و خلف ؒ کا قصور نہیں ہوگا۔ اور ان دلائل کو یوں سمجھنا کہ

ع

چراغ راہ ہیں منزل نہیں ہیں

رَبَّنَا اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا ۝

ابو الزاہد محمد سرفراز خان صفدر

مقدمہ اور چند ضروری باتیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ اما بعد فاقول لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ فی ذاتہٖ ولا فی صفاتہٖ ولا فی افعالہٖ وبہٖ اقتدین۔

اما بعد اس سے قبل کہ ہم مخالفین کے دلائل پیش کر کے ان کے جوابات عرض کریں اور جمہور اہل اسلام کے براہین نقل کریں یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ بطور تمہید ایک مختصر مقدمہ عرض کریں اور اسمیں بعض ایسی اہم اور ضروری باتیں نقل کریں جنکے معلوم کر لینے سے اصل مقصد آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکے۔

ہم اس مقدمہ میں چند اصولی باتیں عرض کرتے ہیں قارئین کرام ان کو ٹھنڈے دل اور گہری نظر سے ملاحظہ فرمائیں تاکہ مسئلہ کی تہ تک پہنچنے میں یہ ممد اور معاون ثابت ہوں۔

(۱) **پہلی بات**:- فریق مخالف کو جب پبلک بحث اور مباحثہ کیلئے میدان میں لا کھڑا کرتی ہے تو ان کے علماء حق پرستوں کے دلائل و براہین کی تاب نہ لاتے ہوئے مجلس مناظرہ کو درہم برہم کرنے اور اپنی جان چھڑانے کی بے شمار راہیں اختیار کرتے ہیں اور کبھی اہل حق کے مناظر کی تقریر میں شور و غل مچاتے ہیں اور کبھی شکست فاش کھا کر بھی کامیابی کے ترانے گانے لگتے ہیں تاکہ عوام الناس کے دلوں سے ان کی سیادت مجروح نہ ہو جائے لیکن ان بیہودہ باتوں سے کیا حاصل؟ پبلک خود ہی دودھ اور پانی کو بخوبی سمجھ لیتی ہے مسئلہ حاضر و ناظر میں بھی فریق مخالف کے مناظر مناظرہ میں یوں جان چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں کہ حاضر و ناظر تو خدا تعالیٰ کی صفت ہی نہیں ہو سکتی لہٰذا اس میں کسی اور کو شریک ماننا شرک کیسے ہوا؟ بلکہ حاضر و ناظر تو مخلوق کی صفت ہے اور خصوصاً حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی۔ اس دعویٰ کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اول تو اللہ تعالےٰ کے ننانوے نام ہیں۔ ان ناموں میں حاضر و ناظر کا کوئی نام نہیں آتا۔ دوسرے حاضر اس کو کہتے ہیں جو پہلے نہ ہو اور پھر آجائے اور یہ معنی تو اللہ کی شان کے لائق ہی نہیں اور ناظر اس کو کہتے ہیں جو اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ جب اللہ تعالےٰ کی جسمانی آنکھیں ہی نہیں تو وہ ناظر کیسے ہوا

بلکہ حاضر و ناظر تو جناب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر بزرگانِ دین تھے جو پہلے نہ تھے اور پھر دنیا میں تشریف لے آئے اور اپنی حسی اور جسمانی آنکھوں سے دیکھا بھی کرتے تھے لہٰذا یہی حاضر و ناظر ٹھہرے۔ بلکہ مفتی احمد یار خاں صاحب تو لکھتے ہیں کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔ خدا تو پاک جگہ اور مکان سے پاک ہے۔ الیٰ ان قال خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے ہر جگہ میں ہونا تو رسول خدا ہی کی شان ہے (جاء الحق و زھق الباطل صفحہ ۱۵۲) یہ ہے فریق مخالف کی منطق یا مجذوبانہ مغالطہ۔ میں نے ان کی دلیل عرض کر دی ہے کیونکہ ؎

مری ضد سے ہوا ہے مہربان دوست
مرے احسان ہیں دشمن پر ہزاروں

محترم قارئین کرام اب ملاحظہ فرمائیے کہ صحیح دلائل کے سیلِ رواں میں یہ کاغذ کی کشتی کس طرح ڈوبتی ہے۔

جواب اوّل: اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ جگہ اور مکان کا محتاج نہیں ہے اور اس کے مشہور و معروف نام ننانوے ۹۹ ہیں لیکن کیا ان ناموں کے علاوہ اور نام خدا تعالیٰ کے نہیں ؟ اگر فریق مخالف کو عرسوں اور ختموں سے فرصت نہیں مل سکی تاکہ وہ کتابوں کی طرف رجوع کر سکے تو آئیے میں آپ کو صرف چند حوالے بتلاتا ہوں۔ علامہ نووی شرح مسلم شریف جلد دوم صفحہ ۳۴۲ میں اور علامہ خازن تفسیر جلد دوم صفحہ ۲۶۴ میں رقمطراز ہیں کہ

"تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب نام صرف یہی ننانوے نہیں ہیں بلکہ ان کے علاوہ اور بھی ہیں (اسی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں) کہ امام ابوبکر بن العربی نے اللہ تعالیٰ کے ایک ہزار نام جمع کئے ہیں پھر صاف لکھا ہے وھذا قلیل۔" یہ بھی ابھی تھوڑے ہیں۔ امام رازی لکھتے ہیں کہ علماء کے نزدیک ایک ہزار ایک (۱۰۰۱) نام اللہ تعالیٰ کے مشہور و معروف ہیں جو کتاب و سنت میں پائے جاتے ہیں۔ (تفسیر کبیر مقدمہ ج ۱ صفحہ ۲) حافظ ابن کثیر نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے پانچ ہزار وہ نام ہیں جو قرآن کریم صحیح حدیث اور سابق آسمانی کتابوں میں نازل کئے گئے ہیں (تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۹) جب تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام انہی ننانوے ناموں میں منحصر نہیں تو اب کیا یہ سوال کہ کہیں ان ناموں میں حاضر و ناظر

کے نام نہیں مل سکے، باطل ہے ۔

مضطرب کیوں پہلی ہی منزل میں ہے
تجھ کو کرنے ہیں ہزاروں دشت طے

جواب دوم:- چلئے ہم دو منٹ کیلئے یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے صرف یہی ننانوے نام ہیں لیکن یہ تو فرمایئے کہ کیا ان ناموں میں سے کسی نام کا عربی وغیرہ زبان میں سہولت اور آسانی کیلئے ترجمہ بھی کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اگر آپ کا جواب نفی میں ہے تو فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ کو خدا کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر آپ یوں لب کشائی فرمائیں کہ خُدا کہنا جائز ہے تو کیا ہم یہ سوال کر سکتے ہیں کہ ان ننانوے ناموں میں تو خ۔د۔ا (یعنی خدا) کوئی نام نہیں آیا۔ پھر یہ جائز کیسے ہو گیا؟ یہی تو آپ کہیں گے کہ یہ مالک یا رب وغیرہ کا فارسی یا کسی اور زبان میں ترجمہ ہے یعنی عربی زبان میں مالک فارسی زبان میں خدا! اسیطرح آپ یہاں بھی سمجھ لیجئے کہ ان ننانوے ناموں میں سے کسی کا ترجمہ شاید حاضر و ناظر ہو۔ کیا یہ احتمال ہی ہے؟ نہیں بلکہ آپ ذرا بین السطور مشکوٰۃ شریف ج ا صفحہ ۱۹۹ اصح المطابع نکال کر دیکھیں کہ الشہید کا معنی لکھا ہے الحاضر اور مشہور لغت اور ڈکشنری صراح صفحہ ۱۳۴ میں لکھا ہے شہید، حاضر و گواہ۔ اسی طرح بصیر کا معنی یہ کیا ہے کہ بینا، دیکھنے والا یعنی ناظر۔ دیکھو صراح صفحہ ۱۶۰۔ اب فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ شہید اور بصیر بھی ہے یا نہیں؟ اور کیا شہید کا معنی حاضر اور بصیر کا معنی بینا یعنی ناظر درست ہے یا نہیں؟ ہمارا اور فریق ثانی کا منصف اور حاکم صرف خدا ہی ہے کیا خوب کہا گیا ہے ؎

خدا دانا و بینا ہے ہر نیک و بد کا

اب آپ اپنی توپ کا دہانہ شراح حدیث اور ائمہ لغت کی طرف پھیر دیجئے کہ تم نے شہید کا معنی حاضر کیوں کیا ہے؟ حاضر تو ہماری خانہ ساز منطق کی رُو سے صرف وہی ہو سکتا ہے جو پہلے نہ ہو اور پھر آ جائے ۔

اور ہوں گے جو سہیں اُن کی جفائیں بے محل
ہم کسی کا غمزۂ بے جا اٹھا سکتے نہیں

باقی رہا یہ سوال کہ جب شہید کا معنی ہے حاضر تو یہ لفظ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کی امت پر بھی بولا گیا ہے لہٰذا وہ بھی حاضر ہونگے تو اسکا مفصل جواب آئندہ آپ کو ملے گا انشاء اللہ العزیز۔

جواب سوم:- فریق مخالف کا یہ بھی کہنا ہے کہ ناظر وہی ہو سکتا ہے جو ہمہ ہمائی آنکھوں سے دیکھے۔

اس لئے اس قاعدہ کو سامنے رکھ کر ہم ان کا علمی اور تحقیقی شکریہ بجالائیں گے کہ ہمیں ذیل کی آیات اور احادیث کا مطلب سمجھا دیں۔

(۱) قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ واقعہ اور قصہ جس میں انھوں نے اپنی قوم کو تسلّی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا، ان الفاظ سے بیان کیا گیا ہے:۔

قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (پ ۹ ، ع ۵ ، آیت ۳)

کہا نزدیک ہے کہ تمھارا رب ہلاک کر دے تمھارے دشمن کو اور تمھیں زمین کا خلیفہ بنادے پھر وہ نظر کرے تم کیسا کام کرتے ہو۔

اگر نظر کرنا اسی کا کام ہے جو جسمانی آنکھیں رکھتا ہو تو بتلائیے کہ اس آیت میں فَيَنْظُرَ (یعنی خدا نظر کرے) کے کیا معنی ہوئے ۔ ارشاد تو فرمائیے ۔ دیدہ باید

(۲) اللہ تعالےٰ ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرماتا ہے :۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (پ ۱۱ ، یونس ، ع ۲)

پھر تم کو ہم نے نائب کیا زمین میں ان کے بعد کہ نظر کریں تم کیا کرتے ہو (اس آیت میں بھی "لِنَنْظُرَ" کا لفظ موجود ہے)۔

(۳) مسند طیالسی ص ۲۸۶ میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ جملہ بھی ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝

آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھیں زمین کا خلیفہ بنائے گا پھر نظر کرے گا تم کیا کام کرتے ہو۔

(۴) صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۵ اور مشکوٰۃ کی ایک طویل حدیث میں آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ نَظَرَ اِلٰى اَهْلِ الْاَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ اِلَّا بَقَايَا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ الحديث

یعنی اللہ تعالےٰ نے زمین والوں پر نظر کی اور دیکھا تو تمام عرب عجم والوں پر ناراض ہوا مگر اہل کتاب میں کچھ آدمی اللہ تعالےٰ کی ناراضگی سے بچ گئے۔

ایک حدیث میں یوں آتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى اَعْمَالِكُمْ

کہ اللہ تعالےٰ تمھاری صورتوں کو نہیں دیکھتا یعنی طور کہ کون خوبصورت اور کون بدشکل ہے لیکن تمھارے اعمال کو وہ دیکھتا ہے۔

الحدیث (مسلم ج ۲ ص ۳۱۷ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۴۵۳ والجامع الصغیر ج ۱ ص ۷۷)۔

ان دونوں حدیثوں میں صاف طور پر مذکور ہے کہ اللہ تعالٰی نے نظر کی اور نظر کرے گا اور دیکھتا ہے
مخالفین کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نظر نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی جسمانی آنکھیں ہی نہیں۔ مگر آپ کو مذکورہ بالا دلائل سے
معلوم ہو چکا ہوگا کہ یہ مخالفین کی قرآن اور حدیث سے جہالت اور بغاوت ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالٰی
اسی طرح نظر کرتا ہے جو اس کی شان کے لائق اور مناسب ہے کیونکہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ لیکن نظر بہرحال
کرتا ہے اسی طرح وہ ہر ایک کے ساتھ ہے مگر جس طرح اُس کی شان کے شایان ہے۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ
خُدا کی معیت کا انکار کرنا سراسر بے دینی اور قرآن کریم کی قطعی بغاوت ہے اور اہل السنت والجماعت
کے مُسلّمہ و مُتفقہ عقیدہ کی صریح خلاف ورزی ہے۔

(۵) بلکہ ترمذی شریف ج ۲ ص ۴۲ ابن ماجہ ص ۲۹۷ مستدرک ج ۴ ص ۵۰۵ اور مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۷ اور
الجامع الصغیر ج ۱ ص ۵۹ میں یہ جملہ صاف طور پر مذکور ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَنَاظِرٌ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ (آنحضرت صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے فرمایا) کہ اللہ تعالٰی
تمہیں زمین کا خلیفہ بنانے والا ہے اور پھر دیکھنے والا ہے کہ تم کیا کرتے ہو

اس حدیث میں تو اللہ تعالٰے کے لئے صاف ناظر کا لفظ موجود ہے۔ یہ بھی ملاحظہ کر لیجئے اور مولوی سید
احمد صاحب کاظمی امروہی ثم ملتانی کا یہ بیان بھی دیکھ لیجئے کہ "اللہ تعالٰے کے اسماء حُسنٰی میں حاضر و ناظر کوئی نام
نہیں اور قرآن و حدیث میں کسی جگہ حاضر و ناظر کا لفظ ذات باری تعالٰے کے لئے وارد نہیں ہوا نہ سلف
صالحین نے اللہ تعالٰے کے لئے یہ لفظ بولا۔ کوئی شخص قیامت تک ثابت نہیں کر سکتا کہ صحابہ کرام
یا تابعین یا ائمہ مجتہدین نے کبھی اللہ تعالٰی کے لئے حاضر و ناظر کا لفظ استعمال کیا ہو۔ بلفظہٖ (تسکین الخواطر ص ۳)۔

کاظمی صاحب ہی اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ فرمائیں (بشرطیکہ ان کا دل بھی ہو) کہ کیا یہ حدیث نہیں ہے،
اور کیا اس میں ناظر کا لفظ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ذات باری تعالٰے کے لئے اطلاق
نہیں کیا؟ اور کیا اس حدیث کے پہلے راوی حضرت ابو سعید الخدری رض صحابی نہیں ہیں جو اس حدیث میں
لفظ ناظر کو باری تعالٰے پر اطلاق کرتے ہیں؟ اور کیا ابو نضرہ رح تابعی نہیں ہیں جو یہ روایت نقل کر رہے ہیں اور کیا
پچھلے راوی اور اسی طرح حضرت مجدد الف ثانی رح اور شیخ عبد القدوس گنگوہی رح وغیرہ جن کے حوالے آگے

آرہے ہیں) سلف صالحین میں شامل نہ تھے؟ کاظمی صاحب کو سوچ کر بتانا ہوگا کہ انہوں نے یہ بے بنیاد اور باطل دعویٰ کس طرح کر دیا ہے؟ اور اس سے بڑھ کر کاظمی صاحب کا یہ غلط دعویٰ بھی ملاحظہ کیجئے کہ:- اور اسی طرح متاخرین کے زمانہ میں جب بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہنا شروع کیا تو اس دور کے علماء نے ان پر انکار کیا (کس عالم نے انکار کیا اور کب کیا مگر یہ نہ پوچھئے۔ صفدر) بلکہ بعض علماء نے اس اطلاق کو کفر قرار دے دیا (وہ کب اور کس دور میں؟ شاید کاظمی صاحب نے کوئی خواب دیکھا ہوگا۔ صفدر) (تسکین الخواطر ص) ۔

یہ ہے فریق مخالف کا مبلغ علم اور تحقیقی معیار سبحان اللہ تعالیٰ۔ اب مخالفین کو چاہیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انکے زعم فاسد کی بنا پر حاضر و ناظر ہیں تو ان سے پوچھ لیں کہ آپ نے اللہ تعالیٰ کیلئے ناظر کا لفظ کیوں استعمال کیا ہے؟ ایک تو اسلئے کہ ننانوے ۹۹ ناموں میں بھی یہ نام مل نہیں سکا اور دوسرے اسلئے کہ اسکی جسمانی آنکھیں ہی نہیں ہیں تو وہ کیونکر ناظر ہوا ؟

ٹوٹ جائے نہ تیغ اے قاتل — سخت جان ہوں ذرا سمجھ کر کھینچ

جواب چہارم:- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ○ (پ۔ اعراف ع۱) — اور نہیں ہیں ہم غائب۔

اور بخاری شریف ج ۲ ص۲۰۵ اور مسلم شریف ج ۲ ص۳۴۶ وغیرہ میں یہ حدیث آتی ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضہ کسی وقت باواز بلند ذکر کر رہے تھے[1] مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے سے ان کو منع کیا اور فرمایا :-

اِنَّكُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَآئِبًا ۔ — تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکار رہے بلکہ تم تو سمیع اور قریب کو پکار رہے ہو پھر بلند آواز سے چلانے کا کیا فائدہ ؟

---

[1] علامہ ابن حزم رح نے یہ کہا ہے کہ نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے لیکن حافظ ابن کثیر رح اور حافظ ابن حجر رح وغیرہ نقل کرتے ہیں کہ:

المذاهب الاربعة على عدم استحبابه (البداية والنهاية ج ۱۰ ص۲۷۰) کہ حضرات ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ جہر سے ذکر کرنا مستحب نہیں ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ بقیہ صفحہ نمبر ۱۹)

اور امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ :-

اما الدعاء فیسر بہ بلا خلاف (شرح مسلم ج ۱)

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ دعا آہستہ ہونی چاہیے

صاحب سراجیہؒ اور ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ :-

یستحب فی الدعاء الاخفاء ورفع الصوت بالدعاء بدعۃ (سراجیہ ص ۷ وموضوعات کبیر ص ۱)

مستحب یہ ہے کہ دعا آہستہ کی جائے اور بلند آواز سے دعا کرنا بدعت ہے۔

علامہ حلبیؒ لکھتے ہیں :-

وعن ابی حنیفۃ ان رفع الصوت بالذکر بدعۃ مخالف للامر فی قولہ تعالیٰ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ○ (پ ۸ ۔ اعراف ۔ ۷)

(کبیری ص ۵۶۶)

کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنا بدعت ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے منافی ہے کہ اپنے رب کو عاجزی سے اور آہستہ پکارو بیشک اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔

یہ تو عام ذکر کا قصہ ہوا ۔ اب آپ مسجد میں بلند آواز سے ذکر کا مسئلہ بھی سن لیں علامہ علی القاری حنفیؒ لکھتے ہیں کہ

وقال بعض علمائنا بان رفع الصوت فی المسجد ولو بالذکر حرام ۔

(مرقات حاشیہ مشکوٰۃ ج ۲ ص ۳۷)

ہمارے بعض علماء احنافؒ نے صراحت کے ساتھ یہ بات بیان کی ہے کہ مسجد میں بلند آواز سے بولنا اگرچہ ذکر ہی کیوں نہ ہو، حرام ہے (مگر وعظ و تقریر اور درس وغیرہ دوسرے دلائل کے رو سے اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں)۔

علامہ ابو نعیمؒ بحر میں روایت نقل کرتے ہیں :-

عن ابن مسعودؓ انہ سمع قوما اجتمعوا فی مسجد یہللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم جہرا فراح الیہم فقال ما عہدنا ذلک فی عہدہ صلی اللہ علیہ وسلم وما اراکم الا مبتدعین وما زال یذکر ذلک

کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مسجد میں لوگوں کا اجتماع دیکھا جو بلند آواز سے لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے اور بلند آواز سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتے تھے تو فرمایا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں یہ کاروائی نہیں ہوتی تھی اور میں تو تمہیں بدعتی ہی کہوں گا کہ تم

(باقی حاشیہ ص ۲۱ پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۰)

حتی اخرجھم من المسجد ۔

(بحوالہ نظم البیان ص۴۳)

یعنی وہ بار بار یہی کہتے رہے حتی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اُن کو مسجد سے نکال دیا۔

علامہ شامی الحنفیؒ فتاویٰ بزازیہ کے حوالہ سے یکرہ الصوت بالذکر والدعاء کی دلیل نقل کرتے ہیں کہ:

عن فتاوی القاضی انہ حرام لما صح عن ابن مسعودؓ انہ اخرج جماعۃ من المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم جہرا وقال لھم ما اراکم الا مبتدعین ۔

(شامی ج ۵ ص۳۵۰ طبع مصر و فتاوی بزازیہ ص۳۷۵)

فتاویٰ قاضی میں ہے کہ بلند آواز سے ذکر کرنا اور دُعا کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت ابن مسعودؓ سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ انھوں نے ایک جماعت کو مسجد سے خارج کر دیا تھا کیونکہ وہ جماعت بلند آواز سے لا الٰہ الا اللہ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دُرود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا کہ میں تو تمہیں بدعتی ہی سمجھتا ہوں ۔

حضرات متاخرینؒ نے ذکر بالجہر سے متعلق کیا کہا ہے بحث اس سے نہیں ہے دیکھنا صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلند پایہ صحابی نے بلند آواز کے ساتھ ذکر کرنے اور درود شریف پڑھنے والوں کو بدعتی فرماتے ہوئے مسجد سے خارج کر دیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس چیز کو تمہارے لئے ابن مسعودؓ پسند نہ کرے اس چیز کو میں بھی تمہارے لئے پسند نہیں کرتا (الاستیعاب ج۱ ص۲۵۹) اور حضرت ملا علی قاری الحنفیؒ نے حدیث اقلہا تکلفا کی شرح میں حضرات صحابہ کرامؓ کی سادہ زندگی کا نقشہ کھینچ کر بتایا ہے جس میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا گروہ ذکر اور درود شریف کو مسجدوں یا گھروں میں حلقہ بنا کر بلند آواز کے ساتھ نہ پڑھتے تھے ۔ (مرقات ج۱ ص۲۱۴)

اور علامہ شاطبی غرناطیؒ (المتوفی ۷۹۰ھ) لکھتے ہیں کہ:

واما ارتفاع الاصوات فی المساجد فناشئ عن بدعۃ الجدال فی الدین (الاعتصام ج ۲ ص۴۶)

بہرحال مسجدوں میں آواز بلند کرنا تو دین کے اندر جھگڑا پیدا کرنے کے لئے یہ بدعت ایجاد کی گئی ہے ۔

حضرت ابن مسعودؓ کی سابق روایت فریق مخالف کے نزدیک بھی مسلّم ہے چنانچہ وقد صح الخ کے الفاظ سے یہ روایت مولوی عبد السمیع صاحب نے نقل کی ہے (دیکھئے انوار ساطعہ ص۳۵) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جہر سے ایک جماعت ذکر اللہ کرنے والوں کو دھمکایا اور انکے فعل کو بدعت کہا کتب فقہ وحدیث میں

(باقی حاشیہ ص۲۱ پر)

قرآن کریم کی اس آیت سے بھی یہ ثابت ہُوا کہ اللہ تعالٰے غائب نہیں ہے اور اس حدیث سے بھی جہاں بلند آواز سے ذکر و اذکار کی ممانعت ثابت ہوتی ہے، یہ چیز بھی ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالٰی آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے صریح ارشاد کے مطابق غائب نہیں یعنی فریق مخالف کی منطق کی رُو سے اللہ تعالٰی حاضر نہیں اور نص قرآنی اور ارشاد نبوی کے مطابق وہ غائب نہیں۔ اب بتایئے ہم بیچارے کیا کریں اور کہاں جائیں؟ ہر جائے ماندن نہ پائے رفتن، ہم تو یہی کہیں گے کہ اللہ تعالٰی حاضر ہے غائب نہیں، ورنہ فریق مخالف جو مناسب سمجھیں کہیں کیونکہ ع نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رح فرماتے ہیں حق سبحانہٗ وتعالٰی بر احوال جزئی و کلی او مطلع است و حاضر و ناظر شرم باید کرد۔ (مکتوب ۴۷ دفتر اول حصہ دوم صفحہ ۶۶) اور شیخ عبد القدوس گنگوہی رح لکھتے ہیں۔ "وبدانکہ خدا تعالٰے حاضر است غائب نہ"۔ (مکتوبات قدوسیہ صفحہ ۱۲۹)

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲)

یہ روایت مذکور ہے۔ (انوار ساطعہ صفحہ ۱۲۲) ذکر بالجہر کی مزید تشریح (اور اسی طرح جملہ مشہور بدعات کی مُسکت تردید) راقم الحروف کی معرکۃ الآراء کتاب "المنہاج الواضح" یعنی "راہِ سُنّت" میں ملاحظہ کیجیے اور مکمل بحث حکم الذکر بالجہر میں دیکھیں۔ بلند آواز سے عموماً جمعہ اور صبح کے وقت مسجدوں میں دُرود شریف پڑھنے والے غور کریں کہ وہ کس کے نقش قدم پر چلتے ہیں؟ افسوس کا مقام ہے کہ قرآن کریم، صحیح احادیث، حضرات صحابہ کرام رض، حضرات ائمہ اربعہ رح اور خاص طور پر حضرت امام ابو حنیفہ رح اور فقہاء احناف رح کی تحقیق پر عمل کرنے والا تو آج باعث ملامت ہے اور اُس کو وہابی کے لقب سے موسوم کیا جاتا ہے اور ہر قسم کی بدعات اور خرافات کو حنفیت کہا جاتا ہے۔ فوا اسفا گر ؎

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت ‌ ‌ ‌ ‌ کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

(نوٹ) عید و حج وغیرہ کے موقعہ پر جہاں شریعت میں بلند آواز سے ذکر کا حکم آیا ہے، وہ اپنے مقام پر صحیح ہے اور احیاناً کسی شرعی مصلحت کے پیش نظر علی الخصوص انفرادی صورت میں ذکر بالجہر بھی محل نزاع نہیں ہے۔ ہاں البتہ جہاں جہر کا حکم نہیں یا حضرات سلف صالحین رح کا انکار موجود ہے خصوصاً صدر اوّل میں تو اس مقام پر ذکر جہر بدعت اور ممنوع ہو گا! ایسے مواقع پر صریح نصوص اور حضرات ائمہ مجتہدین رح کے قول کے مقابلہ میں متاخرین کا استحسان یا فتوائے جواز کیا وقعت رکھتا ہے؟ فرض نمازوں اور جمعہ کی نماز کے بعد اجتماعی صورت میں بلند آواز سے دُرود شریف پڑھنا اور ذکر بالجہر ممنوع اور بدعت ہے۔ (الاّ ریب فیہ)

مولوی سید احمد صاحب کاظمی نے کتب لغت سے حاضر کے چند معانی نقل کر کے پھر یہ لکھا ہے کہ "لفظ حاضر اپنے حقیقی لغوی معنے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی شان کے ہرگز لائق نہیں"۔ اھ (تسکین الخواطر صکہ) اور نیز لکھا ہے کہ "اہل علم غور فرمائیں کہ معانی منقولہ کے اعتبار سے کیا اللہ تعالیٰ پر لفظ حاضر کا اطلاق ممکن ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں"۔ اھ (حاشیہ تسکین الخواطر صک) یہ ان کی جہالت یا علمی خیانت ہے۔ اولاً اسلئے کہ منقولہ معانی جو ائمہ لغت نے نقل کئے ہیں وہ مخلوق کے حال کے مناسب نقل کئے ہیں۔ انھوں نے یہ کب کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر لفظ حاضر کا اطلاق ناجائز ہے اور انھوں نے یہ کب کہا ہے کہ حاضر کا لفظ جب خدا تعالیٰ کے لئے اطلاق کیا جائے تو اس سے یہی منقولہ معانی مراد ہونگے۔ یہ کتنی اور کیسی اخلاقی پستی کا ثبوت دیا ہے۔ مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ لفظ حاضر (جو شہید کا لفظی ترجمہ ہے) کا اطلاق جب اللہ تعالیٰ پر ہوگا تو اسی طرح ہوگا جو اسکی جلالتِ شان کے لائق اور مناسب ہوگا اور اس کے لئے حاضر کے معنیٰ ساکن الحضر اور المقیم فی المدن والقریٰ وغیرہ وغیرہ نہ ہونگے جو مخلوق کی شان کے لائق ہیں۔ محض صراح۔ مختار الصحاح۔ مجمع البحار اور مفردات کے حوالے نقل کر دینے سے کیا ہوتا ہے۔ دعویٰ اور دلیل میں تطابق بھی اہل علم و انصاف کے نزدیک شرط ہے۔ وثانیاً شراح حدیث نے الشہید کے معنی جو الحاضر کے لئے ہیں اور اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی رحمہ نے اللہ تعالیٰ کیلئے جو حاضر کا لفظ اطلاق کیا ہے وہ کیسا ہے؟ کیا یہ سمجھا جائے کہ ان بزرگوں نے ناجائز لفظ بول کر اللہ تعالیٰ کی توہین کا ارتکاب کیا ہے؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) سوچ کر اور ذرا سنبھل کر بتلانا کیونکہ عند اللہ تعالیٰ کے جواب دہی ہوگی سے نہ بھول اس زندگی پر غافل نہیں ہے کچھ اعتبار اس کا۔ کہ راہ لے گی یہ اپنی اکدن عدم کا رستہ تجھے بتا کر

لطیفہ :- اگر فریق مخالف ناگوار نہ سمجھے اور قارئین کرام مجھے بنا وکیل سمجھ لیں تو فریق مخالف کے اس قول کی (کہ اللہ تعالیٰ ناظر نہیں) ایک توجیہ اور صحیح محمل عرض کر دوں؟ وہ یہ ہے کہ قرآن کریم میں ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اقرار اور اپنی قسموں پر تھوڑا مال خریدتے ہیں انکا آخرت میں کچھ بھی حصہ نہیں اور ان سے اللہ تعالیٰ بات نہ کریگا اور نہ انکی طرف دیکھے گا قیامت کے دن اور نہ انکو پاک کریگا اور ان کیلئے دردناک عذاب ہوگا اسی طرح بخاری ج ۲ ص ۹۶۱ اور مسلم ج ۱ ص ۱۹۸ میں یہ حدیث آتی ہے :-

لَا یَنظُرُ اللّٰہُ مَنْ جَرَّ ثَوْبَہٗ خُیَلَاءَ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہ کرے گا جس نے اپنے ٹخنوں سے نیچے شلوار اور تہبند لٹکایا۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ نماز کی حالت میں ایک شخص نے اپنا تہبند ٹخنوں سے نیچے لٹکا رکھا تھا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کو دوبارہ وضو کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ (ابوداؤد، ج ۱ ص ۹۳ و ج ۲ ص ۲۰۹ باسناد صحیح)۔

مذکورہ آیت اور حدیث سے یہ امر ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ شفقت سے وہی لوگ محروم ہونگے جو خدا تعالیٰ کے نافرمان ہیں۔ چونکہ فریق مخالف شرک اور بدعت میں ایسا منہمک ہے کہ انکو توحید اور سُنت سے تو ذاتی عداوت ہے لہٰذا اگر ایسے مجرموں پر اللہ تعالیٰ نظرِ شفقت نہ کرے تو قرین قیاس بھی ہے اسلئے اگر فریقِ مخالف یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ناظر نہیں تو وہ بیچارا ٹھیک کہتا ہے کیونکہ اُسکی طرف واقعی اللہ تعالیٰ نظرِ شفقت کرتا ہی نہیں ہے۔

ہستی سے تا بملک عدم ایک جست تھی
جھپکی نہ آنکھ بھی کہ اِدھر سے اُدھر گیا

(۲) **دُوسری بات**: کتب عقائد میں یہ مسئلہ صراحت اور وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ عقیدہ کے اثبات کے لئے خبر واحد صحیح بھی ناکافی ہے یعنی ایسی حدیث جسکے راوی اگرچہ ثقہ ہوں لیکن اس حدیث کا شمار خبر واحد میں ہوتا ہو تو اس سے عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا چنانچہ شرح مواقف ص ۴۲ شرح فقہ اکبر ص ۶۹ مسامرہ ج ۲ ص ۷۰ اور شرح عقائد ص ۱۰۱ میں ہے کہ خبر واحد اگرچہ صحت کی ان تمام شرائط سے متصف ہو جنکا اصول فقہ (اور حدیث) میں بیان کیا گیا ہے لیکن پھر بھی اس سے ظن کا فائدہ ہی ہو سکتا ہے اور عقائد کے باب میں ظنیات کا کوئی اعتبار نہیں ہو سکتا اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:۔

الاحادیث اذا کانت فی مسائل عملیۃ یکفی فی التمسک بہا بعد صحتہا افادتہا الظن اما اذا کانت فی العقائد فلا یکفی فیہا الا ما یفید القطع۔

یعنی جن مسائل کا تعلق عمل کے ساتھ ہے ان میں صحیح احادیث سے استدلال کافی ہے کیونکہ اعمال کیلئے ظنی دلائل ہی کافی ہیں لیکن جب عقائد کی باری آئیگی تو ان میں صرف وہی حدیثیں قابل قبول ہونگی جو قطع اور یقین کا فائدہ دیں۔

(فتح الباری ج ۸ صفحہ ۲۳) (یعنی صرف متواتر حدیثیں ہوں عام اس سے کہ تواتر لفظی ہو یا معنوی تواتر طبقہ ہو یا تواتر توارث ان میں سے ہر ایک کا انکار کفر ہے)

قارئین کرام آپ سمجھ چکے ہونگے کہ عقیدت اور چیز ہے اور عقیدہ اور ہے۔ عقیدہ کے اثبات کے لئے کوئی قطعی نص یا خبر متواتر وغیرہ درکار ہے۔ یہاں خبر واحد صحیح سے بھی گاڑی نہیں چل سکتی اور قرآن کریم کے مقابلہ میں تو خبر واحد کا پیش کرنا ہی ناجائز ہے۔ چنانچہ فریق مخالف کے قائد مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلی الفیوض الملکیہ صفحہ ۱۵۱ اور انباء المصطفیٰ صفحہ ۴ میں لکھتے ہیں کہ عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد محض ہرزہ بافی ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی کہ عقائد کا اثبات صحیح حدیث سے بھی درست نہیں ہے جبکہ وہ خبر واحد ہو اور ایسی حدیث کو قرآن کریم کے مقابلہ میں پیش کرنا خاں صاحب کی اصطلاح میں ہرزہ بافی ہے تو نہ معلوم کہ بزرگان دینؒ اور صوفیائے کرامؒ کی مجمل اور گول مول باتوں سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ حضرات انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر ہوتے ہیں یا ایک بزرگ کو کئی مقامات میں دیکھا گیا یا لطائف متشکل ہو جایا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ ایسی تمام گول مول باتوں کو شریعت اسلامی تسلیم ہی نہیں کرتی۔ چنانچہ دینی اکابر جن کی بعض مجمل عبارات سے مخالفین گاڑی چلانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں صاف اسکی تردید کرتے ہیں مثلاً ایک عارف فرماتے ہیں ؎

نیست حجت قول و فعل ہیچ پیر قول حق و فعل احمدؐ را بگیر

اور حضرت مجدد الف ثانی رح مکتوبات دفتر اول صفحہ ۲۳۵ میں لکھتے ہیں کہ "عمل صوفیہ در حل و حرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نہ کنیم" جب حلال اور حرام کے مسئلہ میں صوفیاء کرامؒ کی بات حجت اور سند نہیں تو عقائد میں انکی گول مول اور مجمل باتیں کب قابل قبول ہو سکتی ہیں۔

اور شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلویؒ اخبار الاخیار صفحہ ۹۳ میں لکھتے ہیں۔ "مشرب پیر حجت نیست دلیل از کتاب و سنت مے باید" جب پیر کی بات سرے سے حجت ہی نہیں بلکہ کتاب اور سنت سے استدلال کرنا ضروری ہے تو نہ معلوم ان کی بات سے عقائد کا اثبات اور پھر قرآن کریم کا مقابلہ کیونکر درست ہو سکتا ہے؟

اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بھی "البلاغ المبین" المنسوب بشاہ ولی اللہ صاحب ؒ میں صاف طور پر اسکی تصریح کرتے ہیں کہ کسی پیر او صوفی کی بات حجت نہیں ہو سکتی۔ قرآن کریم او حضرات صحابہ کرام ؓ کی اتباع ہی ایمان ہے اور اسی میں سلامتی ہے۔ اب جو صاحب اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کریں انہیں یہ بات اچھی طرح مدنظر رکھنی چاہیئے کہ ایسے اہم مسئلہ میں کسی بزرگ کا کوئی قول حجت نہیں بلکہ خود خبر واحد صحیح بھی حجت نہیں اور قرآن کریم (اور متواتر حدیث) کے مقابلہ میں اسکا پیش کرنا محض ہرزہ سرائی ہے مگر ہوش شرط ہے۔

سنبھل کر قدم رکھیو دشتِ خار میں مجنوں ؎ کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

(۳) تیسری بات: قرآن کریم کی کسی آیت کی تفسیر جب بسند صحیح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہو تو اس کے مقابلہ میں اگر کوئی بڑے سے بڑا مفسر بھی کچھ کہے تو اسکی بات مردود ہوگی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تفسیر ہی قابلِ اخذ ہوگی جبکہ اسکی سند اعلیٰ درجہ کی صحیح بھی ہو۔ اس لئے فریق مخالف بگوش ہوش سن لے کہ لفظ شاہد ہو یا شہید یا کوئی اور، اسکی تفسیر اگر بالفرض کسی نے کچھ اور کی بھی ہو تو وہ ہرگز قابلِ قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی تفسیر خود جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کی ہے اور صحیح بخاری وغیرہ میں مذکور ہے جیسا کہ اس کی پوری تشریح قارئین کرام کے آگے پیش کی جائیگی انشاء اللہ العزیز

(۴) چوتھی بات: اگر قرآن کریم کی کسی آیت کا ایسا مطلب بیان کیا جائے کہ جس سے قرآن کریم کی دوسری آیات یا بعد کو نازل ہونے والی آیات سے تعارض واقع ہوتا ہے تو ایسا مطلب قطعاً باطل ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اسکا کلام ہے۔ اس میں ذرہ بھر بھی تعارض اور اختلاف واقع نہیں ہو سکتا بلکہ اس آیت کا وہی معنی اور مطلب صحیح ہوگا جو قرآن کریم کی دوسری آیات اور خصوصاً بعد کو نازل ہونے والی آیات سے ٹکر نہ کھاتا ہو اور مطلب بھی وہ ہو جو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام ؓ اور تابعین ؒ نے اس کو پیش کیا ہو اس میں الٹے دوسرے مفسرین کی ذاتی رائے خواہ وہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں (اگر وہ قابلِ تاویل نہ ہو تو) مردود ہوگی۔

(۵) پانچویں بات: ہم اپنے استدلال اور مخالفین کے جواب میں نص قرآنی پیش کریں گے اور اس کی تائید میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابی عوانہ اور موطا امام مالک کی صحیح حدیثیں عرض کی جائیں گی۔

اور مستدرک کی وہ احادیث عرض ہوں گی جن کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہونگے۔ ان کتب کے علاوہ ہم جو حدیثیں کسی اور کتاب سے نقل کریں گے وہ محض شاہد اور اعتبار کے درجہ میں ہونگی اور ہمارا استدلال ان سے نہ ہوگا اور ایسی حدیثوں کو یوں سمجھ لیجئے کہ ع

چراغِ راہ ہیں منزل نہیں ہیں

(۶) **چھٹی بات:** کتاب ہذا کے چار باب ہوں گے۔ پہلا باب قرآن کریم کے بعض واقعات (اور چند حدیثوں) پر مشتمل ہوگا۔ دوسرا باب صرف صحیح احادیث پر مشتمل ہوگا اور تیسرا باب حضرات فقہاء احناف کثر اللہ جماعتہم کے فتووں اور اقوال پر حاوی ہوگا اور چوتھا باب فریق مخالف کے پیش کردہ نقلی اور عقلی دلائل کے جوابات پر منطوی ہوگا۔ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ ٹھنڈے دل سے اور بغور ان ابواب کا مطالعہ کریں تاکہ آپ کو حق اور باطل میں نمایاں فرق نظر آجائے اور پھر حق کو تسلیم کرنے کے لئے ہمہ تن تیار رہیئے اور حق کے قبول کرنے سے کوئی چیز مانع اور رکاوٹ ثابت نہ ہو اور یہ کہتے ہوئے منزلِ مقصود کی طرف قدم اٹھایئے کہ ؎

ہزار مرحلے آئے مگر کہیں نہ رُکے
ہم آرزوئے نگاراں کے ساتھ ساتھ رہے

بابُ اوّل

ہم باب اوّل میں قرآن کریم کے چند وہ واقعات جو صرف اولوالعزم حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متعلق ہیں، ہدیۂ قارئین کرام کرتے ہیں۔ آپ ان واقعات کو انصاف کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں اور دیکھیں کہ حق کس کے ساتھ ہے کہ ع تمنّا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ: قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اسکا ذکر آیا ہے کہ فرشتے (بصورت انسان) حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس مہمان ہو کر آئے انھوں نے سلام کیا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلام کا جواب دیا اور دل میں کہا، قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ۔ کوئی اجنبی لوگ ہیں، انھیں بٹھایا بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لاکر انکے سامنے رکھا، وہ حضرت ابراہیمؑ کو دیکھنے لگے، کھائیے! وہ خاموش۔ پھر کہا، کیوں نہیں کھاتے؟ انھوں نے پھر کھانے کو ہاتھ نہ اٹھائے۔ حضرت ابراہیمؑ ڈر گئے، مبادا دشمن ہوں، پھر حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔ تم کون ہو جو ہمارے ہاں کھانا نہیں کھاتے؟

مہمان سمجھ گئے کہ حضرت ابراہیمؑ خوفزدہ ہیں۔ انھوں نے کہا ڈریئے نہیں ہم فرستادہ خدا ہیں قوم لوطؑ کے پاس (ان کی تباہی اور بربادی کیلئے) بھیجے گئے ہیں۔ قرآن کریم کے اصل الفاظ اور ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝

(پ۱۲ - سورۃ هود - ع۷)

اور البتہ آچکے ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر۔ بولے سلام۔ وہ بولے سلام ہے۔ پھر دیر نہ کی کہ لے آیا ایک بچھڑا تلا ہوا۔ پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ نہیں آتے کھانے تک۔ ان سے متوحش ہوئے اور کھٹکا دل میں ان سے ڈر۔ وہ بولے مت ڈر ہم (فرشتے) ہیں بھیجے ہوئے قوم لوطؑ کی طرف۔

اگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ یہ تو فرشتے ہیں میرے سامنے اور میرے رو برو آسمان سے نیچے اتر کر آئے ہیں اور فلاں راستے سے ہوتے ہوئے میرے پاس پہنچے ہیں۔ اگر حضرت ابراہیم کو معلوم ہوتا کہ یہ فرشتے ہیں تو ان کے لئے بچھڑا کیوں ذبح کیا؟ اور پھر بھون تل کر ان کے سامنے کیوں لا رکھا؟ جبکہ معلوم ہے کہ فرشتے کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ پھر عمداً یہ مذاق ان سے کیوں کیا؟ اور دل میں ڈر کیوں پیدا ہوا؟ جب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر تھے تو ان کو پریشانی کیوں لاحق ہوئی؟ حالانکہ اس بڑے عقیدہ کے اعتبار سے وہ فرشتوں کے ساتھ ساتھ حاضر بھی تھے اور ناظر بھی۔ اس واقعہ سے جہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاضر و ناظر ہونے کی تردید ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی اس سے ثابت ہوا کہ آپ جمیع ما کان وما یکون کا علم بھی نہیں رکھتے تھے۔ دل چاہے تو بخاری ج۱ ص۴۷۵) کی ایک حدیث بھی سن لیجئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خداوند عزیز کے حکم سے جب حضرت ابراہیم ؑ نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت ہاجرہ ؓ اور شیر خوار بچے حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چٹیل اور بیابان جگہ یعنی مکہ مکرمہ میں چھوڑ دیا اور جب باپ کو بیٹے سے ملے بہت دن گزر گئے تو محبتِ پدری نے جوش مارا اور حکمِ خدا کا انتظار رہنے لگا۔ اذنِ خداوندی ملا تو حضرت سارہ ؓ سے رخصت ہوئے۔ مکہ مکرمہ کا راستہ لیا۔ آئے۔ مکان پر گئے۔ حضرت اسمٰعیل ؑ نہیں ملے وہ شکار کو گئے ہوئے تھے (حضرت اسمٰعیل ؑ کی والدہ حضرت ہاجرہ ؓ کے انتقال کی خبر معلوم ہوئی۔ اپنی بہو سے پوچھا کہ تمہارا کیا حال ہے؟ اس نے شکوہ کیا کہ ہم نہایت تنگی میں رہتے ہیں۔ اس پر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صدمہ ہوا اور دوہرا صدمہ بی بی ہاجرہ ؓ کے انتقال کا اور بہو کی ترش کلامی اور بے رخی کا۔ زیادہ ٹھہرنے کی اجازت نہ تھی۔ یہ کہا۔ اپنے شوہر سے کہہ دینا کہ "اپنے گھر کا دروازہ بدل دیں۔" اور واپس ہو گئے۔ حضرت اسمٰعیل ؑ آئے۔ بیوی نے پیغام دیا۔ حضرت اسمٰعیل ؑ نے کہا کہ وہ تو میرے والد محترم تھے اور اس پیغام کا مطلب ہے کہ میں تمہیں علیحدہ کر دوں۔ باپ کا حکم ہے تعمیل ضروری ہے لہٰذا تجھے طلاق ہے۔ دوسری شادی کی۔ عرصہ گزر گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر لختِ جگر کی ملاقات کو روانہ ہوئے۔ تمنائے ملاقات، شوقِ دید، سفر کی مشقتیں، ایک پھر وہی ایک مرتبہ نہیں دو مرتبہ حضرت ابراہیم ؑ کی دنیا کا کیا حال ہوگا؟ مگر وہ پیغمبر تھے۔ راضی برضا واپس چلے گئے۔ بہو کی تعریف کی اور اپنا پیام حضرت اسمٰعیل ؑ کے نام چھوڑ گئے۔ بعض الفاظ اصل ملاحظہ کیجئے۔

فجاء ابراهيم بعد ما تزوج اسماعيل يطالع تركته فلم يجد اسمعيل فسأل امرأته عنه فقالت خرج يبتغي لنا ثم سأل عن عيشهم الحديث

(بخاری ج ۱ ص ۴۷۵)

جب حضرت اسمٰعیل کی شادی ہو چکی تو حضرت ابراہیم ان کی ملاقات کو گئے۔ تاکہ اہل و عیال کو دیکھ بھال لیں لیکن انھیں حضرت اسمٰعیل ؑ نہ مل سکے انکی بیوی سے پوچھا۔ اسمٰعیل کہاں ہے؟ وہ بولی ہمارے کھانے کا انتظام کرنے گئے ہیں پھر اس سے گزران اوقات کا سوال کیا انھوں نے شکوہ و شکایات کے دفتر کھول دیئے۔

کیا خوب ہے

لے گئے تھے بزم میں اُن کی ایک آرزو
لوٹے وہاں سے شکوں کے دفتر لئے ہوئے

قارئین کرام سمجھ چکے ہوں گے کہ اگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر ہوتے تو علاقہ شام سے مکہ مکرمہ تک تقریباً ایک ہزار میل کی مسافت طے کرکے ان کو حالات دریافت کرنے کی کیا ضرورت تھی؛ وہ تو گھر رہتے ہوئے بھی دیکھ سکتے تھے پھر بار بار سفر کی زحمت کیوں گوارا کی؟ اگر آپ حاضر و ناظر تھے تو اسمٰعیل نہ مل سکے رفلم یجد اسمٰعیل) کا کیا معنیٰ؟

لطیفہ: اگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر تھے تو علاقہ بابل سے ہجرت کرکے شام کیوں گئے تھے، پھر شام سے بار بار اپنے لخت جگر اور رفیقہ حیات کی ملاقات کیلئے مکہ مکرمہ کیوں تشریف لے جاتے رہے؟ کیونکہ جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہوگا اس کے لئے ایک جگہ کو چھوڑنا اور پھر دوسری جگہ جانا سمجھ سے بالاتر ہے اور کوئی بھی باشعور آدمی اس سے اختلاف نہیں کرسکتا۔

غرضیکہ اس عقیدہ کے رُو سے حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہجرت کرنا اور نقل و حرکت کرنا وغیرہ سب باطل ٹھہرتا ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی ہجرت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک نیز معراج مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک اور وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک۔ اسی طرح جنگ بدر، خیبر، تبوک، حنین اور طائف وغیرہ کا سفر کرنا نیز حج اور عمرہ وغیرہ کرنا بلکہ گھر سے مسجد اور مسجد سے گھر تک اور مدینہ طیبہ کی ایک گلی سے دوسری گلی تک اور ایک کوچہ سے دوسرے کوچہ تک آنا جانا بالکل باطل ٹھہرتا ہے کیونکہ جب

آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کا کیا مطلب؟ اور جب آپ ہر جگہ حاضر تھے تو مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے یکے بعد دیگرے سب آسمانوں کی ایک ہی رات میں بجسد عنصری اور بحالت بیداری سیر کرنے اور معراج کا کیا معنی؟ اس خبیث اور ناپاک عقیدہ کے بموجب نہ تو آپ مہاجر ہو سکتے ہیں اور نہ آپ صاحب معراج ہو سکتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) غرضیکہ آپ کے تمام سفر جو ہجرت، جہاد، معراج اور حج وغیرہ کے لئے ہوئے تھے، سب کا انکار لازم آتا ہے۔ کیونکہ جب آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے تو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے بعد بھی مکہ مکرمہ میں ہی رہے پھر ہجرت کیسی؟ وعلیٰ ھذا القیاس۔ دوسری اشیاء کو بھی اسی پر قیاس کیجئے اور اس سے ان بیچارے حنفیوں اور گندم نما جو فروش سُنیوں کی عقیدت اور محبت کا بھی اندازہ کر لیجئے کہ ایک طرف تو قرآن کریم اور صحیح حدیث کا انکار کیا جاتا ہے اور دوسری طرف آپ کی ہجرت، معراج، جہاد اور حج وغیرہ کا صاف انکار لازم آتا ہے ؎ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

نوٹ: مولوی محمد عمر صاحب کا مقیاس حنفیت ص ۳۲۳ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالم الغیب ہونے پر رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ الآیۃ سے اور وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ الآیۃ سے استدلال کرنا صرف مولوی محمد عمر صاحب ہی کا کام ہے۔ ان کے نزدیک کچھ نہ کچھ کہہ دینا اور لکھ دینا ہی استدلال اور جواب تصور ہوتا ہے۔ ان کو اس سے مطلق کوئی غرض ہی نہیں ہوتی کہ دعویٰ اور دلیل میں تطابق بھی ہے یا نہیں؟ ان کا اس پر خوب عمل ہے کہ ع تا کہ آں باشد کہ چپ نشود۔ مسئلہ علم الغیب پر راقم کی کتاب ازالۃ الریب ملاحظہ کریں وہاں اسکی مفصل بحث ہے۔

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ: قرآن کریم میں ان کا واقعہ بھی مختلف اسالیب اور متعدد مقامات میں بیان کیا گیا ہے۔ واقعہ یوں ہے کہ چند فرشتے (حضرت جبرائیل ؑ، حضرت میکائیل ؑ، اور حضرت اسرافیل علیہم الصلوٰۃ والسلام) مگر حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انکو بشر اور انسان خیال کیا (البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۸۱) خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمان بن کر آئے۔ قوم لواطت اور بدکاری میں مشہور تھی۔ قوم نے سنا تو رہ نہ سکی بھاگتی ہوئی آئی حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قوم کو دیکھا گھبرائے مگر خاموش۔ دل کی دنیا میں اتار اور چڑھاؤ چہرہ پر غمی کے آثار قوم کو سمجھایا کہ یہ میرے مہمان ہیں۔ ازدہ بدسے باز

آجاؤ مجھے مہمانوں کے بارے میں تنگ نہ کرو۔ نہ ستاؤ۔ مگر قوم تھی کہ ان پر بدفعلی کا بھوت سوار تھا۔ پھر حضرت
لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معقول وجہ سے سمجھایا مگر قوم کی وہی ضد اور اصرار۔ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
اپنی تین صلبی بیٹیاں نکاح کیلئے پیش کیں (جیسا کہ مستدرک ج ۲ ص ۵۶۲ میں ہے) یا قوم کی لڑکیوں کو پیار اور شفقت
سے بیٹیاں کہا اور ویسے بھی پیغمبر قوم کا روحانی باپ ہوتا ہے اور فرماتے ہیں ان سے نکاح کرلو تمہارے لئے
بہتر ہوگا مگر قوم کہتی ہے کہ ہمیں لڑکیوں سے کیا تعلق؟ آپ ہمارا مقصد اور ارادہ تو جانتے ہی ہیں جب معاملہ
یہاں تک پہنچ گیا تو حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کاش آج میرے پاس قوت اور طاقت ہوتی تو
تمہیں بتا دیتا کہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی کس طرح کی جاتی ہے۔ فرشتے یہ سب کچھ سنتے ہیں مگر ٹس سے مس نہیں ہوتے
جب حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے بسی کی انتہا ہو چکی تو فرشتے کہتے ہیں۔ آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں
ہم تو اللہ تعالیٰ کے فرستادہ ہیں۔ قرآن کریم کے بعض الفاظ بھی ملاحظہ کیجیے۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ
وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ
عَصِيبٌ۔

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوطؑ کے پاس تو وہ غمگین
ہوا ان کے آنے سے اور تنگ ہوا دل میں اور بولا آج
کا دن بڑا ہی سخت دن ہے۔

چند آیات کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ
لَن يَصِلُوا إِلَيْكَ۔

(پ ۱۲۔ سورۃ ھود۔ رکوع ۷)

فرشتے بولے اے لوطؑ ہم تو انسان نہیں بلکہ تیرے رب
کے فرشتے ہیں۔ ہرگز یہ نہ پہنچ سکیں گے تجھ تک (یعنی آپ کو
جو اپنے مہمانوں کی بے عزتی کا ڈر اور خوف ہے وہ دل سے
نکال دیجئے۔ ہم تو فرستادۂ خدا ہیں)۔

قارئین کرام کو یاد ہوگا کہ یہ وہی فرشتے ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت اسحٰقؑ کی
خوشخبری سنائی تھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ ہم قوم لوطؑ کی طرف روانہ کئے گئے ہیں تاکہ اس کا خاتمہ کردیں۔ اگر حضرت
لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ یہ وہی فرشتے تو ہیں جو آسمان دنیا سے میرے سامنے
نازل ہوئے ہیں اور یہ وہی تو ہیں جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیٹے کی خوشخبری سنانے کے بعد یہ کہا

تھا کہ ہم فرشتے ہیں اور قوم لوطؑ کی گت بنانے جاتے ہیں مگر حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پریشانی اور پھر اپنی بیٹیوں کی قربانی اور طاقت اور قوت کے فقدان کیلئے افسوس کرنا! یہ ایسی چیزیں ہیں جن سے ہر ایک حق پرست کی رہنمائی آسانی کے ساتھ ہو سکتی ہے مگر قبیلہ بندی اور ہٹ دھرم کیلئے دفتر بھی بیکار ہیں۔ یہ چیز بھی نہ بھولنی چاہیے کہ یہ وہ وقت ہے جبکہ حضرت لوطؑ اپنی قوم پر اتمام حجت کر چکے ہیں اور اپنی پیغمبرانہ ڈیوٹی ادا کر چکے ہیں مومنو کی نجات اور کافروں کی تباہی کا وقت سر پر کھڑا ناچ رہا ہے اور گویا یوں کہہ رہا ہے کہ

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو   جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

اس واقعہ سے آفتاب نیمروز کی طرح یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جلیل القدر پیغمبر ہونے کے باوجود ماکان ومایکون کا علم حاصل نہ تھا۔ ورنہ وہ اتنے پریشان نہ ہوتے مگر انکی یہ پریشانی اور دلگیری آپکے سامنے ہی تو ہے۔

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ: قرآن کریم میں ان سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جدائی اور فراق کا قصہ مفصل موجود ہے اور اس کو قرآن کریم نے احسن القصص یعنی بہترین قصہ اور بیان کہا ہے۔ واقعہ یوں پیش آیا کہ حضرت یوسفؑ نے بچپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے سورج اور چاند ان کے سامنے سر بسجود ہیں۔ نبی کا خواب تھا اپنے اندر حقیقت رکھتا تھا حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب کا پس منظر سمجھ لیا اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو منع کر دیا کہ اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا مبادا وہ تجھے اذیت پہنچائیں کیونکہ انسان ہیں اور بشر۔ قدرت کا کام دیکھئے کسی طرح سے اس خواب کا علم بھائیوں کو بھی ہو گیا۔ وہ خانوادہ نبوت کے چشم و چراغ تھے سمجھ گئے کہ اس خواب میں کیا کیا رمزیں ہیں۔ ستاروں اور سورج کا مصداق بھی سمجھ ہی گئے مشورہ ہوا کہ یوسفؑ کو قتل کر دو تاکہ تمہارے اوپر فوقیت اور برتری کا امکان ہی باقی نہ رہے۔ آخر لے دے کے بعد معاملہ طے پایا کہ اسکو کسی گمنام کنوئیں میں ڈال کر توبہ کر لو مجلس مشاورت اور میٹنگ کے بعد اپنے والد بزرگوار حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کی کہ ہم کل سیر و سیاحت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ آپ ہمارے بھائی یوسفؑ کو بھی ہمارے ہمراہ بھیج دیجئے تاکہ وہ بھی شغل میلہ دیکھ آئے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ چونکہ ہمارے ملک میں بکثرت بھیڑئیے ہیں اسلئے کہیں میرے

فرزند کو تمہاری غفلت میں بھیڑیا نہ کھا جائے بیٹوں نے کہا بھیڑیا ہمارے عزیز بھائی کو کھا جائے ہم
کہاں ہونگے۔ اگر ایسا ہوا تو ہم تو گویا دنیا میں رہنے کے قابل ہی نہیں۔ باپ نے انکی بات پر یقین کر لیا
یوسفؑ کو ان کے ساتھ روانہ کر دیا۔ وہ ان کو لے گئے اور ایک گمنام گہرے کنوئیں میں ڈال آئے حضرت یو
نے اسوقت اپنے بڑے بھائیوں سے رحم کی کیا کچھ اپیل نہ کی ہوگی۔ اگر اور نہ سہی تو کم از کم یہی کہا ہوگا
مجھے میرے لئے نہیں اپنے بوڑھے اور ضعیف باپ کے لئے ہی چھوڑ دو۔ جو تمہارا بھی باپ ہے اور نہ صرف با
ہی نہیں بلکہ پیغمبر خدا بھی ہے۔ اے میرے بھائیو! جب تم واپس جاؤ گے اور وہ مجھے نہ دیکھے گا تو اس پر
کیا گزرے گی؛ مگر بھائی بڑے تنگدل بلکہ سنگدل واقع ہوئے تھے۔ ان پر کچھ اثر نہ ہوا اور وہ حضرت یو
کے قمیص پر جھوٹا خون لگا کر باپ کے پاس رات کو روتے ہوئے آئے کہ ابا جان ہم مسابقت کر رہے تھے
بھائی یوسفؑ کو اپنے کپڑوں اور سامان کے پاس چھوڑا تھا۔ افسوس کہ اسکو بھیڑیا کھا گیا۔ یہ اسکا قمیص
خون آلودہ۔ آپ مانیں یا نہ مانیں۔ بات سچی یہی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حضرت یو
علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت دیکھئے اور یوسفؑ کی کسمپرسی ملاحظہ کیجئے۔ ننھی عمر، گہرا کنواں، تنہائی
اور تاریکی؛ وحشت ہر طرف سے گھیرے ہوئے، دہشت ہر طرف سے منڈلاتی ہوئی تصور کی عینک
دیکھو اسوقت غریب یوسفؑ کا کیا حال ہوگا۔ قرآن کریم کے بعض الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد ہوتا ہے

أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ
لَحَافِظُونَ ۝ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا
بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ
غَافِلُونَ ۝ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ
إِنَّا إِذًا لَخَاسِرُونَ ۝ (پ۱۲۔ سورۃ یوسف رکوع ۲)

بھیج یوسفؑ کو ہمارے ساتھ کل خوب کھائے اور کھیلے اور
اسکے نگہبان ہیں حضرت یعقوبؑ نے فرمایا مجھ کو غم ہوتا ہے
اس سے کہ تم اسکو لے جاؤ اور ڈرتا ہوں اس سے کہ کھا جائے
اسکو بھیڑیا اور تم اس سے بے خبر رہو۔ بولے اگر کھا گیا اسکو
بھیڑیا اور ہم ایک جماعت ہیں تو تو ہم نے سب کچھ کھو دیا۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائیوں کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں
کہ وہ نبی نہ تھے۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا ہے اور قرآن کریم میں جو واقعہ بیان کیا گیا
ہے وہ بھی بظاہر اسکی تائید کرتا ہے اور دوسرے انکو نبی تسلیم کرتے ہیں۔ اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کو

مستدرک میں روایت کرتے ہیں (دیکھئے ج ۲ ص ۵۵۳ اور جس کی تصحیح
اگرچہ موقوف ہے لیکن حکماً مرفوع ہے جسکو امام حاکمؒ
پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں) اگر آپ تسلیم کرلیں تو دوسرے گروہ کی تائید ہوجاتی ہے برمضمون اس حدیث کا
یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ کے گھرانے کے کل افراد جو کنعان سے مصر آئے تھے انکی تعداد تین سو نوے تھی جسمیں بچے
بوڑھے مرد اور عورتیں شامل تھیں (رجالهم انبياء ونساءهم صديقات) مرد سب نبی اور عورتیں سب سچی
تھیں۔ ان میں حضرت یوسفؑ کے سب برادر بھی تھے۔ الغرض انکے مومن ہونے میں تو کسی کو کسی طرح کا کوئی کلام
نہیں ہے صرف انکی نبوت میں اختلاف ہے۔ اب پوچھنے کی بات یہ ہے کہ اگر حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام
حاضر و ناظر ہوتے تو جب انکے صاحبزادوں نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ساتھ لے جانے کا مشورہ
کیا تھا حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ قصہ معلوم ہونا چاہیئے تھا اور پھر جب بھائی کنوئیں میں حضرت
یوسف علیہ السلام کو ڈال آئے تھے تو حضرت یعقوب علیہ السلام جاکر اُن کو نکال لاتے۔ کیونکہ ان کے سامنے
ہی تو وہ کنوئیں میں ڈالے گئے تھے جب حاضر و ناظر تھے تو انکو یہ سب ماجرا معلوم ہونا چاہیئے تھا اور اس واقعہ
سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیغمبر کے مومن بیٹوں کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ ہمارے باپ جو خدا کے نبی ہیں حاضر و ناظر
ہیں۔ اگر ان کا یہ عقیدہ ہوتا تو اس قسم کی سازش وہ ہرگز نہ کرتے۔ کیونکہ انکو معلوم ہوتا کہ ہمارے باپ سے
ہمارا کونسا عمل غائب اور پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ وہ تو ہر وقت حاضر و ناظر ہیں اور پھر حضرت یعقوبؑ
(دیکھئے مستدرک ج ۲ ص ۳۹۶)۔
ہیں جو تقریباً چالیس برس تک پریشان رہے۔
آہ! حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر غم والم کا پہاڑ ٹوٹا اور بری طرح ٹوٹا۔ آہ و نالہ، خدا سے فریاد
یوسفؑ کی سلامتی کی دعا، حسین بیٹے کی صورت زیبا کا تصور، جدائی کا خیال، غربت کا احساس، موت
وحیات کا اندیشہ، ایک دل اور وہ بھی غمزدہ اور ہزاروں آفتیں اور دردناک کیفیتیں۔ ع

وائے بر صیدیکہ یک باشد و صیاد ے چند

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر وقت یہی خیال ہے کہ کہاں ہے یوسفؑ؟ آنکھوں کا نور،
دل کا سرور، نورِ نظر، لختِ جگر، دل کا چین — کہاں ہے میرا چین، کہاں ہے میرا صبر و قرار، کہاں ہیں میرے
ہوش و حواس! — آہ یوسفؑ! حسین و جمیل یوسفؑ تو کہاں ہے؟ کہاں جاؤں اور تجھے کہاں سے پاؤں

رو رہے ہیں اور بے تحاشا رو رہے ہیں۔ اب تو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انکے غمکدے میں چھوڑ دو اور چلو مصر کی جانب جدھر تو قافلہ گیا ہے اسمٰعیلیوں کا قافلہ۔ وہ تجارتی قافلہ جس کے ہاتھ یوسفؑ ساحسین بکا۔ وہ دیکھو پیمبر زادہ مصر کے بازار میں کھڑا ہے۔ چاند کا سا خوبصورت چہرہ موہنی صورت، کٹارہ سی آنکھیں، سڈول بدن، موزوں قدوقامت، چہرے پر نور برس رہا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لاڈلا حضرت اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پوتا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پرپوتا اور قدرت کے اسرار پر کسے آگاہی اور خدائی رازداریوں تک کس کی رسائی؟ چون و چرا کی گنجائش ہی نہیں بس بک رہا ہے خانوادۂ نبوت مگر حضرت یعقوبؑ بے خبر ہیں معلوم تک نہیں کہ میرا یوسف علیہ کہاں ہے۔ حاضر وناظر ہوتے تو سب کچھ دیکھ لیتے۔ اپنے لختِ جگر کو کنوئیں سے نکال لاتے۔ قافلے سے چھین لیتے، مصر سے لے آتے۔ مگر افسوس کہ کچھ بھی نہ ہوا اور پھیر قدرت کا کرشمہ دیکھئے جو مصر میں بکا وہ بادشاہ بنا۔ رفتہ رفتہ بھائیوں سے ملاقات ہوئی۔ بھانڈا پھوٹا، حقیقت کھل گئی۔ باپ سے ملنے کی آرزو نے بے چین کر دیا۔ قاصد کے ہاتھ اپنا قمیص مصر سے ارسال کیا کہ میرے باپ کے منہ پر ڈالنا انکی آنکھیں درست ہو جائیں گی مگر باذنِ خداوندی۔ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر والوں سے کہہ رہے ہیں مجھے یوسفؑ کی خوشبو آتی ہے۔ اگر تم مجھے بڑھاپا فرتوت کہہ کر میری بات نہ ٹال دو۔ صد آفریں ہے شیخ مصلح الدین سعدیؒ پہ کہ انھوں نے کیا ہی خوب کہا ہے ؎

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند	کہ اے روشن گہر پیر خرد مند
ز مصرش بوئے پیراہن شمیدی	چرا در چاہِ کنعانش نہ دیدی
بگفت احوالِ ما برق جہان است	دمے پیدا و دیگر دم نہان است
گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم	گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

اس واقعہ سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جمیع ماکان و ما یکون کے عالم ہونے کی بھی صاف نفی ہو گئی۔

نوٹ: خواب کے پیشِ نظر اجمالی طور پر حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت یوسفؑ کی زندگی کا علم اور امید تھی۔ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ میں اسی طرف اشارہ ہے مگر تفصیل کے ساتھ کچھ علم نہیں تھا

کہ یوسف کہاں ہیں، اور انکے ساتھ کیا گزری ہے؟ اور بیٹوں کی کارروائی کا صحیح علم بھی نہ تھا۔ یہ بالکل ٹھیک ہے کہ صحیح و سالم قمیص پر جھوٹا خون دیکھ کر انکو شک ضرور ہوا تھا اور بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۔ اسی لئے فرمایا تھا لیکن بیٹوں کے مکر و فریب کی پوری حقیقت بالکل معلوم نہ تھی لہٰذا مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ کا استدلال سراسر باطل ہے اور مفتی احمد یار خاں صاحب نے ان جملوں سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب پر جو استدلال کیا ہے (دیکھئے جاء الحق صفحہ ۱۲۳) تو وہ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ مزید اور پوری تشریح اِزالۃُ الرَّیب میں دیکھئے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ

قرآن کریم میں انکا واقعہ صاف طور پر مذکور ہے؛ لیکن ان آیات کی تفسیر کے لئے بجائے اسکے کہ آپ حضرات مفسرینؒ کی طرف رجوع کریں حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی تفسیر صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۶۸۸ اور صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۲۶۹ وغیرہ میں مذکور ہے، ملاحظہ فرمایئے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بنی اسرائیل کے ایک بھرے ہوئے مجمع میں تقریر فرما رہے تھے۔ پیغمبر خدا کی تقریر تھی، دلپذیر، دلکش اور مؤثر۔ کسی نے سوال کیا کہ کیا کوئی آپ سے بڑا عالم بھی موجود ہے؟ حضرت موسیٰؑ نے ارشاد فرمایا، نہیں۔ جواب اگرچہ اپنے موقع پر صحیح تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی تھے اور صاحب کتاب و صاحب شریعت نبی۔ ان سے بڑا عالم اسوقت کون ہو سکتا تھا لیکن بارگاہِ خداوندی میں مقربین کی زبان سے انانیت کو پسند نہیں کیا جاتا۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اگر یوں فرما دیتے کہ ہاں اللہ تعالیٰ ہی سب سے بڑا عالم ہے تو ان کا جواب اللہ تعالےٰ کو بہت ہی پسند آتا۔ مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ارشاد ہوا کہ ہمارا ایک بندہ ہے خضر نامی مجمع البحرین میں تجھے ملیگا۔ اس سے کچھ دن جا کر بعض تکوینی امور سیکھ آؤ۔ (کیونکہ تشریعی امور میں تو رسول اور نبی بواسطہ فرشتہ اللہ تعالیٰ ہی سے علوم اخذ کرتے ہیں) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے بارالٰہا مجھے کس طرح اسکی ملاقات نصیب ہوگی؟ جواب ملا اپنے ساتھ ایک بے جان مچھلی (نُوْنًا مَیِّتًا بخاری) لے جاؤ۔ جہاں اس میں جان پڑ جائیگی اور جہاں وہ تم سے الگ ہو جائیگی اسی مقام پر وہ بندہ تمہیں ملے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایک رفیق خاص حضرت یوشع بن نون کو ساتھ لیا کچھ زادِ راہ بھی تھیلے میں ڈال لیا، مچھلی لی اور چلتے بنے۔ خلاصہ یہ کہ منزل مقصود تک پہنچے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک پتھر کے سایہ میں آرام کرنے لگے۔ خادم نے دیکھا کہ مچھلی زندہ ہو چکی ہے، اچھل کود

کر پانی میں جا پڑی اور عجیب و غریب طریقہ سے پانی میں سرنگ نکالتی ہوئی نظر سے غائب ہو گئی حضرت موسیٰ اُٹھے اور سفر کی ٹھان لی۔ خادم اور رفیق کو مچھلی والا قصہ ہی یاد نہ رہا۔ جب کچھ مسافت طے کی اور آگے نکل گئے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تھکان اور بھوک نے ستایا۔ فرمانے لگے لاؤ بھیا ناشتہ۔ جب رفیق نے تھیلے سے ناشتہ نکالا چاہا تو مچھلی والا قصہ یاد آ گیا۔ عاجزی اور معذرت سے وہ قصہ سنایا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جہاں مچھلی غائب ہو گئی تھی وہی جگہ تو ہماری منزلِ مقصود تھی۔ اپنے پاؤں کے نشانات تلاش کرتے کرتے اسی مقام پر پہنچے کیونکہ زمین گول ہے۔ دیکھا کہ ایک بندۂ خدا چادر اوڑھ کر آرام کر رہا ہے۔ اُنکے پاس گئے اور سلام کیا۔ وہ بولا۔ اس زمین پر سلام کہنے والا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں موسیٰ ہوں۔ اس بندۂ خدا نے کہا کیا وہ موسیٰ جو بنی اسرائیل کی طرف نبی اور رسول بنا کر بھیجا گیا ہے؟ فرمایا جی ہاں وہی موسیٰ۔ تو آپ یہاں کیوں آئے؟ جواب ملا اسلئے کہ جناب سے کچھ علمی اور تحقیقی باتیں حاصل کروں۔ خضر علیہ السلام نے بڑی کڑی شرطیں لگائیں۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تسلیم کرنا پڑیں۔ نوبت بایں جا رسید کہ کشتی پر دونوں کو سفر کرنا پڑا۔ ایک چڑیا آئی اور دریا سے پانی کا قطرہ اٹھایا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے استاد کی حیثیت سے فرمایا۔ اے موسیٰؑ! وہ بولے جی ہاں۔ فرمایا مخلوق کے علم کی نسبت خالق کے علم کی طرف ایسی ہی سمجھو جیسے اس چڑیا کے منہ کا پانی اور سمندر کا پانی۔ ایک قطرہ اور دریا چہ نسبت دارد۔ اور یہ بھی محض سمجھانے کیلئے فرمایا ورنہ متناہی اور غیر متناہی میں کیا نسبت؟ محدود اور غیر محدود کا کیا تقابل؟ پھر ارشاد ہوا۔

یا موسیٰ اِنّی علیٰ علمٍ من علم اللہ علّمنیہٖ لا تعلمہ انت وانت علیٰ علمٍ من علم اللہ علّمک اللہ لا اعلمہ (بخاری شریف ج ۲ ص ۶۸۸)

یعنی اے موسیٰ مجھے اللہ تعالیٰ نے وہ علم دیا ہے جس کو تو نہیں جانتا۔ اور تجھے خدا تعالیٰ نے وہ علم عطا کیا ہے جس کو میں نہیں جانتا۔

قرآن کریم میں یوں ارشاد ہے:۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِیْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۝ قَالَ اَرَءَیْتَ اِذْ اَوَیْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ وَمَاۤ اَنْسٰىنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ

پھر جب آگے چلے کہا موسیٰؑ نے اپنے نوجوان کو لا ہمارا کھانا ہم نے پائی اس سفر میں تکلیف۔ بولا وہ دیکھا تو نے جب ہم نے اپنی جگہ پکڑی پتھر کے ساتھ سو میں بھول گیا مچھلی اور یہ مجھ کو بھلا دیا شیطان ہی نے کہ اسکا ذکر کروں۔ اور اس نے

سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۔ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۔ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۔ (پ۱۵ کہف ع۹)

کر لیا اپنا راستہ دریا میں عجیب۔ کہا موسیٰ نے یہی تو ہے جو ہم چاہتے تھے پھر الٹے پھرے پاؤں کے نشان ڈھونڈتے ہوئے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر و ناظر نہ تھے ورنہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ ہمارا ایک بندہ ہے جو فلاں جگہ ہے۔ اس سے جا کر ملاقات کرو۔ تو اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو علامت طلب کرنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مچھلی کو علامت و نشانی مقرر کرنے کی نوبت ہی آتی؟ اور پھر منزل مقصود سے آگے نکل جانے کی غلطی کیوں کی؟ کیا حاضر و ناظر ایسی موجود رہتے ہوئے اور سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اپنی منزل مقصود سے آگے نکل جایا کرتا ہے؟ اور اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت خضر علیہ السلام بھی حاضر و ناظر نہ تھے۔ ورنہ جس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے مجمع میں تقریر کرتے دیکھا، اور پھر راستہ پر چلتے دیکھا اور منزل مقصود سے آگے نکل کر پھر الٹے پاؤں آتے دیکھا اور ہر ہر قدم پر انکے ساتھ حاضر بھی رہے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ کیوں فرماتے ہیں کہ تم کون ہو؟ کہاں سے آئے؟ اور کیوں آئے؟ اور پھر جواب ملنے پر یہ کیوں فرماتے ہیں کہ کیا تم بنی اسرائیل کے رسول حضرت موسیٰؑ ہو؟ اس واقعہ سے جس طرح حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے حاضر و ناظر اور جمیع ماکان اور مایکون کے عالم ہونے کی صاف طور پر نفی ثابت ہے۔ (مولوی محمد عمر صاحب نے جو حضرت خضر علیہ السلام کے کشتی کی ایک تختی اکھاڑنے لڑکے کو قتل کرنے اور دیوار بنانے سے اُن کے علم غیب پر استدلال کیا ہے۔ مقیاس ص۳۲۶ تو یہ انکی سخت جہالت ہے۔ قرآن میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:-

وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ (پ۱۶۔ کہف۔ رکوع ۱)

کہ کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ وحی یا الہام سے ایسا ہوا۔ (اور یہ بحث نزاع سے بالکل خارج ہے)۔

اسی طرح اس سے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام (جو بعد کو نبوت سے سرفراز ہوئے) کے عقیدہ کا بھی علم ہو جاتا ہے۔ اگر ان کا یہ عقیدہ ہوتا کہ پیغمبر حاضر و ناظر اور ماکان اور مایکون کے عالم ہوتے ہیں تو جس وقت مچھلی کو بطور علامت پاس رکھا تھا، فرماتے حضرت آپ تو حاضر و ناظر ہیں آپ سے کونسی چیز مخفی ہے؟ اس مچھلی کے اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اسی ایک ہی واقعہ سے سب کچھ حل ہو سکتا ہے مگر

گُہرِ جو دل میں نہاں ہیں خدا سے تو طلب
اسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا قصّہ: انکا واقعہ بھی قرآن کریم میں متعدد مقامات مذکور ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں، حیوانوں، پرندوں اور جنّات وغیرہ مختلف مخلوق پر حکومت اور سلطنت کرنے کا حق عطا فرمایا تھا اور انکی فوجوں کے مختلف محکمے تھے اور انکی باقاعدہ حاضری ہُوا کرتی تھی چنانچہ ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کی حاضری لی تو ہُدہُد نظر نہ آیا۔ فرمانے لگے کیا وجہ ہے کہ مجھے نظر نہیں آتا یا واقعی وہ غائب ہے۔ اگر ہُدہُد اپنی غیر حاضری کی کوئی معقول وجہ نہ بتا سکا تو میں اسکو سخت سزا دُونگا ہو سکتا ہے کہ اسکی یہ گم عذری پر میں اسے ذبح ہی کر دوں۔ تھوڑی ہی دیر گذری کہ ہُدہُد آیا اور اپنی غیر حاضری کی وجہ بیان کی کہ میں ملک سبا کو چلا گیا تھا۔ وہاں سے کچھ ایسے ہوش ربا اور دلکش حالات اور معلومات فراہم کرکے لایا ہُوں کہ آپ کو انکی خبر تک ہی نہیں۔ ہُدہُد سے پوچھیے کہ اے گستاخ اور بے ادب و بیباک! تُونے یہ کیا کہہ دیا کہ مجھے ملک سبا کا حال معلوم ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو خُدا کے پیغمبر حضرت داؤدؑ کے لاڈلے تاج و تخت کے مالک، ہوا پر حکومت کرنے والے اور جنّات پر تسلط رکھنے والے ہیں، انکو یہ معلوم نہیں ہے اے ہُدہُد تُونے غضب ڈھایا حضرت سلیمانؑ کی جلالتِ شان اور عظمت کا خیال نہ کیا۔ انکے علم کو تُونے گھٹا کر ناپا اور تولا گستاخ اور بے ادب ہو گیا۔ عاشقوں اور دوستوں کے رجسٹر سے تیرا نام خارج ہو گیا ہے۔ قرآن کریم کے بعض الفاظ ملاحظہ کیجیے:-

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ
أَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِينَ ۝ لَأُعَذِّبَنَّهُ
عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَاذْبَحَنَّهُ أَوْ لَيَأْتِيَنِّي
بِسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝ فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطتُّ
بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهِ وَجِئْتُكَ مِن سَبَإٍ بِنَبَإٍ يَقِينٍ

(پ۱۹۔ نمل۔ رکوع ۲)

اور حاضری لی اُڑتے جانوروں کی تو کہا کیا ہے جو میں نہیں دیکھتا ہُدہُد کو، یا ہے وہ غائب۔ اس کو سزا دوں گا سخت سزا یا ذبح کر ڈالوں گا یا لائے میرے پاس سند صریح۔ پھر بہت دیر نہ کی کہ ہُدہُد نے آکر کہا کہ میں لے آیا خبر ایک چیز کی کہ تجھ کو اس کی خبر نہ تھی اور لایا ہُوں میں تیرے پاس ملکِ سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر۔

ہُدہُد بیچارا یہ سب کچھ کہہ چکا ہے مگر حضرت سلیمان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو پھر بھی یقین نہیں آتا۔ فرماتے ہیں کہ

معلوم تو سچ کہہ رہا ہے یا جھوٹ۔ میرا یہ خط لے جا اور سبا والوں سے اسکا جواب لے آ۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہُدہُد گیا اور جواب لایا۔ اور بالآخر ملک سبا والوں کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سامنے جھکنا ہی پڑا۔ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے تو انکو ملک سبا کا ضرور علم ہوتا۔ کیونکہ حاضر و ناظر کی نگاہ سے کیا چیز مخفی رہ سکتی ہے؟ اور پھر ہُدہُد کے بتلانے پر کیوں یقین نہ آیا؟ اور جب ہدہد غائب تھا تو حضرت سلیمان علیہ السلام اتنے پریشان کیوں ہوئے کہ کیا وجہ ہے کہ ہدہد یہاں موجود نہیں یا مجھے نظر نہیں آتا؟ اگر حاضر و ناظر ہوتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ ہُدہُد فلاں جگہ موجود ہے ابھی آجائے گا۔ اور پھر یہ بھی نہ بھول جائیے کہ اگر حضرت سلیمان علیہ السلام حاضر و ناظر ہوتے تو یہ کیوں فرماتے :۔

مَالِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ۔ کیا ہوگیا ہے کہ مجھے ہُدہُد نظر نہیں آتا۔

کیا حاضر و ناظر کی نظروں سے بھی کوئی چیز اوجھل اور غائب ہوا کرتی ہے؟ نیز اگر حاضر و ناظر ہوتے تو حاضری کیوں لیا کرتے تھے؟ اس واقعہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے مَا کَانَ وَ مَا یَکُوْنُ کے علم کی بھی نفی ہوگئی۔ قارئین کرام! ان واقعات میں سے ایک ایک واقعہ اپنے اندر ایک حقیقت رکھتا ہے۔ مگر کیا بعید ہے کہ محی القلین یہ ارشاد فرمادیں کہ ؎

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا

مولوی محمد عمر صاحب اسکا جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس سے بھی تم نے سلیمان علیہ السلام کے عدم علم کی دلیل اخذ کی ہے حالانکہ تمہارا یہ دلیل اخذ کرنا کجروی ہے کیونکہ آپ کا ناواقف ہونا تب ثابت ہوتا تھا کہ آپ حاضر کو غائب فرماتے تو جب آپ نے اس پرندے کو جو مجلس سے غیر حاضر تھا اسی کو فرمایا کہ میں آج مجلس میں دیکھتا نہیں ہوں۔ کیا بات ہے؟ کیونکہ اگر غیر حاضر کو بلا اظہار سبب اپنے علم پر ہی موقوف رکھتے تو شاہی عدالت کے خلاف تھا کیونکہ دوسرے وقتوں میں کئی اور بلاوجہ غیر حاضر ہو جاتے الخ (مقیاس حنفیت صـ۱۷۰)۔

مولوی محمد عمر صاحب کا جواب ملاحظہ فرمایئے۔ سبحان اللہ وہ دل میں مجھ سے ہی خوش ہونگے اور انکے حواری القلین بجاتے ہوں گے کہ واہ واہ مولوی صاحب نے کمال کر دیا (بلکہ کمال کی ٹانگ ہی توڑ دی) مولوی صاحب ذرا ہوش میں آکر فرمایئے کہ آپ نے کیا کہہ دیا ہے کہ آپ کا ناواقف ہونا تب ثابت ہوتا تھا کہ آپ حاضر کو

غائب فرماتے ۔ کیا اس واقعہ سے ناواقفی صرف اس بات پر ہی موقوف ہے کہ آپ حاضر کو غائب فرمائے کیا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ان الفاظ سے اس واقعہ سے ناواقفی ثابت نہیں ہوتی کہ :-

مَالِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ اَمْ کَانَ مِنَ الْغَآئِبِیْنَ ۔ کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا ؟ یا وہ کہیں غائب ہو گیا ہے ؟

کیا خدا تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبر اور تاج و تخت کے مالک اور خلیفۃ اللہ فی الارض حضرت داؤد علیہ السلام کے بیٹے نے جانتے ہوئے اور دیکھتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا ؟ العیاذ باللہ تعالیٰ ، عالم ہو کر اور حاضر و ناظر ہو کر نہ دیکھنا چہ معنی دارد ؟ باقی شاہی انتظام اپنے مقام پر صحیح ہے اس سے بحث نہیں ہے ۔ بحث صرف اس سے ہے کہ خدا کے نبی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُدہُد کو جانتے اور دیکھتے ہوئے یہ کیوں فرمایا مَالِیَ لَآ اَرَی الْهُدْهُدَ کہ یہاں ہوتے ہوئے وہ مجھے نظر نہیں آتا یا وہ حقیقتاً غائب ہے ۔ عالم کل اور حاضر و ناظر سے کیا چیز غائب ہوتی ہے ؟

مفتی احمد یار خاں صاحب لکھتے ہیں کہ اسی طرح ہُدہُد کا قول قرآن نے نقل کیا کہ اس نے کہا کہ میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں ۔ قرآن نے کہاں فرمایا کہ واقعی انکو خبر نہ تھی ۔ ہُدہُد سمجھا کہ شاید اسکی خبر حضرت کو نہ ہو گی یہ کہہ دیا ۔ لہٰذا اس سے سند نہیں پکڑی جا سکتی (الملفوظ جلد اول صفحہ) مگر مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر واقعی حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہوتا تو وہ ہرگز یہ نہ فرماتے کہ :-

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ کُنْتَ مِنَ الْکٰذِبِیْنَ ۔ سلیمان نے (علیہ السلام) یہ سُن کر فرمایا کہ ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹوں میں سے ہے ۔

کیا خدا تعالیٰ کے نبی نے علم رکھتے ہوئے اور ہُدہُد کا بیان سُنتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ ہم دیکھ لیتے ہیں کہ تو سچ کہتا ہے یا جھوٹ ؟ میرا یہ خط لے جا اور اس کا جواب لے آ ۔ اور مفتی صاحب ہی ازراہ انصاف یہ فرمائیں کہ کیا یہ قرآن کریم کی آیت ہے یا نہیں ؟ مفتی صاحب ایک وقت آنے والا ہے جس میں خدا تعالیٰ کی سچی عدالت میں رتی رتی کا حساب ہو گا اور دُنیا کی ناپائیدار وجاہت اور جلوے ماند پڑ جائیں گے سب

فراموش ہو جائیں گے اور وہاں پتہ چلے گا کہ ؎

خوردنِ تو مرغِ مسلم و مے — بہتر از ونانِ جویں ما

اگر آپ کو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق بھی کوئی حوالہ درکار ہو تو وہ بھی سن لیجئے۔ بخاری ج ۱ صفحہ ۸۸۷ اور مسلم ج ۲ صفحہ ۷۷ میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو بیبیاں تھیں۔ ایک عمر رسیدہ اور سال خوردہ اور دوسری نوعمر اور جوان سال۔ دونوں کے ہاں لڑکے تھے اور وہ دونوں غفلت میں بیٹھی ہوئی تھیں کہ بھیڑیا آیا اور ایک کے لڑکے کو اٹھا کر لے گیا۔ جو لڑکا باقی رہ گیا تھا اس پہ دونوں کا جھگڑا اور اختلاف ہوا۔ چھوٹی بی بی نے کہا کہ یہ بچہ میرا ہے جس کو بھیڑیا لے گیا ہے وہ تیرا تھا بڑی نے کہا۔ نہیں یہ بچہ تو میرا ہے۔ تیرے بچے کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا ہے۔ دونوں اپنا جھگڑا حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس لے گئیں۔ بڑی چونکہ عمر رسیدہ اور تجربہ کار تھی اس نے واقعہ بیان کرنے میں ایسا طریقہ اور ڈھنگ اختیار کیا کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی بات کو صحیح سمجھ لیا اور بچہ اس کو دلوا دیا۔ واقعہ اور حقیقت میں وہ بچہ چھوٹی کا تھا۔ جب دربارِ داؤدی سے فیصلہ صادر ہو چکا۔ تو چھوٹی کے دل کی کیفیت کا اندازہ وہی لوگ بخوبی کر سکتے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے اولاد کے فراق سے آزمایا ہے۔ کیا بعید ہے کہ اس بیچاری کے آنسو بھی نکل آئے ہوں۔ جب اسکی بے چینی اور اضطراب کا حال حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملاحظہ کیا تو وہ سمجھ گئے کہ معاملہ کچھ اور ہی ہے۔ اپنے والد محترم سے اجازت طلب کی کہ اگر ارشاد ہو تو میں ان کا اس سے بہتر فیصلہ کر دوں۔ جواب ملا۔ لختِ جگر تمھیں حق ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خادم کو کہا۔ چھری لاؤ۔ حکم تھا۔ چھری لائی گئی۔ وہ دونوں بیبیوں سے فرمانے لگے۔ اچھا میں اس بچہ کو دو ٹکڑے کر کے ایک ایک ٹکڑا تمھارے حوالے کر دیتا ہوں جب ان بیبیوں کو یقین ہو گیا کہ واقعی حضرت سلیمان علیہ السلام ایسا کر گزریں گے تو بڑی بی بی خاموش ہو گئی ممکن ہے یہ کہتی ہو کہ ؎ شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی۔ لیکن چھوٹی کو یہ کب گوارا تھا کہ اس کا جگر گوشہ اس کے سامنے دو ٹکڑے کر دیا جائے۔ وہ بولی! حضرت آپ یہ بچہ اس بڑی ہی کو دے دیں۔ کبھی کبھی تو دیکھ ہی لیا کروں گی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس عمدہ طریق اور حکمت

عمل سے معاملہ بالکل صاف ہو گیا اور حقیقت کھل گئی اور بچہ چھوٹی بی بی کے حوالہ کر کے حق بحق دار رسید پر عمل ہوا اس بچاری کو کھویا ہوا خزانہ مل گیا اور شاداں و فرحاں واپس ہوئی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اگر حضرت داؤد علیہ السلام حاضر و ناظر اور ماکان و مایکون کے عالم ہوتے تو ان کو ضرور معلوم ہوتا کہ یہ بچہ تو چھوٹی بی بی سے پیدا ہوا ہے میرے سامنے اور میری حاضری ہی میں تو اس کو اس کی ماں نے دردِ زہ کی تکلیف برداشت کرتے ہوئے جنا ہے اور میرے دیکھتے دیکھتے بھیڑیا تو بڑی بی بی کے بچہ کو اٹھا کر لے گیا ہے یہ بچہ تو چھوٹی کا ہے۔ پھر نہ معلوم حضرت داؤد علیہ السلام نے حاضر و ناظر ہوتے ہوئے حق تلفی کا فیصلہ کیوں صادر فرمایا؟ العیاذ باللہ تعالیٰ۔ اور اگر حضرت سلیمان علیہ السلام بھی حاضر و ناظر ہوتے تو انھوں نے حکمتِ عملی کی زحمت کیوں گوارا کی؟ اور پہلی ہی بار چھوٹی کو کیوں نہ بچہ دلوا دیا؟ کچھ تو فرمائیے کہ قصہ کیا ہے؟ ممکن ہے کہ فریقِ مخالف ہمیں یہی سنا دے کہ ؎

حق بات جانتے ہیں مگر مانتے نہیں
ضد ہے جناب شیخِ تقدس مآب میں

یہ تو قرآن کریم اور صحیح احادیث کے ارشادات تھے اور تھے بھی صرف حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے متعلق۔ اب آپ ذرا فریقِ مخالف کی خوش گپیاں بھی ملاحظہ کیجیے اور دیکھیے کہ ان کو بزرگانِ دین سے کتنی عقیدت اور کیسی محبت ہے۔ فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت امام الغول انکے مجدد وقت مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اپنی مشہور کتاب ملفوظات حصہ دوم ص۹۴ میں رقمطراز ہیں:۔

"انہی سیدی احمد سجلماسی کے دو بیویاں تھیں، سیدی عبد العزیز دباغ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رات تم نے ایک بیوی کے جاگتے ہوئے دوسری سے ہمبستری کی، یہ نہیں چاہیے۔ عرض کیا حضور وہ اسوقت سوتی تھی۔ فرمایا سوتی نہ تھی، سوتے میں جان ڈال لی تھی۔ عرض کیا حضور کو کس طرح علم ہوا؟ فرمایا جہاں وہ سو رہی تھی کوئی اور پلنگ بھی تھا؟ عرض کیا، ہاں ایک پلنگ خالی تھا۔ فرمایا، اس پر میں تھا؟ تو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں ہر آن ساتھ ہے۔"

بعض بزرگانِ دین کو کشف اور الہام سے کسی واقعہ کا علم ہو جانا قواعدِ شرعیہ کے تحت صحیح ہے اور اسکا انکار کرنا باطل ہے۔ مگر ہمیں تو خاں صاحب کی اس تفریع اور خط کشیدہ الفاظ سے اختلاف ہے

کہ کو کسی وقت شیخ مرید سے جدا نہیں۔ ہر آن ساتھ ہے اور ہر دیانتدار اور باانصاف مسلمان کو
اس سے اختلاف کرنا چاہیئے۔

حضرات ہمیں تو یہ حوالہ نقل کرتے بھی شرم آتی ہے مگر کیا کیا جائے ہم بھی مجبور ہیں دیکھا کہ ان بریلویوں کے علم غیب اور حاضر و ناظر کی انتہا کیا ہے۔ مرید کی ہمبستری کے وقت بھی ان کے پیر و مرشد حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور سب واقعہ بچشم خود دیکھتے رہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے تو ارشاد فرمایا ہے کہ تمہارے ساتھ جو فرشتے ہیں (کرام کاتبین وغیرہ) وہ دو حالتوں میں تم سے الگ ہو جاتے ہیں۔ (۱) جب تم قضا حاجت کے لئے بیٹھتے ہو۔ اور (۲) جب تم ہمبستری کیا کرتے ہو۔ (ترمذی ج ۲ ص ۱۰۱ و مشکوٰۃ ص ۲۶۹) اور علامہ عزیزیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر ج ۲ ص ۱۰۱) قارئین کرام آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ ایسی حالت میں تو فرشتے بھی الگ ہو جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کے اعمال اور اقوال کی حفاظت کرتے اور لکھتے ہیں اور شرم کے مارے علیحدہ اور جدا ہو جاتے ہیں۔ مگر فریق مخالف کے نزدیک بزرگان دین کی یہ قدر اور تعظیم ہے کہ وہ اس حالت میں بھی شرم نہیں کرتے اور مرید بیچارے کی جان نہیں چھوڑتے اور گویا یوں کہتے ہیں کہ مان نہ مان میں تیرا مہمان۔ بریلوی حضرات کے مشہور عالم مولوی غلام محمود صاحب پپلانوی نے اپنی کتاب نجم الرحمٰن ص ۱۰۱ میں معروف صوفی عبدالوہاب شعرانیؒ کی کتاب لطائف المنن ج ۲ ص ۹۳ کے حوالہ سے ولی کے کمال کی یہ شرط لکھی ہے (جو اللہ یعلم ما تحمل کل انثی الآیۃ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جو حمل قرار پاتا ہے ہر مادہ کو اور وما تحمل من انثی ولا تضع الا بعلمہ الآیۃ اور نہیں حمل قرار پاتا کسی مادہ کو اور نہ وہ جنتی ہے مگر صرف اللہ تعالے کے علم سے۔ وغیرہا قطعی اور صریح نصوص کے خلاف ہونے کی وجہ سے سراسر باطل اور قطعاً مردود ہے۔ صفدر)

لا تستقر نطفۃ فی فرج انثی الا بنظر ذالک الرجل (الکامل) الیھا — کسی مادہ کی شرمگاہ میں کوئی نطفہ قرار نہیں پکڑتا مگر وہ کامل مرد اس کو دیکھتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام اونچی شان اور بڑے رتبہ کے نبی تھے۔ عرصہ دراز تک اللہ تعالیٰ سے بیٹا مانگتے رہے تاکہ ان کی علمی اور پیغمبرانہ وراثت ان کو مل سکے اور وہ مخلوق خدا کی ہدایت اور

اِصلاح کا ذریعہ بنے مگر مالک الملک کی شان بے نیاز ہے۔ کافی عرصہ تک اُن کی یہ تمنا اور آرزو پوری نہ ہوئی حتی کہ حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہڈیاں کمزور، بدن ضعیف، قویٰ مضمحل، بال سفید اور کمر جھک گئی۔ ایک روز نماز پڑھ رہے تھے کہ دفعتہً خدا تعالےٰ کی طرف سے فرشتہ آتا ہے اور یہ پیغام دیتا ہے کہ آپ کو لڑکے کی خوشخبری ہو۔ اُس کا انوکھا اور نرالا نام ہوگا۔ یحییٰ۔ اور ایسا نام پہلے کسی کا تجویز نہیں ہوا۔ فرمایا میرے ہاں لڑکا پیدا ہوگا؟ میرا بڑھاپا اور جسمانی حالت یہ ہے اور میری بیوی بڑھیا اور بانجھ ہے۔ جواب ملا۔ اسی غیر معتاد طریقہ پر اللہ تعالےٰ آپ کو لڑکا عنایت فرمائے گا۔ آخر آپ کو بھی اُس قادرِ مطلق نے پردۂ عدم سے منصۂ شہود پر جلوہ افروز کیا ہے پھر یہ تعجب اور حیرت کا کونسا مقام ہے! حضرت زکریا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرطِ مسرت اور بے پناہ شوق سے لبریز ہو کر التجا اور استدعا کی:۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝

(پ ۱۶۔ مریم۔ ۱ رکوع ۱)

کہا اے میرے رب ٹھہرا میرے لئے نشانی (کہ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اب حمل قرار پا گیا ہے) فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ بات نہ کر سکے گا تو لوگوں سے تین رات صحیح اور تندرست۔

یعنی یہ عدمِ تکلم صرف عارضی ہوگا اس میں قوتِ گویائی ماؤف نہ ہوگی۔ آدمی کا قاعدہ ہے کہ جب غیر متوقع اور غیر معمولی خوشخبری اور بشارت سُنتا ہے تو مزید طمانیت اور استلذاذ کے لئے بار بار پُوچھتا ہے اور کھود کرید کیا کرتا ہے۔ اس تحقیق و تفحص سے لذت حاصل ہوتی ہے اور بات خوب پکی اور مضبوط ہو جاتی ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کے سوال کا بھی یہی منشاء تھا۔ ملاحظہ تو کیجئے کہ حضرت زکریا علیہ السلام تو اپنی بیوی کے استقرارِ حمل کے لئے اللہ تعالےٰ سے نشانی اور علامت طلب کرتے ہیں اور ان کو نہ تو اس کا علم ہوتا ہے اور نہ وُہ اس کو دیکھ سکتے ہیں کہ حمل کب اور کس وقت قرار پایا ہے۔ یہ واقعہ قرآنِ کریم میں بیان ہُوا ہے اور ہے بھی پیغمبر اور نبی سے متعلق۔ مگر یہاں ان نام نہاد عاشقانِ اولیاء کا یہ عقیدہ ہے کہ کامل وُہی ہو سکتا ہے جو انثیٰ اور مادہ کے استقرارِ نطفہ کو دیکھے۔ فوا اسفا۔ ع

ببیں تفاوت راہ است از کجا تا بکجا

قارئین کرام آپ نے دیکھ لیا کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو تو یہ علم نہ ہو سکا کہ موجودہ بچہ کس کا ہے ؟ چھوٹی بی بی کا ہے یا بڑی کا ؟ اور حضرت زکریا علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ کے استقرار حمل کو نہ دیکھ اور جان سکے تا آنکہ علامت اور نشانی ملاحظہ نہ کر لی ۔ مگر فریق مخالف کے نزدیک بزرگوں کو نطفہ ڈالنے اور ہمبستری کرنے کا بھی علم ہوتا ہے اور وہ اسوقت بھی حاضر و ناظر ہوتے ہیں ۔ ولا حول ولا قوۃ ۔

چل دیئے آپ دل کو تڑپا کر کون دیکھے یہ بے بسی دل کی

حضرت جرہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن کو اِس حالت میں دیکھا کہ اُنکی ران ننگی تھی ۔ آپ نے فرمایا ۔ ان الفخذ عورۃ (مستدرک ج ۴ ص ۱۸۰ قال الحاکم و الذہبی صحیح) کہ ران کو چھپانا چاہیئے کیونکہ وہ پردہ کی چیز ہے ۔ حضرت معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور دیکھا کہ میری دونوں رانیں ننگی ہیں ۔ آپ نے ارشاد فرمایا :-

یا معمر غط فخذیک فان الفخذ عورۃ (مستدرک ج ۴ ص ۱۸۰) اے معمرؓ اپنی دونوں رانوں کو چھپاؤ ۔ کیونکہ ران پردہ اور چھپانے کی چیز ہے ۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :-

لا تکشف فخذک ولا تنظر الی فخذ حی ولا میت ۔ (مستدرک ج ۴ ص ۱۸۰ و دار قطنی ج ۱ ص ۸۳) اے علیؓ اپنی ران ننگی نہ کرو اور نہ تو کسی زندہ کی ران کو دیکھو اور نہ کسی مُردہ کی ران کو ۔

مقام حیرت اور تعجب ہے کہ امام الانبیاء سید ولد آدم ، خاتم النبیین ، شفیع المذنبین حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو باین شان و کمال حضرت جرہدؓ اور حضرت معمرؓ کی ران کو دیکھنا گوارا نہ فرمائیں

لہ حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں کہ اکثر علماء کی یہی تحقیق ہے کہ ران کا پردہ کرنا ضروری ہے (بحوالہ شرح المنتقی ج ۱ ص ۲۶۰) اور علامہ الشیخ ناصف رح لکھتے ہیں کہ

وبہ قال الجمہور من الصحب فمن بعدھم والحنفیۃ والشافعیۃ واصح قولی مالکؒ واحمدؒ (غایۃ المأمول ج ۱ ص ۱۶۰) کہ جمہور حضرات صحابہ کرامؓ اور انکے بعد کے علماء کا اور حضرات احناف اور حضرات شوافعؒ کا یہی قول اور مسلک ہے اور حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام احمدؒ کا صحیح ترین قول بھی صرف یہی ہے کہ ران عورت اور پردہ ہے ۔

(باقی بر ص ۴۸)

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو (اور ان کے واسطہ سے سب اُمت کو کیونکہ یہ حکم ان سے مخصوص نہ تھا) جو جلیل القدر صحابی خلیفۂ راشد اور رئیس الاولیاء بھی تھے کسی بھی زندہ اور مردہ کی ران تک کے دیکھنے کی اجازت نہ دیں اور یہاں ان ہوی پرستوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کمالِ نبوّت اور ولایت کی یہ شرط ہے کہ عورتوں کی شرمگاہوں میں استقرارِ نطفہ کا علم اور اسکی طرف نظر کرنا بھی ضروری ہے حیف بر حیف ہے اس عقیدت پر اور تف بالائے تف ہے ایسے گندے عقیدہ پر۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے بچائے۔

قارئین کرام آپ ان ٹھوس واقعات کو ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ یہ سارے واقعات قرآنِ کریم کے ہیں۔ اور ان کی تشریح اور تائید میں جو حدیثیں ہدیۂ قارئین کی گئی ہیں، وہ یا تو بخاری اور مسلم کی ہیں جن کی صحت پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے اور یا وہ دیگر روایتیں ہیں جو ہم نے بطور شاہد اور اعتبار کے مستدرک وغیرہ سے نقل کی ہیں لیکن حضرات محدثین کرام رح کے اصول کو مدِنظر رکھتے ہوئے ہم نے امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ (ناقدِ فن رجال) وغیرہ سے ان کی تصحیح بھی نقل کردی ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ ان واقعات میں سے کوئی واقعہ بھی کسی ولی یا بزرگ سے متعلق نہیں تاکہ طریقت اور حقیقت کے خود ساختہ منتروں سے یہاں کام چل سکے بلکہ ہر ایک واقعہ خدا تعالیٰ کے جلیل القدر اور اُولوا العزم پیغمبروں کا ہے اور مذکور ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اور ہر واقعہ، واقعہ اور خبر ہے جس سے متعلق نسخ کا قطعاً کوئی احتمال ہی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷)

اور قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں:۔

والحق انّ الفخذ من العورۃ (نیل الاوطار ج ۲ ص ۶۳) — حق بات یہی ہے کہ ران کا پردہ کرنا چاہیے۔

اور کسی صحیح روایت سے اس کا ثبوت نہیں مل سکتا کہ آپ نے اُمت کو یہ ارشاد اور حکم فرمایا ہو کہ ران عورت نہیں ہے۔ اور اُمت کے لئے آپ کا قول حجت ہے۔ آپ کے قول کے ہوتے ہوئے فعل کو ترجیح دینا خلافِ اصول ہے خصوصاً جبکہ ایک روایت میں کشف عن فخذہ اوساقیہ (ادب المفرد ص ۹) یا کشف عن فخذیہ اوساقیہ کے الفاظ آتے ہیں جو تردد پر دال ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۱ ص ۲۶۳ عن مسلم) اور مسلم ج ۱ ص ۲۷۵ و ج ۲ ص ۱۱ میں بجائے حسر کے انحسر کے الفاظ بھی آتے ہیں جو بلا اختیار بے خیالی پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔

پیدا نہیں ہو سکتا۔ اب ہم پہلا باب یہیں ختم کرتے ہیں تاکہ داڑھی سے مونچھیں نہ بڑھ جائیں۔ کیوں کہ ابھی ہم نے بہت کچھ عرض کرنا ہے انشاء اللہ تعالےٰ۔

قارئین کرام سے بصد اخلاص یہ التماس و استدعا ہے کہ یہ معاملہ غیرت اور عناد کا نہیں ہے بلکہ آخرت کا معاملہ ہے لہٰذا اپنے نفع اور نقصان کو ایک بار ٹھنڈے دل سے سوچ لیجئے تاکہ پھر ندامت اور پشیمانی نہ ہو۔ ؎

اے چشم اشک بار ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب وہ تیرا ہی گھر نہ ہو

دُوسرا باب

باب اول میں قرآن کریم اور صحیح احادیث سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور نہ جمیع ماکان و مایکون کے عالم ہوتے ہیں۔ اس باب میں علی الخصوص ہم صرف چند صحیح احادیث بطور نمونہ باحوالہ عرض کرتے ہیں کہ جناب امام الانبیاء سید ولد آدم خاتم النبیین حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باوجود اسکے کہ تمام مخلوق سے آپ کا رتبہ بلند اور اونچا ہے اور بے شمار معجزات اللہ تعالیٰ نے آپ کے دست مبارک پر ظاہر فرمائے اور ایسے ایسے علوم و معارف حقائق و اسرار اللہ تعالےٰ نے آپ کو دیئے ہیں کہ نہ تو وہ کسی اور رسول کو عطا ہوئے ہیں اور نہ کسی فرشتہ مقرب کو۔ غرضیکہ ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مگر بایں ہمہ آپ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر نہ تھے اور نہ جمیع ماکان و مایکون کا علم ہی آپ کو عطا کیا گیا تھا اور بے شمار ایسی جگہیں ہیں جہاں آپ کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا آپ کی توہین اور تحقیر ہے (العیاذ باللہ تعالےٰ) اور متعدد ایسے علوم اور فنون ہیں (خصوصاً اس قلمی دور میں) کہ جن کو کوئی بھی شریف انسان جاننا اور سیکھنا گوارا نہیں کرتا ایسے ناپاک علوم اور فنون کی نسبت آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف خالص گستاخی اور بے ادبی ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور ایسا شخص اور گروہ کبھی عند اللہ سرخرو نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ع

بے ادب محروم ماند از فضل رب

ہمارا پختہ ارادہ تھا کہ اس دوسرے باب میں قرآن کریم کی آیات پیش کی جائیں جن سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی ثابت ہوتی ہے اور اس لحاظ سے کہ کتاب اللہ کے جملہ دلائل قطعی اور حتمی ہیں اور اس کا درجہ مقدم تھا اور ہے۔ یہ اور بھی ضروری امر تھا۔ مگر ایک خاص مصلحت کے پیش نظر ہم قرآن کریم کی آیات کو فریق مخالف کے استدلالات کے جوابات میں عرض کریں گے اور یہ واضح کرینگے کہ

اہلِ حق کے پاس مسئلہ زیرِ بحث میں کتاب اللہ، صحیح احادیث اور حضرات فقہاء کرام کی واضح تر عبارات سے قطعی دلائل اور براہین موجود ہیں انشاء اللہ العزیز۔ سرِدست اس باب میں احادیث پیش کی جاتی ہیں سو بغور ان کو پڑھیں۔

(۱) بخاری ج ۱ ص ۵۴۸ اور مسلم ج ۱ ص ۹۶ اور ابوعوانہ ج ۱ ص ۱۳۱ وغیرہ میں یہ روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں معراج سے (یہ ۹ ھ یا ۱۱ نبوت کا واقعہ ہے) سے واپس ہوا اور میں نے مشرکین کے سامنے اپنا یہ سارا قصہ بیان کیا کہ میں مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے سدرۃ المنتہیٰ تک اور پھر جہاں تک خدا تعالیٰ کو منظور تھا، عالم بیداری میں ایک ہی رات کے اندر اپنے جسدِ عنصری کیساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی خاص نوازش اور قدرت سے سیر کر آیا ہوں تو مشرکین نے کہا، اچھا اگر آپ واقعی گئے ہیں تو ہمیں بتلائیے کہ بیت المقدس کی فلاں فلاں چیز کہاں اور کس موقع پر واقع ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہ تھا (اور نہ میرے جانے کی یہ غرض ہی تھی) اس پر مشرکین نے پھبتی اڑائی آپ کے الفاظ میں سنئے،

فَكُرِبْتُ كُرْبَةً مَا كُرِبْتُ مِثْلَهُ قَطُّ (مسلم ج ۱ ص ۹۶) میں اتنا پریشان ہوا کہ اب تک پریشان کبھی بھی نہ ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو تھوڑے وقت کے لئے میرے سامنے حاضر کر دیا، مشرکین جو پوچھتے جاتے میں دیکھ کر جواب دیتا جاتا تھا۔

دیکھئے اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو اتنی پریشانی کی کیا ضرورت تھی خصوصاً جبکہ بعض مخالفین کے نزدیک معراج کی رات آپ کو کلی علم غیب عطا بھی ہو چکا تھا اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ الخ کے الفاظ کا تحفہ بھی اس رات آپ کو مل چکا تھا۔ (جس سے مخالفین آپ کے حاضر و ناظر پر استدلال کرتے ہیں) اور سورۂ مزمل وغیرہ میں شاہد کا لفظ بھی اس سے قبل ہی نازل ہو چکا تھا جس کی بحث آ رہی ہے۔ انشاء اللہ العزیز۔

(۲) بخاری ج ۲ ص ۶۶۳ اور ابوعوانہ ج ۱ ص ۳۰۲ وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ ۵ یا ۶ ھ کو غزوہ بنی مصطلق میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کا ہار ضائع ہو گیا۔

فَاَقَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْتِمَاسِهِ۔ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہار تلاش کرنے کیلئے رک گئے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جملہ شریک سفر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی (جن میں ہر ایک اپنی جگہ بلند پایہ ولی تھا) اسکو تلاش کرتے رہے مگر پوری توجہ مبذول کرنے کے بعد بھی وہ ہار نہ مل سکا۔ تھک ہار کر جب کوچ کرنے کا اعلان کر دیا تو وہ اونٹ جس پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی سوار ہوتیں اسکو اٹھایا گیا تو ہار اسکے نیچے پڑا ہوا تھا۔ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو ہار ضرور نظر آجاتا۔ یہاں تو فریق مخالف کے نزدیک ولی لوگوں کو جماع کرتے اور رحم میں نطفہ ڈالتے بھی دیکھتے رہتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) لیکن خود جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی حضرت عمر رضی اور دیگر تمام حضرات صحابہ کرام رضی کو اونٹ کے نیچے ہار تک نظر نہ آسکا۔

(۳) بخاری ج ۲ ص ۷۰۶ اور مسلم ج ۱ ص ۴۶۱ وغیرہ میں یہ روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضی بنت جحش سے ۳ھ میں نکاح کیا تو چند حضرات صحابہ کرام رضی کو دعوت ولیمہ پر مدعو کیا۔ وہ آئے۔ کھانا کھا چکے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باتیں سننے کیلئے بیٹھ گئے۔ آپکو انکی طویل مجلس اور باتوں سے اذیت پہنچی۔ آپ نے زبان مبارک سے تو یہ نہ فرمایا کہ تم چلے جاؤ البتہ ایک لطیف حیلہ یہ تجویز فرمایا کہ خود اٹھ کر باہر چلے گئے تاکہ میرے ساتھ یہ بھی چلے جائیں۔ آپ باہر چکر لگا کر لوٹ آئے۔ فخرج ... فتخرجوا فرجع ... فاذا ھم جلوس۔ اس خیال سے کہ صحابہ رضی اٹھ کر چلے گئے ہوں گے لیکن آپ نے دیکھا کہ وہ باقاعدہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ پھر چلے گئے اور حضرت انس رضی کو بھیجا کہ جا کر دیکھو کہ کیا وہ ابھی تک بیٹھے ہوئے ہیں یا چلے گئے ہیں۔ کافی دیر کے بعد جب حضرت انس رضی نے آپ کو اطلاع دی کہ وہ چلے گئے ہیں تو آپ اپنے حجرہ میں حضرت زینب رضی کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضرات صحابہ کرام رضی کو یہ حکم دیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر اجازت طلب کئے بغیر نہ جایا کرو اور کھانا پکنے سے پہلے بھی نہ جاؤ اور جب تم بلائے جاؤ تو کھانا کھا کر فوراً واپس چلے جاؤ اور خوش گپیوں میں نہ لگا کرو کیونکہ :-

اِنَّ ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ	تمہاری اس بات سے جناب نبی کریم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اذیت ہوتی ہے اور وہ تم سے شرما جاتے ہیں اور اللہ
وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ ۔	تعالےٰ حق بیان کرنے سے نہیں شرماتا۔
(پ ۲۲ - سورۃ احزاب - رکوع ۷)	

اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ صحابہ کرام رض ابھی گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ خیال کیوں کیا کہ شاید چلے گئے ہوں گے پھر حضرت انس رض کو تحقیق حال کیلئے آپ نے کیوں بھیجا؟ اور اگر حضرات صحابہ رض کو بھی علم غیب ہوتا تو وہ دیدہ دانستہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیوں تکلیف پہنچاتے، بلکہ اُن کو تو پہلے ہی سے اُٹھ کر چلے جانا چاہیئے تھا۔

(۴) بخاری ج ۲ صفحہ ۵۶۹ اور طیالسی صفحہ ۳۳۹ وغیرہ میں یہ روایت آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سنہ ۴ھ میں حضرت عاصم رض بن ثابت کی سرکردگی میں ۹ صحابی (جن میں حضرت خبیب بن عدی انصاری بھی تھے) بطور جاسوس مشرکین کے حالات معلوم کرنے کیلئے روانہ کئے جب یہ حضرات مقام ہدہ میں (جو مکہ مکرمہ اور عسفان کے درمیان تھا) پہنچے تو قبیلہ بنو لحیان نے ان کو گھیر لیا، آٹھ صحابہ رض کو تو اسی جگہ پر شہید کر دیا جن میں حضرت عاصم رض بن ثابت سالار قافلہ بھی تھے، اور دو کو گرفتار کر کے مکہ مکرمہ لے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد انکو بھی تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ حضرت عاصم رض نے شہادت کے وقت یہ پُر درد الفاظ کہے:

اَللّٰهُمَّ اَخْبِرْ عَنَّا نَبِيَّكَ — اے اللہ ہمارے حالات سے اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع کر دے

اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا کو قبول فرمایا اور اسی وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا۔

اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو ان حضرات صحابہ کرام رض کو جاسوسی کیلئے آپ نے کیوں بھیجا؟ خود ہی مدینہ منورہ میں دشمن کے حالات بیان فرما دیتے، اور پھر یہ دس صحابی کس بے دردی اور بے جگری سے تہِ تیغ کئے گئے۔ کیا آپ نے دیدہ دانستہ اُن کو قتل کرا دیا تھا؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عاصم رض وغیرہ کا یہی عقیدہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے مطلع کرنے سے ہی آپ کو اطلاع ہو سکتی ہے اسی لئے تو انہوں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ! ہماری سرگزشت سے اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع اور خبردار کر دے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپکو اس واقعہ سے مطلع کر دیا۔

(۵) بخاری ج ۲ صفحہ ۵۸۶ وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ سنہ ۴ھ میں مشرکین کا ایک وفد ایک سازش کے تحت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ آپ ہمیں کچھ آدمی امداد کیلئے مرحمت فرمائیں۔ آپ نے اصحاب صُفہ میں سے ستر صحابہ رض کو منتخب کر کے اُن کے ساتھ روانہ کر دیا۔ جب یہ لوگ

بئرِ معونہ پہنچے تو ان کافروں نے ایک (لنگڑے) صحابی کے علاوہ باقی سب کو شہید کر دیا۔ ان صحابہ کرام رضنے اپنی زندگی کے آخری لمحہ میں درد بھری کہانی اللہ تعالےٰ کے حوالہ کی کہ "اے اللہ! اپنے پیارے رسول صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم اور دیگر ساتھیوں کو ہمارے حالات سے مطلع کر دے۔" چنانچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ایک حکم نازل ہوا جس کو حضرات صحابہ کرام رضپڑھتے بھی رہے تھے آپ نے ایک مہینہ تک مسلسل اس کافر قوم کے لئے صبح کی نماز میں رکوع کے بعد بد دعا بھی کی اور اس حادثہ کی وجہ سے آپ بڑے مغموم اور پریشان بھی رہے۔ اگر آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو آپ نے مشرکوں کو سازش کرتے دیکھا اور سنا ہوتا اور ان کے ناپاک ارادہ سے مطلع ہوئے ہوتے۔ پھر آپ نے کیوں اپنے مخلص صحابہ رضکو ان وحشی درندوں کے سپرد کر دیا؟ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان حضرات صحابہ کرام رضکا اعتقاد بھی یہ نہ تھا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہیں۔

صحیح مسلم ج ۱ ص ۶۸ وغیرہ میں یہ روایت آتی ہے کہ کسی جنگ کے موقع پر ایک میدان میں ایک کافر سپاہی نے بہت سے حضرات صحابہ کرام رضکو شہید کر دیا تھا حضرت اسامہ رضاسکی طرف بڑھے تاکہ اس کافر کو قتل کریں مگر اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن حضرت اسامہ رضکو یہ بدگمانی رہی کہ اس نے جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھا ہے اسلئے اسکو قتل کر دیا۔ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو جب اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت اسامہ کو کہا تم نے کیوں اسکو قتل کیا ہے؟ حضرت اسامہ رضنے کہا حضرت اس نے دل سے کلمہ نہیں پڑھا تھا آپ نے فرمایا۔ اے اسامہ رضتم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ اے اسامہ رضجب قیامت کا دن ہوگا تو تم کلمہ کا کیا جواب دو گے؟ ملاحظہ کیجیے کہ جناب رسول خدا صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ایک کلمہ گو کے لئے جس نے صرف زبان سے کلمہ طیبہ ہی پڑھا تھا، تو اسقدر پریشان اور مغموم ہوں لیکن بقول فریق مخالف خود حاضر و ناظر ہوتے ہوئے ستر حضرات صحابہ رضکو عمداً قتل کروا دیا۔ (العیاذ باللہ تعالےٰ) اور پھر خود ایک مہینہ تک ان کافروں کے لئے بد دعا بھی کرتے رہے۔ یہ ہے مخالفین کی جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم سے عقیدت اور محبت؟ افسوس اور حیرت ہے اس عقیدت پر۔

مفتی احمد یار خاں صاحب کی کمال لیاقت اور دیانت۔ مفتی صاحب حضرت انس رض کی ایک روایت (جس میں حضرت زید رض اور جعفر رض اور حضرت عبداللہ رض بن رواحہ کی شام کے علاقہ میں موتہ کے مقام پر شہادت ہوئی تھی اور آنحضرت صلے اللہ تعالے علیہ وسلم نے بطور معجزہ انکی شہادت کی خبر حضرات صحابہ کرام رض کو دی تھی) نقل کر کے لکھتے ہیں کہ بئر معونہ جو مدینہ منورہ سے بہت ہی دور ہے وہاں جو کچھ ہو رہا ہے اسکو حضور مدینہ سے دیکھ رہے ہیں (ملفوظہ جاء الحق صفحہ ۱۲۹) یہ واقعہ تھا غزوہ موتہ کا مگر مفتی صاحب اسکو بئر معونہ کے ساتھ لگا رہے ہیں۔ موتہ ملک شام میں تھا اور بئر معونہ عرب میں۔ بئر معونہ کا واقعہ سنہ ۴ھ میں پیش آیا اور موتہ کا سنہ ۸ھ میں۔ بئر معونہ میں صرف ستر حضرات صحابہ کرام رض تھے اور غزوہ موتہ میں تین ہزار۔ بئر معونہ کے واقعہ میں حضرات صحابہ رض کے مقابلہ میں مشرکین عرب تھے۔ اور موتہ میں ہرقل روم کی (جو عیسائی تھا) ایک لاکھ مسلح فوج تھی (دیکھئے مرقات علی مشکوٰۃ ج ۲ ص ۲۳ وغیرہ) مگر مفتی صاحب کے نزدیک بئر معونہ اور غزوہ موتہ ایک ہی ہے۔ یہ ہے مفتی صاحب کا مبلغ علم۔ فوا اسفا۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

مولوی محمد عمر صاحب کا کمال اور جواب بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کیونکہ آپ نے اپنے ستر آدمی چن چن کر بھیجے تو وہی بھیجے جنہوں نے وہاں درجہ شہادت حاصل کرنا تھا اور ان پر تھا اعتراض کرنا کہ اگر وہ یہاں مدینہ طیبہ میں رہتے تو وہ زندہ رہتے۔ یہ عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ (ملفوظہ مقیاس حنفیت صفحہ ۴۰۳) سوال یہ نہیں کہ وہ مدینہ میں رہتے تو زندہ رہتے یا نہ۔ سوال یہ ہے (اور ابھی تک اس کا جواب نہیں ہوا) کہ آپ نے دیدہ دانستہ ستر آدمیوں کو موت کے منہ میں بھیجا اور پھر خود ایک مہینہ تک ان کی موت کا افسوس کرتے رہے۔ ایسا کیوں ہوا؟ کیا آپ نے عمداً ایسا کیا تھا؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔

(۶) بخاری ج ۲ ص ۶۱ وغیرہ میں یہ روایت ہے کہ سنہ ۷ھ میں جب خیبر فتح ہوا تو ایک یہودی عورت نے بکری کے گوشت میں زہر ڈال کر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بطور تحفہ بھیجا۔ آپ نے بھی چند لقمے کھائے اور آپ کے بعض صحابہ رض نے بھی وہ گوشت کھایا چنانچہ حضرت بشر بن براء بن معرور کی اسی گوشت کی وجہ سے شہادت بھی ہو گئی۔ بلکہ ابو داؤد اور دارمی کی روایت میں ہے:-

وکونی اصحابہ الذین اکلوامن الشاۃ الخ (المشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۴۲) کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وہ صحابہ کرامؓ جنہوں نے وہ زہر آلود بکری کھائی تھی، وفات پا گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ وفات پانے والے متعدد صحابہ کرامؓ تھے۔ ابو داؤد ج ۲ ص ۲۴۶ اور سنن دارمی ص ۱ وغیرہ میں مذکور ہے کہ چند لقمے کھا چکنے کے بعد آپ نے یہ فرمایا کہ اسے مت کھاؤ کیونکہ یہ بوٹیاں مجھے یہ بتلا رہی ہیں کہ ہمارے اندر زہر ہے۔ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوتے تو یہودی عورت کو زہر ڈالتے دیکھا ہوتا۔ خود بھی نہ کھاتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی منع فرما دیتے۔ کیا دیدہ دانستہ آپ نے ان صحابہ کرامؓ کو زہر کھلا کر مروا دیا تھا؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) بینوا توجروا۔

(۷) بخاری ج ۲ ص ۱۰۶۶ اور مسلم ج ۲ ص ۷۴ وغیرہ میں یہ حدیث آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بشر ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو، ہو سکتا ہے کہ تم میں کوئی شخص اپنی چرب زبانی سے اپنے جھوٹے دعویٰ اور مقدمہ کو سچا کر دکھائے اور میں غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو اسکو یوں سمجھے کہ جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا ہے جو اس نے لیا ہے۔ لہٰذا میرے سامنے سچی ہی بات کہنا۔ قارئین کرام! اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشر نہ ہوتے اور حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو آپ یوں فرما دیتے کہ میں تمہارے ظاہر و باطن سے بخوبی واقف ہوں اسلئے میں سچے اور جھوٹے کو خوب پہچانتا ہوں لہٰذا میرے سامنے غلط بیانی اور جھوٹ نہیں چل سکتا۔ اس حدیث کی مزید تشریح اور فریق مخالف کے اعذار بارِدہ اور ان کے مسکت جوابات "ازالۃ الریب" میں دیکھئے۔

(۸) بخاری ج ۲ ص ۶۱۲ اور مسلم ج ۲ ص ۳۰۲ وغیرہ میں مذکور ہے کہ مشرکین مکہ کی غداری کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ۸ھ میں خفیہ تیاری شروع کر دی تاکہ مکہ مکرمہ پر اچانک حملہ کر دیا جائے۔ حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے خفیہ طور پر خط لکھا کہ اے مشرکین مکہ۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے اوپر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ خط لکھ کر کسی مرد کو بھی نہ دیا تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو جائے بلکہ ایک مشرکہ عورت کو دے دیا۔ وہ لے کر روانہ ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مطلع کر دیا۔ آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ وغیرہ کو تیز رفتار گھوڑوں پر سوار کر کے فرمایا کہ روضہ خاخ میں ایک عورت

تمھیں ملے گی اُس سے رقعہ لے آنا۔ الحاصل وہ گئے اور خط لے آئے۔ دیکھا تو معلوم ہُوا کہ لکھنے والے حضرت حاطبؓ ہیں حضرت عمرؓ طیش میں آئے اور کہا حضرت مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔ ایک اور موقع پر حضرت حاطبؓ کے غلام نے انکی شکایت کرتے ہوئے یہ کہا کہ حاطبؓ بن ابی بلتعہ تو جہنمی ہے (مسلم ج ۲ صفحہ ۳۰۲ و مستدرک ج ۳ صفحہ ۳۰۱)۔ مگر آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو فرمایا کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اصحاب بدر کے تمام گناہ معاف کر دیئے ہیں (اور حضرت حاطبؓ کے غلام کو فرمایا کہ تم جھوٹ کہتے ہو کہ وہ جہنمی ہے وہ تو دوزخ میں داخل بھی نہ ہوگا)۔ حضرت حاطبؓ نے اپنا قصہ خود سنایا کہ حضرت مکہ مکرمہ میں میرے اہل وعیال کا کوئی بھی (عالم اسباب میں) نگران نہیں تھا۔ اللہ تعالےٰ کا جو فیصلہ مشرکین مکہ کے خلاف ہوگا اسکو کوئی ٹال ہی نہیں سکتا میں نے خیال کیا میرا تھوڑا سا احسان مکہ کے مشرکوں پر ہو جائے گا۔ شاید وہ اس احسان کے عوض میرے اہل وعیال کی نگرانی کریں اور ان کو دکھ اور تکلیف نہ پہنچائیں۔ اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر وناظر اور عالم الغیب نہ تھے ورنہ حضرت حاطبؓ کو خط لکھتے وقت ہی دیکھ اور جان لیتے۔ پھر اس خط کو دُور کیوں نکلنے دیا؟ اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضرت حاطبؓ (جن کو گناہ کی معافی اور جنتی ہونے کا پروانہ باذن الہٰی جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مل چکا تھا) کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم حاضر وناظر اور عالم الغیب ہیں۔ ان کا تو یہی خیال تھا کہ شاید میرا خط اہل مکہ کو پہنچ جائے۔ آسمان سے وحی نازل ہوئی تو بھانڈا پھوٹا۔ ورنہ حضرت حاطبؓ کو یہ وہم بھی نہ ہوگا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجلس میں احباب کی موجودگی میں میری یوں رسوائی ہوگی۔

(۹) بخاری ج ا صفحہ ۴۰۱ وغیرہ میں یہ روایت مروی ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت مدینہ میں دشمنوں کی آمد کی افواہ مشہور ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہوئے اور دُور تک دیکھ بھال کر واپس ہو رہے تھے کہ آگے سے آپکے حضرات صحابہ کرام رضہ اور اہل مدینہ آپ کو ملے۔ آپ نے فرمایا۔ واپس چلے جاؤ کوئی خطرہ نہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر وناظر اور عالم الغیب تھے تو حالات معلوم کرنے کے لئے مدینہ سے باہر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا حاضر وناظر بھی تحقیق حالات

کے لئے کہیں جایا کرتا ہے؟ اور دور تک حالات کا جائزہ لیا کرتا ہے؟

(۱۰) مسلم ج ۲ صفحہ وغیرہ میں یہ حدیث آتی ہے کہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جنگِ احزاب کے موقع پر جو ۵ھ میں ہوئی تھی۔ تیز ہوا اور کڑاکے کی سردی تھی (اور غالباً بارات کا وقت تھا) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم میں کوئی شخص ایسا نہیں جو جا کر دشمن کے حالات معلوم کرے اور مجھے آکر بتلائے اس شخص کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میرے ساتھ جگہ دے گا مگر تمام خاموش ہو گئے کوئی جواب نہ ملا چوتھی بار آپ نے فرمایا :-

قُمْ یا حُذَیفَۃُ فأْتِنا بخبرِ القوم۔ اے حذیفہؓ تو ہی کھڑا ہو اور ہمیں دشمن کے حالات سے آگاہ کر۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں گیا اور جا کر حالات معلوم کئے اور واپس آکر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کفار کے حالات سے مطلع کیا۔ اس حدیث سے بھی یہ معلوم ہوا کہ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو آپ کو دشمن قوم کے حالات خود معلوم ہوتے کسی کو بھیجنے کا کیا مطلب تھا؟ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ آپ حاضر و ناظر ہیں۔ ورنہ وہ کہہ دیتے کہ حضرت! آپ کو تو ہر چیز نظر آتی ہے اور ہر چیز معلوم ہے۔ آپ اتنے پریشان کیوں ہوتے ہیں کہ بار بار یہ فرماتے ہیں کہ کون تم میں سے جا کر دشمن قوم کے حالات سے ہمیں آگاہ کرتا ہے؟

(۱۱) مسلم ج ۲ صفحہ ۳۱ وغیرہ میں یہ روایت آتی ہے کہ ایک شخص آیا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر ہجرت کی بیعت کی۔ وہ شخص دراصل غلام تھا (حالانکہ آپ غلاموں کی ہجرت پر بیعت نہیں لیا کرتے تھے کیونکہ اس صورت میں غلام اپنے آقا کی خدمت نہیں کر سکتا تھا) لیکن ولم یشعر انہ عبد۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ غلام ہے۔ جب اس غلام کا آقا آیا اور حقیقت واضح ہو گئی تو آپ نے دو غلام دے کر وہ ایک غلام خرید لیا۔ اس کے بعد آپ کسی سے بیعت نہیں لیا کرتے تھے۔ حتیٰ یسألہ أعبدٌ ھو؟ تا وقتیکہ یہ نہ پوچھ لیتے کہ وہ آزاد ہے یا غلام؟ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو آپ کو یہ معلوم ہوتا کہ یہ فلاں شخص کا غلام ہے میرے دیکھتے دیکھتے یہ فلاں شخص کے پاس سے اور فلاں جگہ سے بھاگ کر آیا ہے۔ پھر اس سے بیعت کیوں

لی؟ اور آئندہ آپ ہر ایک سے ہجرت کی بیعت پر کیوں دریافت فرمایا کرتے تھے کہ تو آزاد ہے یا غلام؟ حاضر و ناظر اور عالم الغیب کے اسطرح پوچھنے کا کیا مطلب ہے؟ مولوی محمد عمر صاحب نے اس حدیث کے جواب سے یوں گلو خلاصی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ وَلَمْ یَشْعُرْ اَنَّہٗ عَبْدٌ اسکا ترجمہ یہ ہے کہ غلام نے پتہ نہ دیا کہ وہ غلام ہے۔ باقی رہا یہ کہ آپ نے غلام سے بیعت لی تو اسکے دو جواب ہیں: پہلی بات یہ ہے کہ آپ کے احسانِ عام اور مکارمِ اخلاق سے آپ نے اس سے بیعت لی تاکہ اسکو آپ بچالیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مختارِ کل ہیں (مقیاس ص ۴۲۶ و راجع ص ۴۵۶) مگر یہ جواب سراسر ایجادِ بندہ ہے اور بالکل مردود ہے اس لئے کہ اگر اس امر سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی اس ترجمہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تب بھی یہ ثابت ہو گا کہ آپ کو تو علم تھا ہی نہیں اور غلام نے بھی یہ نہ بتایا کہ میں غلام ہوں۔ آپ نے اس کو آزاد سمجھ کر بیعت میں داخل کر لیا اور یہ مطلب مولوی محمد عمر صاحب کے مقصد کے سراسر مخالف ہے۔ رہا بصورت بیعت دو جواب ذکر کرنا تو وہ بھی مخدوش ہے۔ اسلئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے احسانِ عام اور مکارمِ اخلاق کو صرف اس ایک غلام پر کیوں بند کر دیا گیا ہے؟ بعد کے آنے والے کیوں اس سے مستفید نہ ہو سکے؟ کیا انکے لئے احسانِ عام باقی نہ رہا تھا؟ اسی طرح بالفرض اگر آپ مختارِ کل تھے تو بعد کے آنے والوں کے لئے مختارِ کل رہتے۔ ان کے آنے پر ان سے اس سوال کا کیا مطلب؟ حتّٰی یَسْئَالُہٗ اَعَبْدٌ ھُوَ؟ کہ آپ سوال فرمالیتے تھے کہ کیا وہ غلام ہے؟ عجیب منطق ہے کہ صرف ایک غلام کیلئے تو آپ کا احسان عام ہے اور مختارِ کل بھی ہیں اور اس کے بعد سینکڑوں آنے والوں کیلئے نہ تو آپ کا احسان عام رہا اور نہ آپ مختارِ کل رہے؟ خدا معلوم یہ منطق مولوی محمد عمر صاحب نے کس سے حاصل کی ہے۔ مگر سچ ہے ؏

مذہب معلوم اہلِ مذہب معلوم ؏

مسلم ج ۲ ص ۳۶۸، طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۵، تاریخ ابن عساکر ج ۱ ص ۲۳، مستدرک ج ۴ ص ۳۹ اور مسند احمد ج ۳ ص ۲۸۱ مختصراً واللفظ لمسلم میں حدیث آتی ہے کہ منافقینِ مدینہ نے آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی لونڈی حضرت ماریہؓ کو حضرت مابورؓ نامی ایک غلام سے متہم کر دیا۔ یہ خبر اس زور سے پھیلی کہ آنحضرت صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کو بھی یقین آگیا۔ آپ نے حضرت علیؓ کو تلوار دی اور غیرت میں آکر فرمایا کہ مابور جہاں ملے اُسکو قتل کر دینا جناب رسول اللہ صلے

اللہ تعالے علیہ وسلّم کا ارشاد تھا۔ حضرت علیؓ کو کیا ہمت تھی کہ وہ اس میں پس و پیش کرتے۔ آخر تلاش کرتے کرتے مابورؓ کا سُراغ نکال ہی لیا۔ وہ بے چارہ ایک کنوئیں میں بیٹھا ہُوا تھا۔ وہ حضرت علیؓ کو اس حالت میں دیکھ کر تھرا گیا کہ خدا خیر کرے ؎

جبیں پہ بل ہے نگاہ شوخ آستیں ہے چڑھی الٰہی خیر ہو قاتل کو اضطراب ہے آج

حضرت علیؓ نے جب اسکو پکڑ کر کھینچا تو اس کشمکش میں اُس کا تہبند کُھل گیا۔ وہ ننگا ہو گیا حضرت علیؓ نے دیکھا کہ لم یخلق اللہ لہ ما للرجال - اللہ تعالیٰ نے فطرتاً اس کا آلہ تناسل ہی پیدا نہیں کیا، یعنی وہ غلام پیدائشی خصّی اور ہیجڑا تھا۔ حضرت علیؓ نے اسکو قتل نہ کیا اور آپ کو آکر یہ قصہ سُنا دیا آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا الشاھد یریٰ مالا یری الغائب یعنی حاضر وُہ چیز دیکھ سکتا ہے

لہ یہ "الشاھد یریٰ مالا یری الغائب" کے الفاظ مسند احمد کے ہیں اور حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں۔ اسنادہٗ رجال ثقات (البدایہ والنہایہ ج ۵ صفحہ ۳۰۳) کہ اس سند کے راوی ثقہ ہیں۔ سنہ ۶ ھ میں مقوقس شاہ مصر نے (جو عیسائی تھا) جناب رسُولِ خدا صلے اللہ تعالے علیہ وسلّم کی خدمت میں چند چیزیں بطور تحفہ بھیجی تھیں جن میں حضرت ماریہؓ بنت شمعون اور ان کی ہمشیرہ حضرت سیرینؓ اور ان کا چچا زاد بھائی حضرت مابورؓ بھی جو پیدائشی خصّی اور ہیجڑا تھا) شامل تھے۔ (مستدرک ج ۴ صفحہ ۳۹ و تجرید اسماء الصحابہ ج ۲ صفحہ ۲۳) حضرت ماریہؓ حرم نبویؐ میں داخل ہو گئی تھیں اور اُنھیں کے بطن مبارک سے حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے جو تقریباً اٹھارہ ماہ کے بعد اس دُنیائے خاک و گل سے رخصت ہو گئے تھے۔ حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:-

وکان مابورؓ ھذا خصیًا ولم یعلموا بامرہ بادی الامر فصار یدخل علی ماریۃؓ علیٰ عادتھم ببلاد مصر۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ صفحہ ۲۷۳)

کہ یہ حضرت مابورؓ پیدائشی خصّی اور نامرد تھے مگر لوگوں کو ابتدا میں اسکا علم نہ ہو سکا اور مصری رواج اور دستور کے مطابق یہ مابورؓ حضرت ماریہؓ کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔

اس سے معلوم ہُوا کہ حضرت مابورؓ حضرت ماریہؓ کے چچا زاد بھائی تھے اور مصری رواج کے تحت ان میں پردہ کا کوئی اہتمام نہ تھا اور یوں بھی حضرت ماریہؓ ملک یمین کی رو سے حرم نبویؐ میں داخل تھیں) ایسے گہرے رشتہ کے علاوہ اختلاط اور انبساط کے سبب نیز غلط کار لوگوں کے زبردست پروپیگنڈہ کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کو اپنے مقام پر یقین ہو چکا ہو گا کہ واقعی اس شخص میں یہ خرابی موجود ہے اور غیرت میں آ کر حضرت علیؓ کو یہ حکم دیا کہ جا کر مابورؓ کو قتل کر دو اور یہ غیرت فی مقام ریبۃ کا

(باقی صفحہ ۶۹ پر ملاحظہ کریں)

جو غائب نہیں دیکھ سکتا۔ یعنی ؎ شنیدہ کے بود مانند دیدہ

اگر جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو آپ نے ناکردہ گناہ کو کیوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۰)

مصداق بھی رحیں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ ابن ماجہ وغیرہ) اور آپ سے بڑھ کر مخلوقِ خدا میں اور کون غیور ہو سکتا ہے؟ اور ایسے زبردست شواہد اور قوی قرائن کے ہوتے ہوئے کوئی وجہ نہ تھی کہ آپ کو غیرت نہ آتی مگر چونکہ حضرت مابور رضی اللہ عنہ میں درحقیقت وہ خرابی نہ تھی اور نہ ہی اسکے لئے اسباب موجود تھے اسلئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکو قتل نہ کیا۔ رہا امام نووی وغیرہ کا یہ خیال کہ بعض لوگوں کی طرف سے یہ کہا گیا ہے کہ قتل کا حکم صادر کرنے کی وجہ شاید نفاق وغیرہ کوئی اور امر ہوگا قتل کی علت محض یہ افواہ اور اتہام نہ تھا (شرح مسلم ج ۲ صفحہ ۳۶۸) تو یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ اولاً حضرت مابور رضی اللہ عنہ منافق نہ تھے بلکہ ان کو ذہبی وغیرہ صحابی بتاتے ہیں اور ثانیاً اگر قتل کی وجہ اور علت یہ افواہ نہ ہوتی بلکہ کوئی اور ہوتی تو مابور رضی اللہ عنہ میں وہ علت تو فی الواقع موجود تھی ہی۔ پھر ان کو قتل کیوں نہ کر دیا گیا؟ اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا علم نہ تھا تو جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عدم تعمیلِ حکم پر ان کی تحسین کیوں فرمائی۔ آپ یوں فرما دیتے کہ وہ تو بہر حال قابلِ گردن زدنی ہے تم نے اس کو کیوں چھوڑا ہے۔ حالانکہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تصویب کی اور یوں فرمایا الشاهد یریٰ مالا یریٰ الغائب اس روایت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کسی ظاہری ارشاد کو جو بظاہر مقید اور مشروط نہ ہو اگر کوئی مجتہد اور فقیہ اسلئے ترک کر دے کہ دراصل یہ حکم مشروط اور مقید ہے اور صورتِ ہٰذا میں شرط اور قید موجود نہیں ہے تو ایسا مجتہد اور فقیہ قابلِ ملامت نہ ہوگا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عدم تعمیلِ حکم کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بنظرِ تحسین دیکھا اور انکی تائید اور تصویب فرمائی ہے اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ دیکھ چکنے کے بعد کہ حضرت مابور رضی اللہ عنہ میں وہ چیز ہے ہی نہیں جسکی وجہ سے وہ قابلِ قتل ہیں پھر بھی انکو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ظاہری ارشاد کے مطابق قتل کر دیتے تو کچھ بعید نہیں ہے (کہ وہ بعید از علم) اسکی تعمیل کی وجہ سے بارگاہِ رسالت میں معتوب ٹھہرتے۔ اس سے بہت سے اجتہادی اور فرعی مسائل جو بظاہر بعض احادیث کے سطحی اور ظاہری الفاظ کے مخالف نظر آتے ہیں خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ ہاں مگر مجتہد میں اجتہاد اور تفقہ فی الدین کا ملکہ ضرور ہونا چاہیئے۔ مودودی صاحب کی طرح وہ پانچواں سوار نہ ہو۔ دیکھئے غیر مقلدین حضرات اس کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ ؎

ترے رندوں پہ سارے کھل گئے اسرار دین ساقی ہُوا علم الیقیں، حق الیقیں، عین الیقیں ساقی

مجرم تصور کیا؟ اور اُس کے قتل کا آرڈر کیوں دیا؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) آپ کو معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ یہ شخص تو فطرتی طور پر نامرد ہے اور اسکے حضرت ماریہؓ سے تعلقات نا جائز نہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔ اگر اُس بیچارے کی لنگوٹی نہ کھلتی اور حضرت علیؓ دیکھ نہ لیتے تو اُسکی تو خیر ہی نہ تھی۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو غائب سے تعبیر کیا۔ دیکھئے فریقِ مخالف تسلیم کرتا ہے یا نہیں؟ ہم تو شرح صدر کے ساتھ اسے تسلیم کرتے ہیں۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔ ع نبی اپنا اپنا امام اپنا اپنا

(۱۳) مُسلم ج ۲ ص۷۳ وغیرہ میں یہ روایت آتی ہے کہ ایک لونڈی نے زنا کیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت علیؓ کو بھیجا کہ جا کر اسکو سزا دے۔ وہ گئے اور دیکھا کہ وہ ابھی ایامِ نفاس میں ہے۔ انھوں نے اسکو سزا نہ دی کہ حالتِ نفاس میں سزا درست نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب حضرت علیؓ نے بتایا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ اے علیؓ! تم نے بہت ہی اچھا کیا ہے کہ اُس کو اِس حالت میں سزا نہیں دی۔ غضب یہ ہے کہ فریقِ مخالف کے نزدیک ولی رحم میں نُطفہ ڈالتے بھی دیکھتے ہیں لیکن اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جناب رسُول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو اس بات کا علم نہ تھا کہ اس لونڈی کے ہاں بچہ ہوا ہے۔ اگر آپ حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہوتے تو آپ کو یہ ضرور معلوم ہوتا۔

(۱۴) مُسلم ج ۲ ص۱۹۹ وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک مرتبہ ایک کتا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چارپائی کے نیچے گھُس گیا۔ آپ سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ملاقات کا وعدہ کیا تھا مگر وہ نہ آئے۔ جب آپ نے دیکھا کہ گھر میں کتا ہے تو حضرت عائشہؓ سے آپ نے پوچھا۔ یہ کتا گھر میں کب داخل ہوا ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا۔ خدا کی قسم مجھے علم نہیں۔ اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ میرے دیکھتے دیکھتے یہ کتا فلاں وقت آیا تھا اور اس مقام پر چھپ کر بیٹھا ہے۔

(۱۵) مستدرک ج ۲ ص۱۲۳ میں ایک حدیث آتی ہے جسکی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں۔ حضرت عطیہؓ فرماتے ہیں کہ جنگِ قریظہ میں مجھے بھی حضرات صحابہؓ کرام نے گرفتار کیا چونکہ جوانوں کو قتل کیا جاتا تھا میرے بارے میں حضرات صحابہؓ کو تردد ہوا کہ آیا میں بالغ ہوں یا نابالغ؟ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسکو ایک مخصوص طریقہ سے دیکھو لو یعنی زیر ناف بال اُگے ہیں یا نہیں۔ چنانچہ انکا معائنہ ہوا تو وہ

نابالغ نکلے۔ اس لئے اُن کو قتل نہ کیا گیا۔ حاضر و ناظر کو کیا مصیبت ہے کہ بغیر کسی اشد مجبوری کے ایسا معاینہ کرنے کی اجازت دیتا ہو؟ (العیاذ باللہ تعالٰی)۔

حضرات! کہاں تک عرض کیا جائے۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ گھر سے ناراض ہو کر چلے گئے تو آنحضرت صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک شخص سے فرمایا۔ جا کر دیکھو اور تلاش کرو کہ علیؓ کہاں چلا گیا ہے؟ (بخاری ج۱ صفحہ ۶۳)۔

ایک مرتبہ ایک صحابی عمدہ قسم کی کھجوریں جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے لئے لایا۔ آپ نے فرمایا کیا خیبر کی ساری کھجوریں اس قسم کی ہوتی ہیں؟ صحابی نے کہا۔ نہیں خدا کی قسم سب ایسی نہیں ہوتیں۔ (بخاری ج۲ صفحہ ۶۰۹)۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایک دفعہ راستہ میں کھجور کا ایک دانہ پایا آپ نے فرمایا۔ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہو کہ یہ صدقہ کا ہو گا تو میں اسکو اٹھا کر کھا لیتا۔ (مسلم ج۱ صفحہ ۳۴۴ و بخاری ج۱ صفحہ ۳۲۸)۔

مولوی محمد عمر صاحب نے یوں دفع الوقتی کی ہے کہ آپ معلمِ الٰہی ہیں، اسلئے اتقاء کا سبق سمجھایا ہے کہ اگر ایک کھجور بھی لقطہ پڑی ہو اور تمہارا دل بھی چاہے تو کھانے سے پرہیز کرو (محصلہ مقیاس صفحہ ۲۰۳) مگر اس سے ہرگز یہ سوال رفع نہیں ہوا کیونکہ الفاظِ حدیث اسی امر کو متعین کرتے ہیں کہ آپکو اس امر کا ڈر تھا کہ مبادا یہ دانہ زکوٰۃ اور صدقہ کا ہو اور اسی شبہ کی بنا پر آپ نے پرہیز کی۔ عدمِ علم منصوص ہے اور اس روایت میں اتقاء ضمنی ہے۔ مزید تشریح ازالۃ الریب میں ملاحظہ ہو۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو آپ پوچھا کرتے تھے۔ اگر یہ کہا جاتا کہ صدقہ ہے تو آپ وہ کھانا نہ کھاتے اور اگر ہدیہ اور تحفہ ہوتا تو کھا لیتے تھے۔ (مسلم ج۱ صفحہ ۳۴۵)۔

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہؓ نظر نہ آئے تو آپ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا:

من احسّ الفتی الدوسی (ابوداؤد ج۲ صفحہ ۷۹۵) یعنی دوسی نوجوان کا کسی کو علم ہے؟

کیا حاضر و ناظر اور عالم الغیب کی یہی شان ہوتی ہے کہ معلوم کچھ ہو اور اظہار کسی دوسری چیز کا کرے

(العیاذ باللہ تعالیٰ) ۔ دوسرا باب انہی صحیح احادیث پر ختم کیا جاتا ہے جن میں ایک سلیم الطبع ، منصف مزاج خدا ترس آدمی کے لئے درسِ عبرت اور بصیرت موجود ہے ۔

قارئین کرام ! آپ نے بطور نمونہ یہ چند صحیح حدیثیں با حوالہ ملاحظہ کر لی ہیں ۔ اگر اس مضمون کی تمام صحیح احادیث کا استیعاب کیا جائے تو یقیناً یہ ایک دشوار کام ہوگا اور ایسا کرنا کسی کے بس کا روگ بھی نہیں ہے مگر ایک منیب اور خدا خوف انسان کو جس کے سامنے موت اور آخرت کا سوال ہو اور جس کے سامنے قبر، میدانِ محشر اور پُل صراط کا نقشہ ہو اور جس کے پیشِ نظر احکم الحاکمین کے عدل و انصاف کی وہ عدالت ہو جس میں بڑے بڑے بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ اور جس دن ڈر اور خوف کے مارے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور دودھ پلانے والی عورتیں اپنے شیر خوار بچوں سے غافل ہو ہو کر رہ جائیں گی اور اکثر لوگ کچھ ایسے مدہوش ہوں گے کہ جیسے کسی نے کوئی نشہ آور چیز پی لی ہو، حالانکہ وہاں کوئی ظاہری نشہ نہ ہوگا ۔ مگر صرف عذابِ خداوندی اور جلالِ الٰہی کا سامنا ہوگا) ۔ ان پیش کردہ صحیح احادیث سے مسئلہ زیر بحث پر دلائل واضحہ اور براہین ساطعہ کا کافی ذخیرہ مل سکتا ہے ۔ حق و باطل اور صحیح و غلط کے امتیاز کے لئے بہترین راہ آشکارا ہو سکتی ہے اور یہ بات بھی بخوبی معلوم ہو سکتی ہے کہ فریق مخالف کے اس دعوٰی سے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ اور ہر ایک کے لئے حاضر و ناظر ہیں کس طرح نصوص قرآنیہ کے علاوہ صحیح احادیث کا انکار لازم آتا ہے اور آپ کو ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرنے سے توہین و تحقیر کا وہ کون سا پہلو ہے جو باقی رہ جاتا ہے ؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) مگر فریق مخالف نے نہایت ہی صریح غلطی اور مغالطہ آفرینی سے یہ سمجھ اور سمجھا رکھا ہے کہ آپ (اور اسی طرح دیگر بزرگانِ دین) کو ہر جگہ حاضر و ناظر تسلیم کرنے سے عشق و محبت اور تعظیم و توقیر کا پہلو نکلتا ہے اور اس کو نہ تسلیم کرنے سے (معاذ اللہ تعالیٰ) آپ کی اور اسی طرح دیگر بزرگانِ اسلام کی توہین ہوتی ہے ۔ کاش کہ یہ لوگ قرآن و حدیث کو غور و تدبر سے پڑھتے اور پڑھنے کی اہلیت بھی رکھتے ۔۔۔ اور صحیح معنٰی میں حضرات السلف الصالحین کی عقیدت سے دِلوں کو منور کرتے تو ان کو قدم قدم پر ٹھوکریں نہ لگتیں ۔ نہ تو وہ خود گمراہ ہوتے اور نہ عوام الناس کی گمراہی کا موجب بنتے ۔

کیونکہ خدا تعالےٰ اور اس کے رسولِ برحق صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم کی نافرمانی کے بعد بالآخر انسان جہنّم کی اُس دردناک سزا کا اپنے آپ کو مستحق بنا لیتا ہے، جس کی شدّت کا وُہ اس وقت تصوّر بھی نہیں کرسکتا۔ لہٰذا عاقل اور دُور اندیش انسان صرف وہ ہے جو دُنیائے دنی کے قلیل اور عارضی نفع ونقصان سے بالاتر ہو کر اپنی نظر رضائے الٰہی کے بعد صرف آخرت کے یقینی اور بے حدوحساب فوائد پر جمائے رکھے اور اُس ابدی اور دائمی زندگی کے مقابلے میں اس ناپائیدار اور فانی زندگی پر دھیان ہی نہ کرے جو حقیقی اطمینان اور مسرّت سے یکسر خالی ہے۔ کیا خوب کہا گیا ہے ؎

ہم زندگی سمجھتے تھے جس کو وہ خواب تھا　　بالیں پہ آ کے موت نے بیدار کر دیا

مگر یہ یاد رہے کہ کوئی بھی اعلےٰ اور قابلِ قدر شئے بغیر آزمائشوں میں سے گزرنے اور مشکلات سے دوچار ہوئے حاصل نہیں ہوسکتی۔ پھر بھلا رضائے الٰہی اور جنّت جیسی بے نظیر و بے مثال اور ابدی نعمت کے حصول کا راستہ کیوں خار دار نہ ہو؟ اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ۔ ؎

وُہی زندگی اور پائندگی ہے
باقی ہے جو کچھ وُہ سب خاکبازی

تیسرا باب

پہلے باب میں آپ یہ پڑھ چکے ہیں کہ جلیل القدر اور اولوا العزم رسول اور نبی بھی ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے اور اپنے مقام پر پوری تفصیل اور تشریح کے ساتھ قرآن کریم کی متعدد آیات ذکر کی جائیں گی جن سے یہ بات روزِ روشن کی طرح آشکارا ہو جائیگی کہ حضرت امام الانبیاء خاتم النبیین سردار رسل محمد مصطفےٰ، احمد مجتبیٰ، شفیع المذنبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی بایں شان و شوکت ہر جگہ حاضر و ناظر (اور جمیع ماکان وما یکون کے عالم) نہ تھے۔ اور دوسرے باب میں صحیح احادیث آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب اس باب میں یہ امر مبرہن کیا جاتا ہے کہ حضرات فقہاء کرامؒ اور حضرات محدثین عظامؒ نے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کیا عقیدہ پیش کیا ہے؟ اور وہ خود حاضر ناظر سے متعلق کیا عقیدہ رکھتے تھے؟ اور یہ بات کسی بھی خدا ترس سنجیدہ مزاج اور باشعور مسلمان سے مخفی نہیں رہ سکتی کہ عالمِ اسباب میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی روایتی اور درایتی حیثیت سے حفاظت اور نگرانی حضرات محدثین کرامؒ اور حضرات فقہاء اسلامؒ ہی نے کی ہے۔ ان میں اگر ایک گروہ اور طائفہ نے الفاظ اور سند کی نگرانی کی ہے تو دوسرے حزب اور جماعت نے معانی اور مطالب کو محفوظ رکھا ہے۔ اگر ایک فریق نے راستہ اور چھلکا محفوظ رکھا ہے تو دوسرے نے منزل اور مغز کو محفوظ و مصئون کیا ہے۔ انھوں نے دینی بصیرت اور فرض شناسی کے جذبہ سے سرشار اور لبریز ہو کر انسانیت کی فلاح و بہبود، ہدایت و رشد، کامیابی و کامرانی کے لئے بڑی محنت اور مشقت سے، بڑی کوشش اور کاوش سے بے انتہا جفاکشی اور تندہی سے کتاب و سنت اور توحید و رسالت کا نعرۂ حق بلند کیا حتیٰ کہ اُن کی سعیٔ بلیغ سے کتاب و سنت کا چرچا عام ہوا پیروئ شریعت کا غلغلہ بلند ہو گیا اور کیوں نہ ہوتا۔ انکی نہایت اخلاص و دلسوزی سے پکار ہی صرف ایک پکار تھی کہ مسلمانو! صرف خدا کو پوجو۔ وہی تمھارا کارساز، حاجت روا، فریاد رس مشکل کشا اور دستگیر ہے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کرو اور صرف آپ ہی کی پیروی میں

نجات ہے۔ قرآن کریم کے ابدی احکام پر عمل کرو اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحیح ارشادات کے مطابق زندگی بسر کرو۔ انھوں نے اپنی عقلِ رسا سے نظامِ عالم کے نقشے بدل دیئے۔ عجائباتِ عالم کے طلسم کشائی کے حیرت انگیز نظریئے پیش کئے۔ انکی دقیق اور عمیق نکتہ سنجیوں اور بلند خیالیوں کے پیچھے حسنِ عمل کا بہترین نمونہ اور اعلیٰ اسوہ موجود ہے۔ انھوں نے انسانی اوہام و خیالاتِ فاسدہ اور عقائدِ باطلہ کی زنجیروں کو کاٹ کر دریا برد کر دیا۔ انسانوں کی باہمی گتھی کو سلجھایا۔ انسانی معاشرت کا صحیح ترین خاکہ پیش کیا۔ ہمارے اعمال و اخلاق کا اعلیٰ نقشہ اور ہماری روحانی مایوسیوں اور ناامیدیوں کا کامیاب علاج تجویز کیا اور جو لوگ ایمان و عمل کے جوہر سے یکسر خالی تھے اور جو لوگ خرافات اور خیالات کی وادیوں میں بھٹکتے رہے، اُن کو علم و تحقیق کی دولت سے مالا مال اور تفحص و جستجو کے جوہر سے روشناس کیا۔ بنی نوعِ انسان کی حقیقی بھلائی اعمال کی نیکی، اخلاق کی برتری، دلوں کی صفائی اور انسانی قویٰ میں اعتدال اور میانہ روی پیدا کرنے کی غرض سے کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کے معانی و مطالب کو نہایت آسان اور سہل کر دیا ہے، اور نقلی احتجاج اور عقلی استدلال کا ایسا صحیح اور محیر العقول معیار قائم کیا جس سے دلوں کی تشفی کا اور باطل قسم کے شکوک اور شبہات کے ازالہ کا بہترین اور قابلِ قدر طریقہ اور راستہ متعین ہو جاتا ہے جس سے مختلف انسانی طبقات ہر وقت اور ہر دور میں برابر استفادہ کر سکتے ہیں اور جس کی تعلیم و عمل کے لافانی سرچشمہ سے شاہ و گدا، منطقی و فلسفی، امیر و غریب، عالم و جاہل، مجاہد و قاضی سب برابر کا فیض پا رہے ہیں۔ ہمارے اجسام و ارواح کے لئے ہمارے نفوس و قلوب کے لئے انھوں نے ایسے علوم و فنون ترتیب دیئے، جن سے دُنیا کے صحیح تمدن اور بہترین و مکمل معاشرت کی تکمیل ہوئی۔ عقائد و اعمال معاملات و اخلاق کے جوہر اُجاگر ہو گئے۔ نیکی اور بھلائی ایوانِ عمل کے نقش و نگار ٹھہرے۔ خدا و بندہ کا تعلق باہم مضبوط و مستحکم ہوا۔ یہ نفوسِ قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر گئے۔ اور اس عالمِ فانی کی کس چیز کو ابدیت حاصل ہے؟ اُن کی زندگیاں خواہ کتنی ہی مقدس ہوں تاہم وہ دوام و بقا کی دولت سے سرفراز نہ تھیں اس لئے آئندہ آنے والے انسانوں کیلئے جو چیز رہبر ہو سکتی ہے وہ انکی زندگیوں کے تحریری اور روایتی و درایتی عکس اور تصویریں ہیں۔ پچھلے عہد کے تمام علوم و فنون، تحقیقات و خیالات، واقعات و حالات

افکار و حوادث کے جاننے کا واحد ذریعہ اُن کی برگزیدہ ہستیاں ہیں جن کی زندگی نوعِ انسان کی سعادت و فلاح، حُسنِ کردار و ہدایت کی ضامن اور کفیل، اور اس کیلئے قابلِ تقلید نمونہ ہے اور جن کی اتباع و تقلید ہی سے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی برکت سے ہی ابدی نجات حاصل ہو سکتی ہے اور کتنی ہی سعید رُوحیں ہیں جنھوں نے اُن کی آواز پر لبیک اور خوش آمدید کہا مگر خود غرضوں اور نفس پرستوں نے، خود فریبوں اور حرماں نصیبوں نے اُن کی شان کو گھٹانے اور اُن کی خدماتِ جلیلہ کو خاک میں ملانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اور بیک جنبشِ قلم اُن کو پیوندِ خاک کرنے کی ناکام سعی کی افسوس ؎

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے   ظاہر کئے فلک نے تھے جو خاک چھان کے

الحاصل روایت و درایت کا، سند اور معنی کا، محدثین اور فقہاء کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ کسی ایک سے بھی صرفِ نظر کرنے کے بعد کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کا سمجھنا محال ہے اور احکام اور معانی میں تو خاص طور پر حضرات فقہاء کرامؒ ہی کی رائے معتبر اور مستند ہو سکتی ہے کیونکہ بقول امام اعمشؒ محدثین کرامؒ پنساری ہیں جن کے پاس طرح طرح کی قیمتی بوٹیاں (حدیثیں) موجود ہیں مگر انکے خواص و مزاج سے فقہاء اسلام ہی واقف ہو سکتے ہیں، جو طبیب اور ڈاکٹر ہیں (کتاب العلم ج ۲ صفحہ ۱۳۱) اور حضرات فقہاء کرامؒ کی معانی اور مطالب میں اس بالادستی اور فوقیت کو حضرات محدثین کرامؒ نے کھلے لفظوں میں تسلیم کیا ہے۔ تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے اس کے لئے مقام ابی حنیفہؒ ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں صرف ایک ہی حوالہ پر اکتفاء کی جاتی ہے چنانچہ حضرت امام ترمذیؒ (المتوفی ۲۷۹ھ) صاحب جامع ایک حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ:۔

وکذالک قال الفقہاء، وھم اعلم بمعانی الحدیث۔ (ترمذی ج ۱ ص ۱۱۸)

اور اسی طرح حضرات فقہاء کرامؒ نے کہا ہے اور وہی حدیث کے معانی کو بہتر جانتے ہیں۔

یہ تو عام حضرات فقہاء کرامؒ کا ذکر خیر تھا لیکن علی الخصوص حضرات فقہاء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتھم کے اجتہاد و تفقہ کا ہر دور اور ہر زمانہ میں جو شہرہ رہا ہے وہ کس منصف مزاج اہلِ علم سے مخفی ہو سکتا ہے؟ مجموعی طور جس محنت و مشقت سے اور جس اخلاص و دیانت سے اور جس عزم و احتیاط سے اور جس متانت اور سنجیدگی سے قرآنِ کریم اور سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریح اور تفصیل انھوں نے کی ہے وہ صرف انہی کا حصہ ہو سکتا ہے

وہ آسمانِ علم و تحقیق کے چاند اور سماء فقہ و اجتہاد کے آفتاب و ماہتاب اور درخشندہ ستارے ہیں جو اپنی چمک دمک سے تاریک دُنیا کو علم و تدقیق کی کرنوں سے منوّر اور روشن کرتے اور ابرِ رحمت بن کر جہالت کی خشک زمین کو سرسبز و شاداب کرتے رہے ہیں مگر ہائے افسوس جو ہستیاں دُنیا سے جا چکیں سو جا چکیں جو باقی ہیں، وہ مبارک اور برگزیدہ ہستیاں بھی ایک ایک کرکے اُٹھتی جا رہی ہیں۔ اب وہ دَور آنے والا ہے کہ جس میں نہ تو کوئی پلانے والا رہے گا اور نہ پینے والا رہے گا۔ اور جو پینے کیلئے آئے گا وہ بصد افسوس یہ کہے گا کہ

تو جو رہا نہ ساقیا پینے کا کیا مزہ رہا پیمانہ عمر بھر رہا پی بھی تو میں نے پی نہیں

گو مسئلہ زیرِ بحث میں دیگر حضرات فقہاء کرامؒ (موالکؒ، شوافعؒ اور حنابلہؒ) کا بھی وہی فیصلہ ہے جو حضرات فقہاء احنافؒ کا ہے اور انکا بھی صرف وہی عقیدہ ہے جو انکا ہے مگر ہمیں چونکہ ایسے گروہ سے خطاب کرنا ہے جو خود کو حنفی کہلاتا ہے (بلکہ بزعمِ خود حنفیت کا واحد ٹھیکیدار ہے) اسلئے ہم صرف حضرات فقہاء احنافؒ ہی کی چند عبارات اور نقول پر اکتفاء کرتے ہیں اور ہر متین، سنجیدہ سرشت اور با انصاف مسلمان سے یہ اپیل کرتے ہیں کہ وہ بغور و انصاف اس عقیدہ اور مسئلہ کو پڑھے سمجھے اور پھر حق کو اپنائے۔

فقیہ کبیر الشیخ، القاضی، الامام، الاجل، الزاہد، البارع، امام الفقہاء حسن بن منصور المعروف بقاضیخانؒ (المتوفی ۵۹۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

رجل تزوج امرأۃ بغیر شھود فقال الرجل للمرأۃ (خدائے را و پیغامبر را گواہ کردیم) قالوا یکون کفرا لانہ اعتقد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب وھو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت۔

(فتاوی قاضی خان ص ۸۸۳ طبع نولکشور)

ایک شخص نے بغیر گواہوں کے ایک عورت سے نکاح کیا اور بوقتِ نکاح عورت کو یوں کہا کہ ہم خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بناتے ہیں حضرات فقہاء کرامؒ نے فرمایا کہ اس شخص کا یہ کہنا کفر ہے کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں، حالانکہ آپ زندگی میں غیب نہیں جانتے تھے تو وفات کے بعد بھلا کیسے غیب جانتے ہیں؟

حضرات فقہاء کرامؒ کا وہ محتاط، سنجیدہ اور متین گروہ ہے کہ اگر ایک کلمہ میں معانی اور مطالب کے اعتبار

سے ایک سو احتمالات پیدا ہو سکتے ہوں۔ ایک پہلو اسلام کا ہو اور باقی ننانوے ۹۹ کفر کے ہوں تو اس صورت میں بھی وہ تکفیر سے کفِ لسان ہی کرتے ہیں کہ شاید کہنے والے کی مراد وہ پہلو ہو جو اسلام کا پہلو ہے اور اگر معلوم ہو جائے یا کہنے والا خود کفر کا پہلو ہی متعین کر دے تو پھر کسی فقیہ اور مفتی کے بچانے سے وہ کفر سے نہیں بچ سکتا۔ مگر آپ نے ملاحظہ کیا کہ باوجود بڑے محتاط ہونے کے حضرات فقہاء احناف کس بے خوفی اور بے باکی سے اس شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجلسِ نکاح میں گواہ حاضر و ناظر اور عالم الغیب سمجھتا اور اس پر عقیدہ رکھتا ہے۔ یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ جس مجلس میں شرعی گواہ نہ ہوں اور مرد اور عورت کی نجی طور پر تن بخشی اور متعہ کا معاملہ ہو تو ایسی مجلس ناجائز اور حرام ہے اور اپنے مقام پر نصِ قرآنی سے یہ مسئلہ ثابت کیا جائے گا کہ ایسی مجلس میں آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو قرآن کریم کی رو سے حاضر اور موجود ہونے کی سرے سے اجازت ہی نہیں ہے اور حضرات فقہاء کرامؒ کی اس منصوص تکفیر کے علاوہ اس عقیدہ سے قرآن کریم کی اس آیت کا انکار بھی لازم آتا ہے جو بجائے خود کفر ہے اور ایسی ناجائز اور حرام مجلس میں جناب رسولِ خدا صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا آپ کی توہین ہے جو سراسر کفر ہے۔ العیاذ باللہ تعالےٰ۔ ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۔

(۲) علامہ عبد الرشید ابو الفتح ظہیر الدین الولوالجی (جو امام۔ فاضل۔ مناظر اور کامل فقیہ تھے (المتوفی بعد ۵۴۰ھ) لکھتے ہیں کہ :-

تزوج امرأة ولم يحضر شاهد فقال تزوجتك بشهادة الله و رسوله يكفر لانه يعتقد بان النبي صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب اذ لا شهادة لمن لا علم له به ومن اعتقد هذا كفر۔

(فتاوی ولوالجیہ، وکذا ابیری حاشیہ اشباہ)

ایک شخص نے بغیر گواہوں کے ایک عورت سے نکاح کیا۔ مگر گواہ موجود نہیں تھے۔ اس شخص نے عورت کو خطاب کرتے ہوئے یوں کہا میں تیرے ساتھ خدا تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کرتا ہوں تو وہ شخص کافر ہو جائیگا اسلئے کہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب تھا کیونکہ جس کو علم نہ ہو وہ گواہ نہیں بن سکتا ہے اور جس کا عقیدہ یہ ہو کہ آپکو علم غیب تھا اور آپ حاضر و ناظر تھے تو وہ کافر ہے۔

(۳) الشیخ، العلامہ، المدقق الفہامہ، ابو حنیفہ ثانی زین العابدین بن نجیم المصریؒ (المتوفی ۹۷۰ھ)

تحریر فرماتے ہیں کہ:-

لو تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد النکاح ویکفر لاعتقادہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔ (بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴)	اگر کسی شخص نے خدا تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کیا نکاح تو سرے سے ہی منعقد نہ ہوگا اور وہ شخص کافر ہو جائیگا کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

(۴) حضرت سلطان عالمگیرؒ (المتوفی ۱۱۱۸ھ) نے پانچ سو ذمہ دار حضرات فقہاء کرامؒ سے ہندوستان کے لئے جو اسلامی آئین، قانون اور دستور مرتب کرایا تھا، اُس میں اِس کی تصریح موجود ہے کہ:-

تزوج رجل امرأۃ ولم یحضر الشہود وقال خدائے را و رسول را گواہ کردیم۔ او قال خدائے را و فرشتگاں را گواہ کردیم یکفر ولو قال فرشتہ دست راست را گواہ کردم و فرشتہ دست چپ را گواہ کردم۔ لا یکفر۔ (فتاویٰ عالمگیری ج ۲ ص ۲۶۳)	ایک شخص نے کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور اس نے یہ کہا کہ میں خدا تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بناتا ہوں یا اُس نے یہ کہا کہ میں خدا تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں تو ایسا شخص کافر ہو جائیگا اور اگر اس نے یہ کہا کہ میں دائیں اور بائیں پہلو والے فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں تو کافر نہ ہوگا۔ (کیونکہ یہ دونوں فرشتے حاضر ہوتے ہیں مگر نکاح نہ ہوگا)۔

(۵) فقہ حنفی کے مشہور و معروف فتاویٰ تاتارخانیہ میں لکھا ہے کہ:-

تزوج بشہادۃ اللہ ورسولہ لا ینعقد النکاح ویکفر لاعتقادہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب۔	جس نے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح نہ ہوگا مگر وہ شخص کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ اُس نے یہ اعتقاد کر لیا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں۔

(۶) اور معروف فتاویٰ "جواہر اخلاطیہ" میں لکھا ہے کہ:-

ان زعم ان النبی صلی اللہ	اگر کسی نے یہ گمان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب

علیہ وسلم یعلم الغیب یکفر — جانتے ہیں تو وہ کافر ہو جائے گا۔ اگر کسی ذات سے

فما ظنک بغیرہ۔ — متعلق یہ عقیدہ رکھے تو کیونکر وہ مسلمان رہ سکتا ہے؟

علاوہ ازیں امام، فقیہ، حافظ، محدث، مفسر، متقن، محقق، فاضل، مناظر اور زاہد علی بن ابی بکرؒ (المتوفی ۵۹۳ھ) صاحب ہدایہ اپنی کتاب تجنیس ص۲۹ میں اور علامہ، عدیم النظیر فرید الدہر، مجتہد فی المسائل طاہر بن احمدؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص۳۵۴ میں اور فقیہ وقت، جامع علوم، امام عبد الرحیم (المتوفی ۶۵۱ھ) فصول عمادیہ ص۶۴۳ میں اور عالم وقت امام محمد بن محمد الخوارزمی المشہور بالبزازیؒ (المتوفی ۸۲۷ھ) فتاویٰ بزازیہ ص۳۲۵ میں اور المحدث الکامل اور فقیہ وقت علامہ بدر الدین عینیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) عمدۃ القاری ج ۱۱ ص۲ طبع منیریہ اور محقق کامل حافظ ابن الھمام محمدؒ بن عبد الواحد (المتوفی ۸۶۱ھ) مسایرہ مع المسامرہ ج ۲ ص۸۸ طبع مصر میں) اور یگانہ روزگار فقیہ و محدث ...... علی بن سلطانؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) المعروف بملا علی القاری الحنفی شرح فقہ اکبر ص۱۸۵ میں اور علامہ ابن عابدین الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۵۲ھ) شامی ج ۲ ص۳۰۶ میں اور اسی طرح دیگر معتبر اور مستند حضرات فقہاء احناف اس کی تصریح کرتے ہیں کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو علم غیب حاصل تھا یا آپ حاضر و ناظر تھے تو وہ قطعاً کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔ آخر میں ہم مفسر قرآن، محدث زمان، بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ صاحب الحنفی پانی پتیؒ (المتوفی ۱۲۲۵ھ) کی صرف ایک عبارت پیش کرکے حضرات فقہاء کرامؒ کی عبارات کو انہی مختصر اقتباسات پر ختم کرتے ہیں۔ قاضی صاحب لکھتے ہیں "اگر کسے بدون شہود نکاح کرد و گفت خدا را و رسول خدا را گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود۔" (مالا بد منہ ص۱۲۶)۔

حضرات! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ حضرات فقہاء احنافؒ کے نزدیک یہ مسئلہ اتنا واضح اور بے غبار ہے کہ وہ بغیر کسی خوف اور لومۃ لائم کے ایسے شخص کی تکفیر کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر جگہ حاضر و ناظر اور عالم الغیب تسلیم کرتا ہے۔ تمام ذمہ دار اور محقق علماء احنافؒ سو فیصدی اس پر متفق ہیں اور یہی اکابر علماء دیوبند کا عقیدہ ہے جیسا کہ فیوض قاسمی اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ سے ظاہر ہے اب فریق مخالف ہی سینہ پہ ہاتھ رکھ کر اور ٹھنڈے دل کے ساتھ خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر سمجھ کر اور دل میں قبر اور آخرت کا خوف

رکھ کر انصاف سے بتائیے کہ حنفی کون ہے؟ علماء دیوبند یا بریلوی؟ دیوبندیوں کو وہابی کہنے والو! ذرا غور تو کرو

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے — دیوانہ آہنی یہ حماقت تو دیکھئے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی اپنی قوم کے سامنے صحیح تعلیم پیش کی تو کیا نہ ماننے والے خاموش ہوگئے تھے؟ کیا انھوں نے صحیح تعلیم پر اعتراض نہیں کئے؟ یا بزعم خود حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کا جواب انھوں نے نہیں دیا؟ کیا قرآن کریم پر مشرکین عرب نے اعتراضات نہیں کئے تھے؟ یا اپنے خیال کے مطابق انھوں نے نصوص قطعیہ کا جواب نہیں دیا؟ حدیث شریف سے متعلق کیا کچھ نہیں کہا گیا؟ حضرات صحابہ کرامؓ حضرات ائمہ مجتہدینؒ اور حضرات فقہاء کرامؒ کے بارے میں باطل فرقوں نے کیا کسر اٹھا رکھی ہے؟ حضرات صحابہ ثلاثہؓ کے ایمان پر کیا کچھ باطل فرقوں نے اعتراضات نہیں کئے؟ اور کیا خلیفہ رابعؓ اس طعن سے محفوظ رہے؟ مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا واقعی معترضین کے اعتراضات صحیح ہیں؟ ہر ایک منصف مزاج یہی کہے گا کہ ان تمام گمراہ فرقوں کے اعتراضات یا بزعم خود جوابات سراسر باطل اور مردود ہیں اسی طرح فریق مخالف نے حضرات فقہاء کرامؒ کی ان عبارات پر جو اعتراضات کئے یا ان کے جوابات دیئے ہیں، تمام تر باطل ہیں۔ سرسری طور پر ان کے اعتراضات مع جوابات ملاحظہ کریں:۔

پہلا اعتراض: کہ امام قاضی خانؒ نے یہ مسئلہ لفظ قالوا سے بیان کیا ہے اور حضرات فقہاء کرامؒ کمزور قول کو دوسروں پر محمول کر دیتے ہیں۔ (دیکھئے جاء الحق ص۱۲۶ وغیرہ)۔

جواب: یہ اعتراض سرتاپا لغو اور بیہودہ ہے۔ اولاً اس لئے کہ قیل یا رُوی وغیرہ تمریض کے صیغے سے تو امام قاضی خانؒ نے یہ مسئلہ بیان نہیں کیا بلکہ پوری ذمہ داری سے یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرات فقہاء کرامؒ کا قول ہی صرف یہ ہے کیونکہ قال یا قالوا درحقیقت بیان حال واقعی کے لئے آتا ہے ثانیاً اگر بالفرض امام قاضی خانؒ کے نزدیک یہ قول ضعیف ہے تو دوسرے حضرات فقہاء احنافؒ کے نزدیک تو یہ ضعیف نہیں ہے وہ تو بہر حال قالوا اسی کے قائل ہیں اور یہ ان کا متفقہ قول ہے وثالثاً حافظ ابن ہمامؒ اور ملا علی القاریؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

وذکر الحنفیۃ تصریحاً بالتکفیر — کہ حضرات علماء احنافؒ نے صراحت کیساتھ یہ مسئلہ بیان کیا ہے

باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب (مسائرہ ص۲ شرح فقہ اکبر ص۱۸۵)

کہ یہ اعتقاد رکھنا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غیب جانتے ہیں خالص کفر ہے۔

غور تو کیجئے کہ حضرات فقہاء احناف کس ذمہ داری اور کیسی صراحت اور وضاحت سے یہ مسئلہ بیان کرتے ہیں کہ یہ عقیدہ رکھنا سراسر کفر ہے۔ مفتی احمد یار خان صاحب کا جواب کہ مخالفین بھی حضور علیہ السلام کو بعض علم غیب مانتے ہیں لہٰذا وہ بھی کافر ہوئے۔ کیونکہ ان عبارتوں میں کل یا بعض کا ذکر ہی نہیں الخ (جاء الحق ص۱۲۲) نری جہالت پر مبنی ہے کیونکہ مطلق الغیب سے کل علم غیب ہی مراد ہوتی ہے کیونکہ فرد کامل ہی یہی ہے۔ الغرض مفتی صاحب کا یہ کہنا کہ کل یا بعض کا ذکر نہیں سراسر باطل ہے اور یہ صحیح علم اور علماء کی اصطلاح سے ناواقفی کی دلیل ہے۔

دوسرا اعتراض: کہ بعض حضرات فقہاء کرام نے اس تکفیر کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گواہوں کیلئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ منکم تمھاری جنس سے ہوں اور جو شخص خدا تعالیٰ کو اور فرشتوں کو گواہ بناتا ہے تو وہ گویا اس معہود طریقہ کے علاوہ ایک دوسرے طریقہ سے نکاح کی حلت سمجھتا ہے لہٰذا وہ کافر ہے (مقیاس حنفیت ص۴۸۲ وغیرہ)۔

جواب: یہ اعتراض یا تاویل بھی مردود ہے اسلئے کہ حضرات فقہاء کرام نے بطریق مذکور نکاح کرنے والے کی تکفیر کی خود وجہ بھی بیان کی ہے اور وہ اسکی تصریح کرتے ہیں کہ وہ شخص صرف اور صرف اسلئے کافر ہے کہ اس نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب تسلیم کیا اور اس کا اعتقاد کیا ہے۔ حالانکہ آپ کو زندگی میں علم غیب حاصل نہ تھا تو اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد کہاں سے عطا ہوا؟ تمام حضرات فقہاء کرام کی عبارات میں تکفیر کا مرکزی نقطہ ہی صرف یہ ہے۔ دوبارہ ان عبارات کا مطالعہ کیجئے کہ حضرات فقہاء کرام وجہ تکفیر کس چیز کو قرار دیتے ہیں آیا عقیدۂ علم غیب اور حاضر و ناظر کو یا گواہوں کے غیر جنس میں سے ہونے کو تو انشاء اللہ تعالیٰ طبیعت صاف ہو جائیگی اگر فریق مخالف کی فہم اور حقیقت شناسی کا یہی عالم رہا تو پھر خدا تعالیٰ ہی خیر کرے۔

اگر رنگ یاران محفل یہی ہے
تری بزم میں اور بھی گل کھلیں گے

تیسرا اعتراض: کہ حضرات فقہاء کرام نے ایسے شخص کی تکفیر محض تشدید اور تخویف کے طور پر کی ہے

جواب: اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر اور عالم الغیب تسلیم کرنا کفر ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء احناف نے تشدیداً ایسے شخص کی تکفیر کی ہے تو ہمارا مسئلہ پھر بھی واضح ہے کہ یہ عقیدہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر یا عالم الغیب ہیں ہرگز اسلامی نہیں ہے ورنہ حضرات فقہاء کرام نہ تو اسکو گناہ سمجھتے اور نہ تشدیداً تکفیر ہی کرتے اور اگر مطلب یہ ہے کہ یہ عقیدہ تو اسلامی ہے مگر حضرات فقہاء کرام نے بلاوجہ تکفیر کی ہے تو یہ تمام حضرات فقہاء احناف خود کافر اور مرتد ہو گئے ہیں۔ کیونکہ ایک مسلمان کو جو اسلامی عقیدہ رکھتا ہے، وہ کافر بتاتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) کیا واقعی فریق مخالف ان حضرات فقہاء کرام کو کافر سمجھتا ہے؟ نیز اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا اسلامی عقیدہ ہے تو حضرات فقہاء کرام نے تکفیر کی طبع آزمائی اس مسئلہ پر کیوں کی ہے؟ تشدیداً یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ پر، فرشتوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والا بلکہ ہر قسم کی نیکی کرنے والا کافر ہے۔ اور پھر حضرات فقہاء کرام سے پوچھئے کہ آپ نے زانی، شرابی، چور، کاذب اور دیگر جرائم پیشہ مجرموں کو کیوں کافر نہیں کہا؟ کیا آپ کو ہدف تکفیر کے لئے علم غیب اور حاضر و ناظر کا مسئلہ ہی دستیاب ہوا ہے؟ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

چوتھا اعتراض: بعض حضرات فقہاء کرام نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اُمت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اس شخص کا یہ قول بھی آپ پر پیش کیا جائے لہٰذا وہ کافر نہ ہوگا۔ (جاء الحق صفحہ ۱۲۶ وغیرہ)۔

اگرچہ عرض اعمال کی حدیث صحیح اور جید ہے مگر اس سے یہ استدلال درست نہیں ہے۔ اولاً اس لئے کہ جو لوگ عرض اعمال کی حدیث کو آڑ بناتے ہیں انھوں نے حضرات فقہاء کرام کی ان عبارات پر مطلقاً غور ہی نہیں کیا کیونکہ حضرات فقہاء کرام تو یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص اس لئے کافر ہے کہ اس نے اپنی مجلس نکاح میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر تسلیم کیا ہے اور وہ قائل بیچارہ خود بھی چلا چلا کر یہ کہتا ہے کہ رسول را گواہ کردم، کہ میں اس مجلس میں آپ کو حاضر تسلیم کرتا ہوں اور تاویل

کرنے والے حضرات یہ کہتے ہیں کہ شاید قائل کی یہ بات اُس مقام پر جہاں آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں، پیش کی گئی ہو تو اس توجیہ القول بما لا یرضی به قائلہ کو کون سُنتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرات فقہاء احناف ایسے شخص کو کافر ہی کہتے ہیں، اور اس لایعنی اور بیکار توجیہ کو خاطر میں نہیں لاتے اور پوری ذمہ داری کے ساتھ اس کی تکفیر ہی کرتے ہیں۔ وثانیاً حضرات فقہاء کرامؒ نے اس عبارت میں ایسے شخص کی تکفیر کی ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا مدعی اور علم غیب کلی کا معتقد ہو اور اس قائل کے قول سے بظاہر یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ شخص ہر مجلس نکاح میں آپ کو حاضر و ناظر سمجھتا ہے کیونکہ ان حضرات فقہاء احنافؒ کی عبارات میں یعلم الغیب کے الفاظ موجود ہیں یعنی قائل یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب غیب جانتے ہیں اور لفظ غیب اسم جنس (یا مصدر) ہے جو معرف باللام ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ (شرح مقاصد بحوالہ حاشیہ جلالین صفحہ ۱۲۳) - اور اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ واقعی ایسا شخص کافر ہے کیونکہ نصوص کو ظاہر پر ہی حمل کیا جائے گا ورنہ باطنیت لازم آئے گی اور اس کے خلاف ایک بھی معتبر قول، فتویٰ اور شہادت نہیں پیش کی جا سکتی اور عرضِ اعمال کی حدیث سے صرف عرضِ اجمالی ثابت ہے نہ کہ عمومی اور تفصیلی۔ اس کی مزید بحث تسکین الصدور میں ملاحظہ کریں۔ ہاں البتہ تمام اہلِ اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ بذریعہ وحی یا کشف و الہام اللہ تعالےٰ بعض مغیبات پر حضرات انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مطلع کر دیتا ہے۔ اگر کوئی قائل یہ کہے یا اس کا عقیدہ یہ ہو کہ میری مراد یہ ہے کہ ہر جگہ اور ہر مجلسِ نکاح میں تو آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہیں ہیں لیکن میرے اس جزوی واقعہ میں آپ مثالی یا روحانی طور پر حاضر تھے یا آپ کو اس کا علم عطا ہوا ہے تو گو یہ بات بھی بالکل باطل اور یقیناً بلا دلیل ہے مگر اس صورت میں اس کی تکفیر میں تامل ہو سکتا ہے اور بعض نے کیا بھی ہے لیکن جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ آپ ہر مجلسِ نکاح میں حاضر و ناظر ہیں اور آپ کو اس کا علم ہے تو اس کی تکفیر میں حضرات فقہاء کرامؒ کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اور اس جزوی طور پر حاضر ہونے اور کلی طور پر ہر ایک جگہ میں حاضر و ناظر ہونے میں زمین و آسمان کا فرق ہے فاین الثریٰ من الثریا۔ عرضِ اعمال کی حدیث کی مزید تشریح

"ازالۃ الریب" میں دیکھئے۔

پانچواں اعتراض: کہ حضرات فقہاء کرامؒ نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ذاتی طور پر عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہیں اور ہم لوگ تو عطائی طور پر آپ کو (بلکہ دیگر حضرات انبیاء عظام اور اولیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو) عالم الغیب اور حاضر و ناظر مانتے ہیں اور چونکہ عطائی طور پر ان صفات کے غیر اللہ میں تسلیم کرنے سے خاصہ خداوندی میں شرکت لازم نہیں آتی۔ (کیونکہ خداوند تعالیٰ کی جملہ صفات ذاتی ہیں) اسلئے یہ شرک نہیں ہے۔ (دیکھئے جاء الحق صفحہ ۱۲۸ ومقیاس حنفیت صفحہ ۲۷۰)

جواب: یہ اعتراض بھی یقیناً اور حتماً مردود ہے۔ اولاً اس لئے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (اور اسیطرح دیگر نفوس قدسیہ) کا اپنا وجود مسعود اور نبوت و رسالت وغیرہ وہبی اور عطائی ہے تو یہ تصور کہاں سے اور کیسے قائم کیا جاسکتا ہے کہ ان کی (علم سمع و بصر وغیرہ کی) کوئی صفت ذاتی بھی ہوسکتی ہے؟ کیونکہ جب موصوف عطائی ہے تو اسکی صفت کے ذاتی ہونے کا تصور کیا؟ جب اسکا احتمال ہی پیدا نہیں ہوسکتا تو اس میں ذاتی اور عطائی کا قصہ چھیڑنا ہی بیکار اور باطل ہے۔ وثانیاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر الٰہ اور خالق مانتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو (بلکہ دیگر بزرگوں کو بھی) عطائی طور پر الٰہ اور خالق تسلیم کرتا ہوں تو کیا ایسا شخص مسلمان رہے گا؟ اگر رہے گا تو کس دلیل سے؟ اگر وہ ہرگز مسلمان نہیں اور یقیناً نہیں تو فرمایئے کہ اس بیچارے نے خدا تعالیٰ کا ذاتی خاصہ آپ میں یا کسی دوسرے میں تو تسلیم نہیں کیا پھر وہ کافر کیسے ہوا؟ نیز اگر ایک شخص یہ کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو بالاستقلال اور تشریعی نبی ہیں مگر کوئی دوسرا شخص (جیسے مرزا غلام احمد قادیانی جو تیس کذابون وجالون کی مد میں ہے) بالتبع اور غیر تشریعی نبی ہوسکتا ہے اور اسی کی نبوت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فیض اور آپ کا ظل ہے تو کیا ایسا شخص مسلمان رہ سکتا ہے؟ اس شخص نے تو آپ کا خاصہ غیر میں تسلیم نہیں کیا پھر وہ کافر کیسے ہوگیا؟ وثالثاً خدا تعالیٰ کی صفات کے دو پہلو اور دو شقیں ہیں۔ ذاتی اور محیط (تفصیلی) اور ان میں سے کسی پہلو اور شق کو بھی غیر کے لئے ثابت کرنا قطعاً اور یقیناً شرک اور کفر ہے اور صورت مذکورہ میں ماننے والے گو عطائی مانتے ہیں مگر کلی اور محیط بھی تو تسلیم کرتے ہیں جو نصوص قطعیہ کے سراسر مخالف اور

بجائے خود شرک ہے۔ وثالثاً: مشرکین عرب بھی تو عطائی طور پر ہی اپنے الٰہوں اور معبودوں کیلئے یہ صفت تسلیم کرتے تھے مگر وہ مشرک اور کافر ہی قرار دیئے گئے پھر آج ایسا ہی دعویٰ کرنے والا کیونکر کفر سے بچ سکتا ہے؟ اس کی مزید تحقیق راقم الحروف کی کتاب "گلدستۂ توحید" اور "ازالۃ الریب" وغیرہ میں دیکھئے۔

چھٹا اعتراض: کہ حضرات فقہاء کرامؒ نے ایسے مدعی علم غیب کی تکفیر کی ہے جس کے پاس دلیل نہ ہو اور جو علم غیب مستند الی دلیل ہو تو وہ مالا دلیل علیہ کے تحت داخل نہیں ہے لہٰذا ایسا شخص کافر نہ ہوا۔

جواب: یہ اعتراض بھی خالص لچر اور بیہودہ ہے۔ اولاً اس لئے کہ حضرات فقہاء کرامؒ کی نظر بصیرت بڑی دور رس ہوتی ہے۔ وہ مسئلہ کے ہر پہلو پر غور کر کے اسکی جملہ شرائط اور قیود و حدود کو بیان کرکے اور ملحوظ رکھ کر فتویٰ صادر فرماتے ہیں اور اس مقام پر یہ قید یا شرط حضرات فقہاء کرامؒ نے بیان نہیں فرمائی۔ وثانیاً: ہر ایک مجلس نکاح میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر تسلیم کرنا یا یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کو اس کا علم ہے۔ یہ بھی تو وہی بات ہے جو مالا دلیل علیہ کا مصداق ہے اور اس پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں ہے۔ کیا قرآن کریم یا حدیث متواتر یا اجماع امت میں کوئی ایسی دلیل موجود ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ آپ ہر مجلس نکاح میں حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور ہر عقد نکاح کا آپ کو علم ہوتا ہے یا کم از کم خبر واحد صحیح ہی ہو جس سے ظن کا فائدہ ہو۔ اگر اس پر دلیل نہیں اور یقیناً نہیں تو معاملہ صاف ہے۔ اور اگر ہے تو اللہ بسم اللہ۔ لائیے ہم منتظر رہیں گے۔ دیدہ باید۔

فریق مخالف سے مطالبہ: ہم فریق مخالف کو دعوت فکر دیتے ہیں اور یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ مسلم حضرات فقہاء احناف کی دو شہادتیں (بلکہ ایک ہی شہادت اور حوالہ) پیش کرے کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر مجلس نکاح میں حاضر و ناظر تسلیم نہیں کرتا یا جو یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ آپ کو ہر مجلس نکاح کا علم نہیں ہے اور یا جو شخص یہ کہتا ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں یا آپ کو علم غیب کلی عطا نہیں ہوا تو وہ شخص کافر ہے۔ فریق مخالف کی پوری جماعت کو تا قیامت مہلت ہے اور ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا کر وہ یہ مطالبہ پورا کرے۔ ہے کوئی مرد میدان؟ دیدہ باید۔ مفتی احمد یار خان صاحب نے جب

دیکھ نہ سکا تو گلو خلاصی کرنے کی یہ تجویز کی کہ در مختار ج ۳ باب المرتدین بحث کرامات اولیاء میں ہے۔
یا حاضر یا ناظر لیس بکفر۔ " اے حاضر۔ اے ناظر کہنا کفر نہیں ہے"۔ (جاء الحق ص ۱۳۱) مگر مفتی صاحب نے
اس پر مطلقاً غور نہ کیا کہ نزاع لفظ حاضر و ناظر میں نہیں ہے بلکہ اس کے مفہوم اور معنی میں ہے۔ اشتراک
لفظی سے مسائل اخذ کرنا مفتی احمد یار خان صاحب ہی کو زیبا ہے۔ مفتی صاحب ہی فرمائیں کہ کیا انسان کو
سمیع اور بصیر کہنا کفر ہے؟ یہی کہیں گے کہ ہرگز نہیں۔ اس لئے کہ قرآن کریم میں انسان کے لئے یہ صفت
آئی ہے۔ انسان کی خلقت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:۔

فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا (پ ۲۹ دھر) — ہم نے انسان کو سمیع اور بصیر بنایا۔

ہاں اگر اس سے مراد یہ لی جائے کہ انسان ہر چیز کو دیکھتا اور سنتا ہے تو یہ نہ صرف ناجائز ہوگا،
بلکہ کفر ہوگا تو اختلاف استعمال لفظ میں نہ رہا مفہوم اور معنی میں ہوا۔ اسی طرح حفیظ و علیم۔ رب
اور مالک وغیرہ کے الفاظ انسان پر اطلاق کئے گئے ہیں اور اس معنی میں انسان پر یہ الفاظ اطلاق کرنے
ناجائز نہیں ہیں لیکن اگر ان الفاظ کو وہ معنی اور مفہوم دیا جائے جو خدا تعالیٰ کے مناسب شان ہے تو
یقیناً باطل ہوگا یا جیسے لفظ رسول کا اطلاق لغوی اعتبار سے غیر نبی پر بھی ہوا ہے مسیلمہ کذاب کے دو قاصدوں
پر رسولا مسیلمۃ کا اطلاق ہوا ہے مگر کیا شرعی رسول کا مفہوم کسی اور میں پایا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ مفتی
صاحب کو سمجھ عطا فرمائے۔ گو وہ مفتی صاحب تو ہیں مگر ع

نہ ہر کہ موئے بر افروخت دلبری داند

مفتی صاحب نے تو یہ کہا مگر مولوی سید احمد صاحب کاظمی لکھتے ہیں کہ شامی ج ۳ ص ۲۳۰ ویا حاضر
و ناظر لیس بکفر۔ صاحب در مختار فرماتے ہیں کہ اللہ تعالے کو یا حاضر و ناظر کہنا کفر نہیں۔ اس پر
علامہ شامیؒ رقمطراز ہیں:۔

قوله لیس بکفر فان الحضور بمعنی العلم شائع الیٰ قوله والنظر بمعنی الرؤیۃ — کہ حضور علم کے معنی میں عام طور پر مستعمل ہے اور نظر رؤیت کے معنی میں مستعمل ہے اور رؤیت اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے۔

(ملفوظہ الملتقط حاشیہ تسکین الخواطر ص ۵)

اس عبارت کا مفاد ہی کچھ اور ہے جو مفتی صاحب کے مطلب کے برعکس ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل بدعت کو سمجھ عطا فرمائے۔

نوٹ:۔ کسی شیعہ یا نیم شیعہ کا کوئی قول اور حوالہ یا مولوی احمد رضا خان صاحب اور ان کے متوسلین اور اتباع و اذناب میں سے کسی کو حنفی تصور کر کے ان کا کوئی حوالہ پیش کرنا اپنی جماعت کے ناخواندہ عوام اور سادہ لوح حضرات کی قلبی تسکین کا سامان تو شاید ہو سکے مگر اہلِ علم اور سمجھ دار انسان کے نزدیک ایسے حوالے پرکاہ کا وزن بھی نہیں رکھتے۔ لہٰذا فریقِ مخالف سے التماس ہے کہ یا تو وہ اس غلط عقیدہ کا زبان سے اظہار ہی نہ کرے یا دلیل لائے۔ ورنہ تسلیم کرے کہ

اس چمن میں پیرو بلبل ہو یا تلمیذِ گل یا سراپا نالہ بن جا یا نوا پیدا نہ کر

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خوب ارشاد فرمایا ہے کہ تم ہو بہو یہود اور نصاریٰ کے نقشِ قدم پر چلو گے (او کما قال متفق علیہ) عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ اے میرے یسوع میں ایمان رکھتا ہوں کہ تو ہر جگہ حاضر موجود ہے۔ (کیتھولک عبادت کی کتاب ص۳۶) اس کی تشریح میں پادری عماد الدین صاحب لکھتے ہیں یعنی یسوع ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ (تفتیش الاولیا ص۲۱ از پادری مذکور) عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو مجلس حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام پر منعقد کی گئی ہو، وہاں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام حاضر ہوتے ہیں۔ (حضرت یسوع فرماتے ہیں) کیونکہ جہاں دو یا تین میرے نام پر اکٹھے ہیں وہاں میں اُن کے بیچ میں ہوں۔ (انجیل متی باب ۱۸، آیت ۲۰) اور یہی بعض جاہل کلمہ گو مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جہاں آپ کا ذکر پاک یا نام مبارک لیا جاتا یا مجلس میلاد اور محفل ولادت ہوتی ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوتے ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔ کیا کسر باقی رہ جاتی ہے ایسے برائے نام محمدی اور عیسائی میں۔ ؎

تا کس نگوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

یہاں تک جو بحث ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر نہ ہونے کی تھی اب آپ حضرات فقہاء احناف ہی کی زبانی حضرات اولیاء کرام سے متعلق بھی بعض حوالجات سُن لیجئے

تاکہ مسئلہ زیر بحث کا یہ پہلو بھی تشنہ نہ رہے۔ علامہ فہامہ ابن نجیم لکھتے ہیں کہ

قال علمائنا من قال ارواح المشائخ حاضرة تعلم یکفر۔ (بحر الرائق ج ۵ ص ۱۲۴)

ہمارے حضرات علماء احناف نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی رُوحیں حاضر ہیں اور وہ جانتی ہیں تو ایسا شخص کافر ہے۔

اور اسی سے ملتی جلتی عبارت فقہ حنفی کی دیگر معتبر اور مُستند کتابوں میں مذکور ہے۔

حضرات آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ ہمارے اکابر حضرات علماء احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم اجمعین کا یہ بنیادی عقیدہ چلا آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے بڑھ کر علوم و معارف، وقائق و اسرار، گزشتہ اور آئندہ سے متعلق بے شمار غیب کی خبریں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائی ہیں جسے کہ نہ تو کوئی نبی مرسل ان علوم میں آپ کا نظیر ہو سکتا ہے اور نہ کوئی فرشتہ مقرب) یہ فرماتے ہیں کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا اور عِلْمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَةِ اور جَمِیْعَ مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا عالم ہونا صرف ذاتِ خداوندی کا خاصہ ہے اور یہ عقیدہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق بھی رکھنا خالص کفر ہے بدیگراں چہ رسد۔ حالانکہ نہ تو آپ کی مانند آج تک کوئی پیدا ہوا نہ ہوگا۔ کیا خوب کہا گیا ہے کہ ؎

رُخِ مصطفٰے ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ

نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دکانِ آئینہ ساز میں

فتاوی مسعودی ص ۵۲۹ مولانا مفتی محمد مسعود شاہ صاحب نقشبندی دہلوی (مرتب بریلوی المسلک پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب جس پر نظر ثانی مولوی عبد الحکیم شرف قادری بریلوی و مولوی محمد منشا تابش قصوری بریلوی نے کی) میں ایک سوال کے جواب میں ہے "الجواب واضح ہو کہ یا رسول اللہ کہنا وقت سونے اور نشست و برخاست وغیرہ کے وقت ممنوع ہے اور بہ نیت حاضر و ناظر کہنا موجب شرک کا ہے یہ ہر دو صفت بالذات خاص واسطے خدا کے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ یہ صفت حضوری کی بندے میں نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں دوسرے کو شریک کرنا شرک ہے۔ الخ

چوتھا باب

اِس باب میں فریقِ مخالف کی طرف سے پیش کردہ نقلی اور عقلی استدلالات کے جوابات عرض کئے جاتے ہیں۔ قارئین کرام سے مخلصانہ استدعا ہے کہ وہ متانت اور سنجیدگی کے ساتھ ٹھنڈے دِل سے اس بحث پر غور اور بحث کریں تاکہ آپ کو فریقِ مخالف کے مغالطات یا بزعمِ خود استدلالات کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے۔

فریقِ مخالف کا پہلا اِستدلال اور اُس کا پسِ منظر

مخالفین نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے پر لفظ شاہد اور شہید سے استدلال کیا ہے۔ ذیل کی آیات پر ایک نگاہ ڈالئے پھر فریقِ مخالف کے استدلال کی تشریح سنئے۔

(۱) سورۂ مزمّل میں ارشادِ ربانی یوں ہے :-

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ؕ مزمل رکوع ۱

ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول گواہی دینے والا تمہارے اُوپر جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا۔

(۲) سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے :-

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ پ ۲ - بقرہ - رکوع ۱

اسی طرح کیا ہم نے تم کو اُمّت بہتر تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا۔

(۳) سورۂ احزاب میں ارشادِ ربانی یوں ہے :-

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ؕ پ ۲۲ - احزاب رکوع ۶

اے نبی ہم نے تجھ کو بھیجا ہے گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا۔

(۴) سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے :-

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا۔

(پ۵۔ نساء۔ رکوع ۶)

پھر کیا حال ہوگا جب بلائیں گے ہم ہر اُمت میں سے گواہی دینے والا اور بلائیں گے تجھ کو اُن لوگوں پر گواہی دینے والا۔

(۵) سورۂ حج میں یوں ارشاد ہوتا ہے :-

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔ (پ۱۷۔ حج۔ رکوع ۱۰)

تاکہ رسول ہو گواہی دینے والا تمہارے اوپر اور تم ہو گواہی دینے والے لوگوں پر۔

یہ آیات کریمات آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اب فریق مخالف کا ان سے استدلال اور احتجاج بھی ملاحظہ فرمائیے۔ مخالفین کہتے ہیں کہ ان آیات میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت شاہد اور شہید بیان کی گئی ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت پر گواہی دیں گے۔ اگر آپ ہر ہر اُمتی کے حال سے واقف اور آگاہ نہیں اور اگر آپ ہر ہر جگہ حاضر و ناظر اور عالم جمیع ماکان و مایکون (یعنی ہر ہر چیز کے جاننے والے کہ جو چیزیں دُنیا میں پہلے پیدا اور ظاہر ہو چکی ہیں اور جو آئندہ ہوں گی) نہیں تو آپ گواہ کیسے بنے؟ جب آپ گواہ ٹھہرے تو حاضر و ناظر ہو گئے غیب پر مطلع ہو گئے۔ (دیکھئے جاء الحق ص ۱۳۲ وغیرہ)۔

جواب :- اس سے قبل کہ ہم استدلال کے تحقیقی اور الزامی جوابات عرض کریں، ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند بنیادی اور اصولی باتیں عرض کر دیں تاکہ معاملہ آسانی سے سمجھ میں آسکے۔

(۱) قرآن کریم آسمان دُنیا سے ایک ہی دفعہ نازل نہیں ہوا بلکہ ضرورت اور مصلحت کے مطابق تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا ہے۔ مکہ مکرمہ (یعنی غار حرا) میں اس کے نزول کی ابتداء ہوئی اور پھر ہوتے ہوتے آپ کے پورے زمانۂ نبوت (یعنی تیئیس ۲۳ برس) میں یہ مکمل ہوا۔ اس میں نہ تو اختلاف ہے اور نہ اختلاف کی گنجائش۔

(۲) قرآن کریم کی موجودہ ترتیب نزول کی ترتیب نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم کی سب سے پہلے جو

آیات نازل ہوئی ہیں۔ وہ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الخ الآیات ہیں۔ حالانکہ یہ آیات جس سورت میں مذکور ہیں وہ سورت قرآن کے آخری پارے میں ہے اور سب سے آخر میں جو سورت نازل ہوئی ہے وہ سورۂ توبہ ہے جو تقریباً دسویں پارے کے انصف سے شروع ہو کر گیارھویں پارے میں ختم ہوتی ہے۔

(۳) قرآن کریم کی جو سورتیں مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی ہیں۔ ان کی ترتیب یہ ہے۔ سورۂ بقرہ، انفال، آل عمران، احزاب، ممتحنہ، نساء، اذا زلزلت، حدید، قتال، رعد، رحمٰن، طلاق، لم یکن، حشر، اذا جاء نصر اللہ، نور، حج، منافقون، مجادلہ، حجرات، تحریم، جمعہ، تغابن، صف، فتح، مائدہ، اور سورۂ توبہ علی الترتیب نازل ہوئی ہیں۔ بحوالہ تفسیر اتقان علامہ جلال الدین سیوطیؒ (ج ۱ ص۱۱ اردو)۔

(۴) اس بحث کے ساتھ ایک کڑی یہ بھی ملا لیجئے کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں جو سورت نازل ہوئی ہے وہ سورۂ توبہ ہے۔ چنانچہ بخاری ج ۲ ص ۶۲۶ اور مسلم ج ۲ ص ۳۵ میں حضرت براءؓ بن عازبؓ سے اور مستدرک ج ۲ ص ۲۲ میں (جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں) حضرت عثمانؓ بن عفان سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ :-

اخر سورة انزلت تامة سورة التوبة — یعنی سب سے آخر میں قرآن کریم کی جو مکمل سورت نازل ہوئی ہے وہ سورۂ توبہ ہے۔

(واللفظ لمسلم ج ۲ ص ۳۵)

لیکن اس کی صرف دو آیتیں۔ وَمَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ۔ الآیتین مکی ہیں۔ (تفسیر اتقان ج ۱ ص ۱۳) اور دو باتیں ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر قرآن کریم کی کسی آیت کا ایسا مطلب بیان کیا جائے، جس کی تردید دوسری آیات اور خصوصاً بعد کو نازل ہونے والی سورتوں اور آیتوں سے ثابت ہو تو ایسا مطلب اور معنی یقیناً مردود ہوگا اور دوسری یہ کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بسند صحیح کسی آیت کی تفسیر مروی ہو اور اس کے مقابلہ میں کسی مفسر کی ذاتی رائے ہو تو اس رائے کی اصول شرعیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے کوئی مناسب تاویل کرلی جائے گی، جس سے وہ تفسیر قرآن کریم اور حدیث شریف کے مخالف نہ ہو اور اگر تاویل نہ ہوسکے تو وہ اس کا مصداق ہوگی کہ ؎ اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

قارئین کرام! اس اصولی بحث کے بعد گہری نظر سے امور ذیل پر نگاہ جمائیے۔ سورۂ مزمل مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھی جس میں شاہد کا لفظ موجود ہے۔ اور سورۂ بقرہ، سورۂ احزاب، نساء، حج، اگرچہ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی تھیں لیکن سورۂ منافقون، تحریم اور توبہ وغیرہ مذکورہ بالا سورتوں کے بعد نازل ہوئی ہیں۔ اگر شاہد اور شہید سے مراد وہی ہو، جیسا کہ فریقِ مخالف کا بے بنیاد دعویٰ ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا، تو جو سورتیں ان سورتوں کے (جن میں شاہد اور شہید کے الفاظ موجود ہیں) بعد میں نازل ہوئی ہیں، وہ اس دعویٰ کی تردید کیوں کرتی ہیں؟ اور آپ پوری تفصیل سے پڑھیں گے کہ ان سورتوں کے بعد نازل ہونے والی سورتیں اس دعویٰ کی صراحت سے تردید کرتی ہیں۔ چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اسکا کلام ہے اس میں تعارض اور اختلاف کا وجود تو کیا احتمال بھی پیدا نہیں ہو سکتا اس لئے فریقِ مخالف کے اس دعویٰ کو تسلیم کر لینے سے قرآن کریم کی سورتوں کا آپس میں اختلاف اور تعارض پیدا ہو جاتا ہے لہٰذا ایسا مطلب قطعاً قرآن کریم کا نہیں ہو سکتا اور یقیناً ایسا معنی اور مطلب ایجاد بندہ ہوگا جو مردود اور باطل ہے۔ اب آپ ملاحظہ فرمائیے کہ تعارض کس طرح لازم آتا ہے اور اختلاف کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

سورۂ منافقون جو سورۂ مزمل، بقرہ، احزاب، نساء، حج کے بعد نازل ہوئی ہے جن میں شاہد اور شہید کا لفظ موجود ہے۔ جس سے مخالفین اپنی گاڑی چلاتے ہیں۔ اس کا شانِ نزول بخاری ج ۲ صفحہ ۷۲۷ اور مستدرک ج ۲ صفحہ ۴۸۹ میں یہ آتا ہے کہ حضرت زیدؓ بن ارقم نے فرمایا ہے کہ ہم ایک غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ شریک تھے (یہ غزوہ حضرت امام نسائیؒ وغیرہ کی تصریح سے غزوہ تبوک تھا اور حضرت جابرؓ فرماتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غزوات میں سب سے آخری یہی غزوہ تبوک تھا مستدرک ج ۲ صفحہ ۵۹۹)۔ اثناءِ سفر میں میں نے عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کو راستہ میں یہ کہتے سنا کہ جب ہم مدینہ کو واپس چلے جائیں گے تو ہم ان کمینوں (یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرامؓ العیاذ باللہ تعالیٰ) کو مدینہ سے ذلیل اور خوار کر کے نکال دیں گے۔ یہیں خواہ مخواہ ہر طرف کشاں کشاں لئے لئے پھرتے ہیں۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا کو یہ واقعہ سنا دیا، انہوں

نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہہ دیا۔ چنانچہ آپ نے مجھے بلوایا۔ میں نے سارا قصہ سُنا دیا۔ آپ نے رئیس المنافقین کو طلب کیا۔ وہ آیا۔ آپ نے سوال کیا۔ کیا تم نے یہ باتیں کی ہیں؟ اس نے قسم اور حلف اُٹھا کر کہا۔ "خدا کی قسم میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔ حضرت آپ خود سوچئے کہ میں بھلا ایسی باتیں کہہ سکتا ہوں؟ آپ کا خاکِ پا اور اس قسم کی باتیں؟ توبہ توبہ۔ ع

یہ ساری بیچ والوں کی شرارت ہے۔

اس کے بعد حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم کے الفاظ بھی سُن لیجئے:-

فکذبنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصدقہ فاصابنی ھم لم یصبنی مثلہ قط۔ (بخاری)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور عبد اللہ بن اُبی کو سچا تسلیم کر لیا اس پر مجھے اتنی پریشانی اور غم لاحق ہوا جو زندگی بھر کبھی لاحق نہیں ہوا تھا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے چچا نے مجھے ملامت کیا۔ میں اتنا شرمندہ ہوا کہ گھر سے باہر نکلنے کی تاب بھی اپنے اندر محسوس نہ کر سکتا تھا۔ اس کے بعد قرآنِ کریم کی پوری سورت نازل ہوئی اور اس میں منافقوں کی جھوٹی قسموں پر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو مطلع کیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ارقم کو بلا کر فرمایا۔ تم سچے ہو اور منافقین جھوٹے ہیں اور فرمایا:-

ان اللہ قد صدقک یا زید رضی اللہ عنہ

اے زید رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے سچا قرار دیا ہے۔

اور قرآنِ کریم کے بعض الفاظ بھی ملاحظہ فرما لیجئے:-

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ اِتَّخَذُوْٓا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً الآیۃ (پ ۲۸۔ منافقون۔ رکوع ۱)

جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک اللہ کے رسول ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین جھوٹے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنی قسموں کو ڈھال اور سپر بنا رکھا ہے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوتے تو آپ یقیناً عبد اللہ بن اُبی رئیس المنافقین کی بے سروپا باتیں سُن لیتے کیونکہ مخالفین کے قول کے مطابق آپ ہر جگہ حاضر و ناظر تھے۔ شاہد اور شہید تھے پھر

نہ معلوم خدا کے پیغمبر نے ایک سچے کو جھوٹا کیوں کہا اور جھوٹے منافق کو کیوں سچا قرار دیا؟ کیا حضرت محمد رسول اللہ تعالیٰ صلے اللہ علیہ وسلم بھی دیدہ و دانستہ حاضر و ناظر اور عالم جمیع ما کان و ما یکون ہونے کے باوجود سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا قرار دیا کرتے تھے؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) ذرا ان بڑے نام عاشقانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جواب تو ارشاد فرمانا چاہیئے۔ بینوا توجروا۔

مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن اُبی کی تصدیق فرما دینے سے لازم نہیں آتا کہ آپ کو اصل واقعہ کا علم بھی نہ ہو۔ شرعاً مقدمہ میں ضروری ہے کہ یا تو مدعی گواہ پیش کرے ورنہ مدعیٰ علیہ قسم کھا کر مقدمہ جیت لے گا کیونکہ قاضی کا فیصلہ مدعی کی گواہی یا مدعیٰ علیہ کی قسم پر ہوتا ہے نہ کہ قاضی کے ذاتی علم پر الخ (جاء الحق ص۱۵۵) مگر یہ جواب سراسر مردود ہے اسلئے کہ بے شک قاضی بلا شہادت یا حلف فیصلہ نہیں کر سکتا مگر اس کو شرعاً یہ بھی تو حق حاصل نہیں کہ ذاتی علم کے ہوتے ہوئے وہ جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا قرار دے اور پھر اس سے ناراض بھی ہو جائے۔ بخاری ج۲ ص۷۲۷ ہی میں یہ روایت مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت زیدؓ کو جھوٹا تصور فرمایا اور ان سے ناراض بھی ہو گئے۔ یہ کیا عجیب منطق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رفیع اور بلند ذات کی طرف یہ بات منسوب کی جائے کہ آپ نے عمداً سچے کو جھوٹا اور جھوٹے کو سچا قرار دیا! (العیاذ باللہ تعالیٰ) پھر مفتی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ کذبنی کے معنی ہیں کہ میری بات نہ مانی۔ یہ معنی نہیں کہ مجھ کو جھوٹا فرمایا، کیونکہ جھوٹا فاسق ہوتا ہے اور تمام صحابہؓ عادل ہیں۔ (جاء الحق ص۱۵۶) تو یہ بھی باطل ہے۔ اولاً اس لئے کہ کذبنی کا یہ معنی کہ میری بات نہ مانی، خالص ایجاد بندہ ہے۔ اسکا لغوی معنیٰ ہی یہ ہے کہ مجھے جھوٹا قرار دیا۔ وثانیاً اگر مفتی صاحب کا یہ معنی صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ آپ نے حضرت زیدؓ کی بات باوجود انکے سچا ہونے کے کیوں نہ مانی؟ وثالثاً بیشک حضرات صحابہ کرامؓ عادل ہیں مگر اپنے معلومات کی بنا پر کسی کی تکذیب کرنے سے اس کا نفس الامر میں جھوٹا ہونا لازم نہیں آتا۔ چونکہ حضرت زیدؓ نفس الامر میں سچے تھے۔ اسلئے اللہ تعالیٰ نے انکی تصدیق نازل فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے مبارک کی غلطی ظاہر فرما دی۔

اس سابق بحث کے پیشِ نظر یہ عرض کرنا ہے کہ اگر لفظ شاہد اور شہید سے وہی مراد ہوتی جس کو مخالفین بیان کرتے ہیں یعنی حاضر و ناظر تو جن سورتوں میں اس صفت کا ذکر ہے ان سب سے سورۂ منافقین بعد کو نازل ہوئی ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے حاضر و ناظر ہونے کی تردید ہوتی ہے اور یہ محال ہے کہ قرآن کریم کی کوئی ایک آیت دوسری آیت کی اور ایک سورت دوسری سورت کی تردید کرے اور اس کی سورتوں کا اس طرح آپس میں اختلاف اور تعارض واقع ہو حاشا وکلا۔ لہٰذا شاہد اور شہید سے حاضر و ناظر کا مراد لینا قرآن کریم کے سراسر خلاف ہے اور سنیئے سورۂ تحریم کا شانِ نزول صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۲۹ اور مسلم ج ۱ ص ۴۷۹ وغیرہ میں اسطرح بیان ہوا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ام المومنین حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آگیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے خلافِ معمول حضرت زینبؓ کے پاس شہد نوش کرنے کے سلسلہ میں دیر ہو جایا کرتی تھی۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کو مقتضائے بشریت یہ چیز ناگوار گزری کہ آپ زیادہ وقت کسی اور کے پاس ٹھہریں۔ آپس میں خفیہ میٹنگ اور مشورہ کیا کہ کسی حیلہ و بہانہ سے آپ کا حضرت زینبؓ کے پاس کثرت سے آنا جانا بند کر دیں۔ سوچا کہ اگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم حضرت عائشہؓ کے پاس آئے تو وہ کہدے کہ آپ سے مغافیر (عرب میں ایک قسم کی گوندہے) کی بُو آتی ہے اور اگر آپ حضرت حفصہؓ کے پاس آئیں تو وہ یہ بات کہدے۔ سازش مکمل ہوگئی۔ اور آپ جب تشریف لائے تو یہ بات کہہ دی گئی آپ نے فرمایا میں نے اور تو کوئی چیز کھائی نہیں البتہ زینبؓ کے ہاں شہد کھاتا رہا۔ اب میرے لئے حرام ہے کہ میں شہد استعمال کروں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک خاص لہجہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو تنبیہ فرمائی اور جھڑکا اور فرمایا کہ آپ کفارہ ادا کر کے حلال چیز کو استعمال کیجئے۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ قرآن کریم کے بعض الفاظ ملاحظہ کیجئے:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ الآیة (پ ۲۸ تحریم ع ۱)

اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے جو حلال کیا اللہ تعالیٰ نے تجھ پر، تو چاہتا ہے رضامندی اپنی عورتوں کی۔

اس مفصل بحث کو بھی پیشِ نظر رکھیئے اور مفتی احمد یار خان صاحب کے اس معصومانہ جواب کو بھی

دیکھئے کہ یہ حرام فرمانا آپ کی بے خبری سے نہیں بلکہ ان معترض ازواج کی رضا کے لئے ہے۔ (جاءالحق صفحہ ۱۲۴)۔
سبحان اللہ تعالیٰ۔ یہ ہے مفتیانہ جواب۔ اس واقعہ کے ساتھ اسی سورۃ کا ایک اور واقعہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔

واقعہ یوں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات میں سے کسی ایک سے کوئی بات ذکر کی اور فرمایا کہ یہ کسی کو نہ بتلانا۔ انھوں نے غلطی یہ کی کہ آپ کے راز کی بات بتلا دی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے آگاہ کر دیا۔ وہ فرمانے لگیں آپ کو یہ معاملہ کس نے بتلایا ہے کہ میں نے یہ بات ظاہر کر دی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس اللہ نے خبر دی ہے جو علیم اور خبیر ہے۔ قرآن کریم کے بعض الفاظ بھی دیکھ لیجئے:۔

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَن بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ
(پ۲۸۔ تحریم۔ رکوع ۱)

اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی بی بی سے کوئی بات[1] پھر جب اس نے خبر کر دی اس کی اور اللہ نے جتا دیا نبی کو تو نبی نے اس میں سے کچھ اسکو جتا دی اور کوئی حصہ بیان نہ کیا۔ پھر جب نبی نے اپنی بی بی کو یہ قصہ سنایا تو وہ کہنے لگی، آپ کو کس نے بتایا؟ نبی نے کہا، مجھے اللہ علیم اور خبردار نے آگاہ کر دیا ہے۔

پہلے واقعہ (یا حصہ) سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گھر (یعنی حضرات ازواج مطہراتؓ) کا بھی یہ عقیدہ نہ تھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہوتے ہیں کیونکہ ان کا اگر یہ عقیدہ ہوتا کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو اس خفیہ سازش اور خفیہ میٹنگ کا کیا معنیٰ اور

---

[1] اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا جیسا کہ پہلے وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ الآیۃ سے معلوم ہو چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قول اور ارشاد پر لفظ حدیث، قرآن کریم میں اطلاق ہوا ہے اس لئے منکرین حدیث کا یہ دعویٰ کہ حدیث صرف قرآن ہی ہے باطل ہے کیونکہ لفظ حدیث گو لغوی طور پر قرآن کریم پر بھی اطلاق ہوا ہے مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان اور ارشاد پر بھی قرآن کریم میں یہ لفظ بولا گیا ہے۔

مطلب تھا، ورنہ جیسے آپ کی موجودگی میں اور آپ کے سامنے مشورہ کرنے کی انھوں نے جرأت نہیں کی پسِ پشت اور غائبانہ بھی ان لطائف الحیل کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ اسی طرح دوسرا واقعہ تو نصِ قطعی ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا ہرگز یہ عقیدہ نہ تھا کہ آپ ہر جگہ موجود اور حاضر وناظر ہیں اور آپ ہر بات بنفسِ نفیس سن لیتے ہیں۔ جیساکہ آجکل بریلوی دوستوں کا خیال ہے۔ اگر حضرات ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا یہ عقیدہ ہوتا تو آپ کی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا کے اس سوال کا کیا معنیٰ ہے؟ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هٰذَا۔ یعنی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ آپ کو کس نے یہ اطلاع دی ہے؟ اور اس کے جواب میں آپ یہ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے اگر لفظ شاہد اور شہید کا وہی معنیٰ ہوتا جو فریق مخالف کا ایجاد کردہ ہے یعنی حاضر و ناظر، تو حضرات ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو (جن کو خصوصیت سے اللہ تعالےٰ کا یہ حکم ہو چکا ہے کہ:۔

وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ (پ ۲۲۔ احزاب ع ۱)

اور یاد کرو جو پڑھی جاتی ہیں تمھارے گھروں میں اللہ کی آیتیں)۔

ضرور معلوم ہونا چاہیے تھا کہ جب قرآنِ کریم میں آپ کی صفت شاہد اور شہید (یعنی بقول مخالفین حاضر وناظر) بھی ہے تو آپ سے کون سی بات مخفی رہ سکتی ہے؟ اور پھر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی یہ نہ بتلایا کہ تمھیں معلوم نہیں کہ میں تو شاہد اور شہید یعنی حاضر وناظر ہوں۔ ہر بات تو خود سن لیتا ہوں اور ہر مجلس میں خود موجود ہوا کرتا ہوں۔ پھر تمھاری نجی باتیں اور خفیہ مجلسیں مجھ سے کیسے اور کیونکر مخفی رہ سکتی ہیں؟ اور پھر مزید لطف کی بات یہ ہے کہ نہ صرف یہ کہ آپ حضرات ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے اس عقیدہ پر (کہ آپ حاضر وناظر نہیں) خاموش ہی رہتے ہیں بلکہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ مجھے تمھارے اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے خبردار کر دیا ہے۔

یہ سورت ان تمام سورتوں کے بعد نازل ہوئی ہے جن میں شاہد اور شہید کا لفظ اور صفت موجود ہے اگر شاہد اور شہید سے مراد حاضر وناظر ہوتی تو محال ہے کہ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں اور واقعات سے اس معنیٰ اور مطلب کی تردید ہوتی۔

اس واقعہ سے آپ کے جمیع مَا کَانَ وَمَا یَکُون کے عالم اور مختارِ کل ہونے کی بھی صاف نفی ہو گئی

ہے کیونکہ اگر آپ کو یہ اختیار دیا جا چکا ہوتا کہ آپ جو چاہیں حلال کر دیں اور جو چاہیں حرام کر دیں تو اللہ تعالےٰ نے آپ کو کیوں ایک خاص لہجہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ تم نے کیوں وہ چیز حرام کر دی جو اللہ تعالےٰ نے آپ کے لئے حلال کی تھی مگر افسوس کہ مخالفین کو اس سے کیا تعلق کہ ہمارے اس عقیدہ کی رو سے قرآن کریم، صحیح احادیث اور حضرات صحابہ کرامؓ اور خصوصاً حضرات ازواج مطہراتؓ سے متعلق کیا نظریہ قائم ہوتا ہے اور ان کی طرف کس چیز کی نسبت لازم آتی ہے؟ مگر اہل بدعت کو اس سے کیا لگاؤ؟ ان حضرات کے مقام کو تو بلند نگاہ والا ہی سمجھ سکتا ہے سے

خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا　　وہی ہے مملکتِ صبح و شام سے آگاہ

قرآن کریم میں منافقین کی ایک گہری سازش کا ذکر آیا ہے اور تقریباً ڈیڑھ رکوع میں اللہ تعالےٰ نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے جس کا شانِ نزول ترمذی ج ۲ ص ۱۲۸ اور مستدرک ج ۴ ص ۳۸۵ میں مذکور ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت قتادہؓ راوی حدیث کے چچا حضرت رفاعہؓ کے گھر بشیر نامی ایک منافق نے نقب لگا کر چوری کی جو سامان چرایا گیا تھا اس میں کچھ کھانے کا سامان (میدہ وغیرہ) اور کچھ ہتھیار تھے تفتیش اور تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ چوری بنو ابیرق کے گھرانے نے ہی کی ہے جس میں بشیر اُس کا سرغنہ ہے۔ حضرت رفاعہؓ نے اپنے نوجوان اور قابل بھتیجے حضرت قتادہؓ کو اپنا شوکل بنا کر اس معاملہ کو لے کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہونے کا حکم دیا۔ وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا ماجرا آپ کو سُنا دیا اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دیا کہ حضرت اگر ہمیں ہمارے ہتھیار ہی واپس مل جائیں تب بھی ہمارے لئے غنیمت ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے توجہ فرمانے کا وعدہ فرما لیا۔ جب چور کو اس کا پتہ چلا تو اُس نے اپنے ساتھیوں سے مل کر یہ سازش کی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی برأت کا اظہار کریں۔ چنانچہ اس پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان منافقوں کو سچا سمجھ لیا اور حضرت قتادہؓ کو جھوٹا سمجھ کر سخت لہجہ میں جھڑکا اور ارشاد فرمایا۔ قتادہ! تم نے بغیر کسی گواہ اور ثبوت کے قصداً ایک ایسے گھرانے پر چوری کی تہمت لگائی ہے جن کو مسلمان اور نیک بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت قتادہؓ ہی کا بیان ہے کہ میں یہ فیصلہ سن کر سخت کبیدہ خاطر ہوا اور واپس آگیا اور میں نے کہا کاش! میں

آپ کو اس معاملہ سے مطلع ہی نہ کرتا۔ قرآن کریم کی متعدد آیات نازل ہوئیں اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حقیقت حال سے آگاہ کیا گیا اور آپ کو کماحقہٗ تحقیق نہ کرنے پر استغفار کرنے کا حکم ہوا اور منافقوں کو ملامت کیا گیا۔ آپ اس واقعہ کی حقیقت قرآن کریم کے بعض الفاظ سے ملاحظہ کیجئے :-

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ ۚ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ۝ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (الآیات)

(پ ۵۔ نساء۔ رکوع ۱۶)

بے شک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی کہ تو انصاف کرے لوگوں میں جو کچھ سمجھائے تجھ کو اللہ اور تو مت ہو دغابازوں کی طرف سے جھگڑا کرنے والا اور معافی مانگ اللہ سے، بے شک اللہ تعالیٰ معافی دینے والا، مہربان ہے اور مت جھگڑ ان کی طرف سے جو اپنے دل میں دغا رکھتے ہیں۔

چنانچہ اس وحی کے نزول پر آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چوری کا وہ مال حضرت رفاعہؓ کو دلوا دیا۔ اسی واقعہ سے متعلق اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۚ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝ (پ ۵۔ نساء۔ رکوع ۱۶)

اور اللہ تعالےٰ نے آپ کو وہ واقعہ بتلایا جس کا آپ کو علم نہ تھا اور آپ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہوا ہے

اگر اللہ تعالیٰ اس واقعہ سے آپ کو اطلاع نہ دیتا تو آئندہ کے لئے بھی منافقوں میں مخلص اور مفلس مسلمانوں کے مال ہتھیانے کی ہمت اور جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دغا اور فریب کرنے کی جرأت بڑھ جاتی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوتے تو آپ نے یقیناً منافق کو چوری کرتے دیکھا ہوتا اور منافقین کی آپس میں دغابازی اور جعلسازی کی تمام باتیں سُنی اور مشاہدہ کی ہوتیں۔ پھر آپ نے کیوں صاحب حق اور سچے صحابی کو نہ صرف یہ کہ حق ہی نہ دلوایا بلکہ ڈانٹ ڈپٹ بھی کی اور منافقین کو سچا تصور فرمایا اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے آپ کو معافی مانگنی پڑی۔ کیا آپ نے دیدہ دانستہ صاحب حق کو جھڑکا اور جائز حق سے محروم رکھا؟ (العیاذ باللہ تعالےٰ) کچھ تو فرمایئے کیا یہی عشق رسول ہے؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

کیے لاکھوں ستم اس پیار میں بھی آپ نے ہم پر
خدا معلوم جب تم خشمگیں ہوتے تو کیا کرتے

اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کو جمیع ما کان وما یکون کا علم بھی حاصل نہ تھا اور نہ آپ مختارِ کل تھے کہ جو چاہتے سو کرتے۔ بلکہ آپ پر موقع بہ موقع اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام نازل ہوتے رہتے تھے۔ اگر ہم اس روایت مندرجہ بالا کو شانِ نزول میں تسلیم نہ بھی کریں، تب بھی قرآن کریم کے الفاظ، عبارت، سیاق اور سباق ہی خود اس پر دال ہے کہ معاملہ کوئی ایسا ضرور پیش آیا تھا جس میں آپ نظر بظاہر منافقوں کی طرفداری کر گئے تھے۔ اور جب اصل واقعہ سے آپ کو آگاہ کیا گیا تو آپ کو باذنِ خداوندی معافی بھی مانگنی پڑی اور رائے کی غلطی بھی ظاہر ہوئی۔ الغرض ہمارا استدلال اور احتجاج قرآن کریم سے ہے۔ اس روایت پر دار و مدار نہیں ہے۔ یہ واقعہ سورۂ نساء میں مذکور ہے اور ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ سورۂ مزمل، سورۂ بقرہ اور سورۂ احزاب وغیرہ سورتیں سورۂ نساء سے پہلے نازل ہو چکی تھیں جن میں شاہد اور شہید کے الفاظ موجود ہیں۔ اگر واقعی شاہد اور شہید سے مراد حاضر و ناظر ہوتی تو بعد کو نازل ہونے والی سورت میں اس کی نفی اور تردید کیوں آئی ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کی کتاب اور کلام میں بھی اس کا احتمال ہے کہ پہلے کچھ کہہ دیا ہو اور بعد کو کچھ؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اور طبقات ابن سعدؓ میں حضرت محمودؓ بن لبید کی روایت سے مروی ہے کہ یہ واقعہ ۴ھ کا ہے (درِ منثور ج ۲ ص ۲۲۳)

حضرات! فریقِ مخالف کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (بلکہ ہر ولی اور بزرگ) ہر آدمی کے ظاہر اور باطن سے بخوبی واقف اور آگاہ ہیں اور ہر ایک کے ظاہر و باطن کو دیکھتے ہیں، کیونکہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں اور جمیع ما کان وما یکون کے عالم ہیں مگر قارئین کرام نے مذکورہ بالا قرآنی واقعات سے یہ اندازہ کر لیا ہوگا کہ حقیقت کیا ہے؟ سب سے آخر میں قرآن کی جو سورت نازل ہوئی ہے ہم بحوالہ نقل کر چکے ہیں کہ وہ سورۂ توبہ ہے جس میں بہت سے ایسے واقعات ہیں جن سے اس ناپاک عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر ایک کے ظاہر و باطن سے آگاہ اور واقف تھے۔ مثلاً ۹ھ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ چند منافقوں نے مشورہ کر کے ڈیڑھ اینٹ کی ایک مسجد تعمیر کی۔ خود قرآن کریم میں اس کی غرض و غایت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مسجد اسلئے تعمیر کی گئی تھی کہ مسلمانوں میں تفریق ڈالی جائے اور جو خدا

اور اسکے رسول سے لڑنا چاہتے ہیں۔ انکے لئے وہ مسجد اڈہ اور چھاؤنی بنی ہے۔ مسجد تعمیر ہوئی اور منافق آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ ہم نے ایک مسجد تعمیر کی ہے تاکہ مسلمانوں کو آسانی ہو۔ آپ وہاں تشریف لے جائیں اور اس مسجد میں نماز کا افتتاح کریں۔ آپ نے اُن کے سرغنہ یجاح سے دریافت کیا کہ اس سے تمہارا کیا مقصد ہے؟ تو اُس نے کہا:۔

واللہ ما اردت الا الحسنیٰ وھو کاذب قصدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

یا رسول اللہ! خدا کی قسم میرا مقصد تو اس مسجد کی تعمیر سے سوائے نیکی اور ثواب کے اور کچھ نہیں ہے۔

(در منثور ج ۳ ص ۲۷۶)

اور فی الحقیقت وہ منافق اُس قسم میں جھوٹا تھا مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسکو سچا سمجھا اور حسنِ ظنی کرتے ہوئے اُس سے وعدہ کر لیا لیکن یہ فرمایا کہ مجھے فی الحال فرصت نہیں ہے میں کسی اہم کام میں مشغول ہوں۔ جب فارغ ہُوا تو انشاء اللہ تعالےٰ حاضر ہوں گا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مسجد کی تعمیر کی غرض وغایت سے آگاہ کر دیا اور صاف ارشاد فرمایا کہ وہ مسجد تو مسلمانوں کو اور دینِ الٰہی کو نقصان اور ضرر پہنچانے کے لئے تعمیر کی گئی ہے لہٰذا آپ مسجدِ ضرار میں کھڑے بھی نہ ہوں۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۔ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا۔ (پ ۱۱) توبہ (رکوع ۳)

اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق بالکل جھوٹے ہیں۔ (کہ ہم نے مسجد للہ بنائی) آپ اس میں کبھی بھی کھڑے نہ ہوں

قارئین کرام آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ اگر واقعی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوتے اور شاہد اور شہید کا معنیٰ حاضر و ناظر ہوتا جیسا کہ فریقِ مخالف نے ٹھوکر کھائی ہے تو شاہد اور شہید کی صفت کے بعد بلکہ قرآن کریم کی سب سے آخری سورت میں اسکی نفی کیوں ہے؟ حق یہ ہے کہ آپ نہ ہر جگہ حاضر تھے اور نہ ناظر ورنہ منافقین کی اس سازش سے یقیناً آگاہ ہوتے۔ انکی باتیں سُن لیتیں۔ اُن کو ناجائز مشورے کرتے دیکھا ہوتا۔ پھر اُن سے کیوں یہ وعدہ کیا کہ میں انشاء اللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا؟ اور اللہ تعالیٰ نے کیوں اس مسجد کو مسجدِ ضرار سے تعبیر کرتے ہوئے آپ کو اُس میں کھڑا ہونے سے بھی منع فرمایا چنانچہ آپ نے حضرت مالکؓ بن دخشم اور حضرت معنؓ بن عدی (تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۳۸۹) دو صحابی بھیجے جنھوں نے مسجد

مزار کو جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اس کی مزید تفصیل "ازالۃ الریب" میں ملاحظہ ہو۔

فریق مخالف سے پوچھئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کے باوجود یہ ماجرا کیوں پیش آیا؟ اسی طرح فریق مخالف سے آپ یہ بھی پوچھئے، اگر شاہد اور شہید سے مراد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ظاہر اور باطن سے آگاہ اور واقف ہیں تو ذرا مہربانی فرما کر قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل آیت کا وہ صحیح معنیٰ تو بیان کر دے جو آیت سورۂ توبہ کی ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔
(پ ۱۱، توبہ، رکوع ۱۳)

اور کچھ مدینے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کی حد کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ ان کو نہیں جانتے ان کو ہم جانتے ہیں۔

فریق مخالف سے مخلصانہ اپیل ہے کہ وہ آنکھوں سے تعصب کی پٹی اتار کر انصاف کی نظر اور عدل سے بھرپور اور منصف دل سے سوچے اور دیکھے کہ اگر شاہد اور شہید سے مراد حاضر و ناظر ہوتی اور یہ معنیٰ ہوتا کہ آپ ہر ایک کے ظاہر اور باطن سے واقف ہیں۔ دور ہو یا نزدیک، عرب میں ہو یا عجم میں، سیاہ ہو یا سپید، مرد ہو یا عورت، جوان ہو یا بوڑھا، تو قرآنِ کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت میں اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا کہ دو دو نہیں بلکہ مدینہ طیبہ میں معمولی منافقوں کو نہیں بلکہ ان منافقوں کو بھی جن کا نفاق[1] حدِ کمال کو پہنچا ہوا ہے۔ آپ نہیں جانتے بلکہ ان کو ہم ہی جانتے ہیں۔

---

[1] بعض روایتوں میں اس کا ذکر آتا ہے کہ مدینہ منورہ میں منافقوں کی تعداد اتنی تھی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک موقع پر نام بنام ان کو پکارا اور فرمایا۔ قم یا فلان فانک منافق۔ کھڑا ہو جا اے فلاں کیونکہ تو منافق ہے حتیٰ کہ ان کو مسجد سے باہر نکال دیا (دیکھئے جاء الحق ص ۹۹ وغیرہ) اور اس بحث کے متعلق مولوی محمد عمر صاحب نے جو گل شگوفے کھلائے ہیں وہ بھی قابلِ دید ہیں (مقیاس ص ۳۸۶) لیکن اوّلاً تو ان میں کوئی روایت ہی صحیح نہیں ہے جیسا کہ اس کی پوری تحقیق ازالۃ الریب عن عقیدہ علم الغیب میں ملے گی و ثانیاً اگر بالفرض یہ روایتیں صحیح بھی ہوں تب بھی خبر آحاد کی مدمیں ہیں اور نص قطعی کے مقابلے میں ان کو پیش کرنا محض ہرزہ بانی ہے و ثالثاً کوئی روایت بسند صحیح ایسی نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ منافقین کے اخراج کا وہ واقعہ اس آیت کے نزول کے بعد پیش آیا تھا و رابعاً ان روایتوں

حضرات! قرآن کریم کی آخری سورت سے جو فیصلہ صادر ہوا ہے وہ یہی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نہ تو جمیع ما کان وما یکون کا علم حاصل تھا اور نہ آپ ہر ایک کے ہر حال سے واقف اور آگاہ تھے اگر واقعی شاہد اور شہید کا معنیٰ اور مطلب وہی ہوتا جو مخالفین نے پیش کیا ہے تو محال ہے کہ قرآن کریم کی کسی پہلی سورت یا پہلی آیت کی تردید قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورت سے ہوتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور کتاب میں تعارض اور اختلاف کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ جب یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچ چکی تو بات قطعاً اور یقیناً ثابت ہو گئی ہے کہ شاہد اور شہید کا معنیٰ ہرگز وہ نہیں ہے جو فریق مخالف بیان کرتا ہے ؎

وہ بیٹھے رہتے ہیں دیکھوں تو کب تک جو بے قرار نہ کر دوں تو بے قرار نہیں

ہم نے قارئین کرام سے یہ وعدہ کیا تھا کہ قرآن کریم کی تائید میں صحیح بخاری شریف اور صحیح مسلم شریف وغیرہ کی بعض حدیثیں بھی عرض کریں گے۔ اگرچہ ضرورت تو نہیں ہے لیکن ایفائے عہد کے خیال سے بعض حدیثیں بھی ہدیہ قارئین کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

صحیح بخاری ج ۲ ص۶۳۴ میں حضرت کعب بن مالک سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں غزوۂ

بقیہ حاشیہ ص۹۵

میں اسکی بھی تصریح نہیں ہے کہ منافق صرف یہی تھے جن کا اخراج ہوا تھا اور ان کے علاوہ اور کوئی منافق نہ تھا۔ کیونکہ یہ واقعہ برسرعام پیش آیا تھا۔ جس کا علم سب حضرات صحابہ کرامؓ کو ہو گیا تھا اور صحیح مسلم ج ۲ ص۳۶۹ وغیرہ کی روایت میں آتا ہے کہ بارہ ۱۲ چودہ ۱۴ منافق تو صرف وہ تھے جن کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ کو دی تھی جس کی وجہ سے وہ صاحب سر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مشہور تھے (دیکھئے زاد المعاد ج ۲ ص۹) مگر یہ بھی اس آیت کے نزول سے قبل کا قصہ ہے اسلئے اس حدیث کو ایسے بنیادی مسئلہ پر پیش کرنا باطل اور مردود ہے مشہور اصولی علامہ حسام الدین الحنفی رح المتوفی ۶۴۴ھ لکھتے ہیں، اوعمل بالغریب من السنة علی خلاف الکتاب اوالسنة المشهورة مردود باطل کیسر بعینہ را صلاً وحکما بعنیکا یقیلیعنی کتاب اللہ اور سنت مشہورہ کے مقابلہ میں غریب حدیث پر عمل کرنا مردود و باطل ہے اور کسی طرح بھی اسمیں عذر مسموع نہ ہوگا۔ مزید تحقیق ازالۃ الریب میں دیکھئے۔

ن میں شریک نہیں ہو سکا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ اتنی فوج (اور ہجوم) آپ کے ساتھ مارچ کر رہی تھی کہ اگر کوئی آدمی اس خیال سے شریک نہ ہوتا کہ جب تک آسمان سے وحی نازل نہ ہو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسکی عدم موجودگی کی اطلاع نہیں ہو سکتی تو اسکا یہ خیال صحیح ہوتا۔ ان کے الفاظ میں ہی سن لیجئے:۔

فما رجل یرید ان یتغیب	یعنی فوج کی کثرت کی وجہ سے اگر کوئی شخص اس خیال
الاظن انہ سیخفی لہ ما لم	سے شریک نہ ہوتا کہ جب تک وحی نازل نہ ہو آنحضرت صلی اللہ
ینزل فیہ وحی۔	تعالیٰ علیہ وسلم کو اسکی اطلاع نہیں ہو سکتی تو اسکا خیال صحیح ہوتا

پوچھئے حضرت کعب بن مالک سے کہ آپ کیا فرماتے ہیں؟ کیا حاضر و ناظر اور عالم الغیب نبی کو بھی وحی نازل ہونے سے قبل اطلاع نہیں ہو سکتی؟ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر تھے تو آپ کی نظر سے کون مخفی رہ سکتا تھا؟ یہ واقعہ بھی غزوہ تبوک کا ہے جو ۹ھ میں پیش آیا اور فرمانے والے ہیں حضرت کعب بن مالک۔ اگر شاہد اور شہید کا وہی مطلب ہوتا جو فریق مخالف بیان کرتا ہے تو فرمائیے کہ جلیل القدر صحابی (جن کو قرآن کریم نے مقبول التوبہ ہونے کا پروانہ دیا ہے) کیوں شاہد اور شہید سے حاضر و ناظر نہیں سمجھتے؟ ارشاد تو فرمائیے! بات کیا ہے؟ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ

مسند احمد ج ۴ ص ۱۸۱ صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰۱ اور مستدرک ج ۴ ص ۴۹۲ وغیرہ میں ایک طویل حدیث کے ضمن میں یہ ناقابل فراموش جملہ بھی مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میری موجودگی میں دجال ظاہر ہوا تو میں تمہاری طرف سے وکیل بن کر اس سے جھگڑا کروں گا۔

وان یخرج ولست فیکم فکل	اور اگر دجال میری عدم موجودگی میں ظاہر ہوا تو ہر
امرئ حجیج نفسہ۔	آدمی اپنا وکیل اور محافظ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھئے کہ حضرت آپ تو شاہد اور شہید ہیں یعنی بقول مخالفین ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ آپ نے یہ کیا فرما دیا کہ اگر دجال میری غیر حاضری اور عدم موجودگی میں آیا تو ہر آدمی اپنا وکیل خود ہوگا۔ کیا حاضر و ناظر بھی کبھی غیر حاضر اور غیر موجود ہوتا ہے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جن سورتوں میں شاہد

اور شہید کا لفظ موجود ہے۔ ان کے نزول سے بہر حال خروج دجال بعد ہی کو ہوگا۔ اگر شاہد اور شہید کا معنیٰ حاضر و ناظر ہوتا تو آپ اپنی غیر حاضری اور عدم موجودگی کا ذکر کیوں فرماتے؟ کیونکہ حاضر و ناظر تو کبھی غیر حاضر نہیں ہوا کرتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی شاہد و شہید سے اپنے آپ کو حاضر و ناظر نہیں سمجھا تو اس سے بھلا یہ مطلب کس طرح لیا جا سکتا ہے کہ آپ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں؟

صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۱۲۷ اور مسند طیالسی صفحہ ۴۹ و سنن کبریٰ ج ۴ صفحہ ۷۸ وغیرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر ہم اپنے بھائیوں (یعنی سب امتیوں) کو دیکھ لیتے۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ حضرت! کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ فرمایا تم میرے صحابی ہو میرے بھائی تو وہ ہیں جو ابھی تک دنیا میں آئے ہی نہیں ہیں۔ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا جو ابھی تک آئے ہی نہیں حضرت آپ ان کو قیامت کے دن کیسے پہچانیں گے؟ آپ نے فرمایا اس علامت سے میں انکو پہچانوں گا کہ ان کے وضو کے اعضاء سفید اور روشن ہوں گے۔ مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے، اور طیالسی میں حضرت عبد اللہؓ بن مسعود سے۔ مسلم کے بعض الفاظ بھی ملاحظہ کر لیجئے:۔

وددت انا قد رأینا اخواننا۔ — یعنی میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ ہم نے اپنے تمام بھائیوں کو دیکھا ہو۔

اور حضرات صحابہ کرامؓ نے جو چیز آپ سے پوچھی وہ مسلم کے الفاظ میں یہ ہے:۔

فقالوا کیف تعرف من لم یأت بعد من امتک یا رسول اللہ۔ — حضرات صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا اے اللہ کے رسول آپ کی امت کے جو افراد ابھی تک دنیا میں آئے ہی نہیں آپ انکو کس طرح پہچانیں گے

اور طیالسی کے الفاظ یہ ہیں کہ:۔

قلنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف تعرف من لم تر من امتک یوم القیامۃ — ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ قیامت کے دن اپنے امتیوں کو کس طرح شناخت کریں گے جن کو آپ نے دیکھا بھی نہیں۔

مولوی محمد عمر صاحب نے اسکی عجیب اور بالکل لایعنی تاویل کی ہے (دیکھئے مقیاس صفحہ ۴۴۹) مگر ان کا ضمیر زندہ ہے تو وہ ضرور ان کو اس پر ملامت کرتا ہوگا۔ اس کی مزید تشریح ازالۃ الریب میں ملاحظہ کیجئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی جلیل القدر صحابی ہیں جو حافظ قرآن ہیں، اور آپ نے حضرات صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ تم میں جو شخص قرآن کریم پڑھنا چاہتا ہے تو ابن مسعودؓ اور فلاں اور فلاں سے پڑھے (بخاری ج ۱ ص ۵۳۳ وغیرہ) اور حضرت ابوہریرہؓ بالاتفاق ۷ھ میں مسلمان ہوئے ہیں۔ انکے اسلام لانے سے پہلے ہی وہ تمام سورتیں نازل ہو چکی تھیں جن میں شاہد اور شہید کے الفاظ موجود ہیں۔ اگر واقعی شاہد اور شہید سے حاضر وناظر مراد ہوتی تو ان جلیل القدر حضرات صحابہ کرامؓ کا یہی عقیدہ ہوتا۔ لیکن یہ روایتیں آپ دیکھ ہی چکے ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ تو یہ فرماتے ہیں کہ حضرت! آپ اپنی امت کے ان آدمیوں کو کس طرح پہچان سکیں گے جن کو آپ نے دیکھا بھی نہ ہوگا جب حاضر وناظر ہیں تو نہ دیکھنے کا کیا معنیٰ؟ خدا را کچھ تو فرمائیے اور پھر مزید لطف یہ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی یہ نہیں فرماتے کہ میں تو شاہد اور شہید ہوں یعنی حاضر وناظر لہٰذا میرے لئے ان کا جاننا اور دیکھنا کیا مشکل ہے؟ بلکہ آپ بھی ایک علامت کا ذکر فرماتے ہیں کہ میں اپنی امت کو ایک علامت سے پہچانوں گا۔ وہ یہ کہ ان کے وضو کے اعضاء روشن اور درخشندہ ہونگے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے (جو ۸ھ میں مسلمان ہوئے تھے) یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کو قیامت کے دن میں پہچان نہ سکوں۔

قالوا یا رسول اللہ من رأیت ومن لم تر — حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! جن کو آپ نے دیکھا ہے اور جنکو آپ نے نہیں دیکھا سب کو پہچان لیں گے؟

فرمایا ہاں۔

من رأیت ومن لم ار الحدیث (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۳۴۴) — جن کو میں نے دیکھا ہوگا ان کو بھی پہچان لوں گا اور جن کو میں نے نہیں دیکھا ہوگا انکو بھی پہچان لونگا کیونکہ وضو کی وجہ سے انکے اعضاء روشن اور درخشندہ ہونگے، اس علامت سے میں پہچانوں گا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو

صنفان من اهل النار لم ارهما قوم معهم سياط كاذناب البقر — دو گروہ ایسے ہیں جو دوزخی ہیں میں نے انہیں دیکھا نہیں ایک تو وہ کہ ہاتھوں میں گائیوں کی دموں کی طرح کوڑے اور ہنٹر ہونگے جن سے وہ

یضربون بہا الناس ونساء کاسیات عاریات لوگوں کو ماریں گے (محکمہ پولیس کے وہ لوگ جو بلاوجہ لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ مسلم کے اسی صفحہ میں
ممیلات مائلات رؤسہن کاسنمۃ البخت دوسری حدیث میں ہے کہ وہ صبح اللہ تعالیٰ کے غضب میں اور پچھلے پہر اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں
المائلۃ لا یدخلن الجنۃ ولا یجدن ہوں گے) دوسرا گروہ اُن عورتوں کا ہوگا جو لباس پہن کر بھی ننگی ہوں گی یعنی باریک یا تنگ لباس پہنیں گی جس سے تن نظر
ریحہا وان ریحہا لیوجد من آئے گا غیروں کو اپنی طرف مائل کریں گی اور خود ان کی طرف مائل ہوں گی ان کے سر بختی اونٹوں کی کوہانوں کی طرح جھکے ہوئے ہوں گے
مسیرۃ کذا وکذا (مسلم ج ۲ ص ۲۰۵) جیسے بختی اونٹوں کی کوہان ہوتی ہے وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی اور اس کی خوشبو بھی نہ پائیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو اتنی اور اتنی یعنی چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔ (بخاری ج ۲ ص [illegible])

اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو آپ نے یہ ارشاد کیوں فرمایا کہ میں نے ان دونوں گروہوں کو نہیں دیکھا؟ حافظ ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) فرماتے ہیں کہ ہمارے اس زمانہ میں جابذاریہ (محکمہ پولیس) کی طرف سے بڑا ظلم ہو رہا ہے اور اسی طرح عورتوں کی بے پردگی کا عام مظاہرہ ہو رہا ہے۔ (البدایہ والنہایہ ج ۶ ص ۲۰۷) حافظ صاحب موصوف آج سے تقریباً چھ سو سال پہلے کی بات کرتے ہیں جب عدل و انصاف اور شرم و حیا کو انسانی شرافت کا جوہر سمجھا جاتا تھا۔ اگر آج وہ پولیس والوں کی زیادتیاں دیکھ لیتے یا اُن عورتوں کو دیکھ لیتے جو کراچی، لاہور اور مری کے مال روڈ پر گشت کرتی اور بڑی بے حیائی اور بے غیرتی کا مظاہرہ کرتی ہیں تو ان کو یہ یقین ہو جاتا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سروں پر منڈلا رہا ہے اور اگر موصوفؒ زندہ ہوتے اور آج اپنے شہر دمشق میں عورتوں کی عریانی دیکھ لیتے تو دم بخود رہ جاتے۔ نعوذ باللہ من غضب الحلیم

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ کوئی نبی اور رسول دنیا میں ایسا نہیں آیا جس نے اپنی قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتے نہ دیکھا ہو۔ ہاں مگر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اُمت کی سزا اور عقوبت نہیں دکھائی۔ (مستدرک ج ۲ ص ۳۳۴ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح) اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو آپ نے یہ عذاب دیکھا ہوتا۔ حضرت انسؓ ہی فرماتے ہیں کہ جب قرآن کا یہ ارشاد نازل ہوا کہ اے مومنو تم اپنی آواز کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو ورنہ تمہیں علم تک نہ ہوگا اور تمہارے اعمال حبط ہو جائیں گے (او کما قال) تو حضرت ثابتؓ بن قیس (جن کی فطرتی طور پر آواز بلند تھی) اپنے گھر ہی میں بیٹھ گئے کہ مبادا میری آواز جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آواز سے بلند ہو جائے اور میرے اعمال حبط ہو جائیں تو آپ نے حضرت سعدؓ بن معاذ سے (جو حضرت ثابتؓ کے پڑوسی تھے) دریافت کیا۔

ما شان ثابت رضؓ بن قیس لا ارٰاہ الحدیث (ابو عوانہ ج ۱ ص ۷۹) کیا وجہ ہے کہ ثابتؓ بن قیس ہمیں نظر نہیں آرہا۔ بیمار ہے یا کوئی اور وجہ ہے ؟

تحقیق حال کے بعد حضرت سعدؓ نے آپ کو حقیقت سے آگاہ کر دیا۔ اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو مدینہ منورہ میں ہی رہنے والے نہایت مخلص صحابی کو آپ نے دیکھ لیا ہوتا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنے اشعری دوستوں کی آوازوں کو جب کہ وہ رات کے وقت قرآن کریم پڑھتے ہیں جانتا ہوں اور جن جن گھروں سے ان کی آواز بلند ہوتی ہے، میں ان کو بھی جانتا ہوں (کیونکہ وہ بڑی سریلی آواز سے اور سوز و تپش کے ساتھ قرآن کریم پڑھا کرتے تھے اور ان کا لہجہ بھی نمایاں اور مخصوص تھا)۔

وان کنت لم ارمنازلھم حین نزلوا بالنھار (بخاری ج ۲ ص ۶۰۹ ومسلم ج ۲ ص ۳۰۳) اور اگرچہ میں نے ان کی وہ جگہیں نہیں دیکھی ہیں، جہاں جہاں وہ دن کو اترتے ہیں۔

اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو جیسے رات کو ان کی آواز سے آپ ان کو پہچان لیتے تھے۔ دن کو بھی ان کو دیکھ لیتے کہ وہ کہاں کہاں اور کس کس جگہ فروکش اور نازل ہوتے ہیں۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لعلی لا اراکم بعد عامی ھذا (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳ وترمذی ج ۱ ص ۱۰ وقال حسن صحیح) شاید کہ میں تمہیں اس سال کے بعد نہ دیکھ سکوں۔

اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ:-

فانی لا ادری لعلی لا القاھم بعد عامھم ھذا (مسند احمد ج ۳ ص ۳۳۲) بے شک میں یہ نہیں جانتا شاید کہ میں ان سے اس سال کے بعد ملاقات نہ کر سکوں۔

اور حضرت جبیرؓ بن مطعم فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر عرفات کے میدان میں تقریباً ایک لاکھ سے اوپر حضرات صحابہ کرامؓ سے خطاب فرمایا کہ:-

ایھا الناس انی واللہ لا ادری لعلی لا القاکم بعد یومی ھذا بمکانی ھذا الحدیث (مسند دارمی ص ۳۱) اے لوگو! خدا کی قسم میں نہیں جانتا، شاید کہ میں تم سے آج کے دن کے بعد اس جگہ ملاقات نہ کر سکوں۔

اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو فرما دیتے کہ میں ہر جگہ اور ہر وقت تمہیں دیکھ سکتا ہوں اور یہ ہرگز نہ فرماتے کہ میں شاید تمہارے ساتھ اس جگہ پھر کبھی نہ ملاقات کر سکوں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے حضرات صحابہ کرامؓ سے اور خصوصاً میدان عرفات میں ملاقات کے لئے حاضر نہیں ہوئے تو اور کس کے لئے اور کس جگہ حاضر ہوتے ہونگے؟ یہ دلائل بھی ملاحظہ کیجئے اور مولوی سید احمد سعید صاحب کاظمی ملتانی کا یہ دعویٰ بھی دیکھئے کہ عرش سے فرش تک تمام مخلوقات و ممکنات کے حقائق لطیفہ پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں (ملفظہ تسکین الخواطر صفحہ ۳) یہ دعویٰ تو بڑا وزن دار ہے مگر دلیل بالکل ندارد۔ حضرت سہلؓ بن سعد فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد وفات تک میدہ نہیں دیکھا۔ (بخاری ج ۲ صفحہ ۸۱۵) اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس رب کی قسم جس نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا آپ نے نبوت ملنے کے بعد وفات تک چھاننی نہیں دیکھی (بخاری ج ۲ صفحہ ۸۱۵ و مسند احمد ج ۶ صفحہ ۷۱)۔

حافظ ابن حجر حضرت عائشہؓ کی اس روایت لو رآہ لمنع (اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیکھتے تو منع کر دیتے) کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں۔ لم یرہ و لم یمنع (فتح الباری ج ۲ صفحہ ۲۹۰) نہ آپ نے دیکھا اور نہ منع کیا۔ حضرات اگر اس مضمون کی صحیح احادیث کا استقصاء کیا جائے تو یقیناً متعذر ہے اور ہمارا مقصود بھی استیعاب نہیں ہے۔ انصاف سے کام لینے والوں کے لئے یہ حدیثیں کافی ہیں۔

میں اچھی طرح سمجھتا ہوں کہ ان دلائل کے منظر عام پر آنے سے فریق مخالف کے بارونق اور ہشاش بشاش چہرے ضرور مغموم ہوں گے مگر کیا کروں میں تو یہی کہہ سکتا ہوں کہ ؎

لب ہائے زخم دیکھئے اور خوب روئیے — اُمید واری لب خنداں نہ کیجئے

ہم اس جواب کو ان ہی آیات اور احادیث پر ختم کرتے ہیں۔

قارئین کرام بڑے پریشان ہوں گے کہ جب شاہد اور شہید سے مراد حاضر و ناظر نہیں تو مراد کیا ہوگی؟ لیکن آپ کو پریشان نہ ہونا چاہیئے۔ آیئے اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس کا معنی اور مطلب سن لیجئے۔

چنانچہ صحیح بخاری ج ۲ صفحہ ۹۶۵ اور ترمذی ج ۲ صفحہ ۱۶۹ وغیرہ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب قیامت کے دن تمام مخلوقات کو اکٹھا کرے گا اور سب حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بھی جمع کریگا تو کافروں اور نافرمانوں پر اتمام حجت کیلئے حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے سوال فرمائیگا۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام سے سوال فرمائیگا کیا تو نے اپنی امت کو تبلیغ کی تھی۔ حضرت نوح عرض کرینگے۔ اے اللہ میں نے واقعی تبلیغ کی تھی پھر نوح علیہ السلام کی اُمت سے سوال ہوگا کہ کیا نوح علیہ السلام نے تمہیں تبلیغ کی تھی، وہ انکار کر دینگی کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سوال کریگا۔ اے نوحؑ تمہارا کوئی گواہ بھی ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام عرض کریں گے میری گواہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت ہے (اگر وہ لوگ یہ سوال کرینگے کہ یہ گواہ تو ہمارے زمانہ میں موجود نہ تھے لہٰذا یہ گواہ کیسے ہوئے؟ تو اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الف الف تحیہ یہ جواب دے گی کہ ہم نے قرآن کریم پڑھا ہے جس میں صاف طور پر لکھا تھا کہ حضرت نوح علیہ السلام اور اسی طرح دوسرے حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ کی تھی اور ہمیں ہمارے آقائے نامدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی ایسا ہی فرمایا تھا۔ جب خدا تعالیٰ اور اسکا رسول برحق یہ فرماتے ہیں کہ مثلاً حضرت نوحؑ نے تبلیغ کی تھی تو ہم برحق اور سچی گواہی اور شہادت دیتے ہیں) جب آپ کی اُمت گواہی دے چکے گی تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی اُمت کی شہادت اور گواہی کی صفائی اور تصدیق کرینگے گویا آپ کی حیثیت سرکاری گواہ کی ہوگی۔

قارئین کرام! آپ ان آیات کو پھر دوبارہ دیکھ لیں جن میں آپ کو یہ چیز صاف طور پر معلوم ہو جائیگی کہ قیامت کے دن ہر اُمت سے ایک گواہ (یعنی اس اُمت کا پیغمبر) آئیگا اور ارشاد ہے کہ ہم آپ کو آپ کی اُمت پر گواہ بنائیں گے اور آپ کی اُمت تمام پہلی امتوں پر شہادت اور گواہی دے گی۔

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۔ تاکہ تم تمام لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تمہارے اوپر گواہ ہو۔

صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۱۱۳ میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہاری قلت اور پہلی اُمتوں

کی کثرت کی ایسی ہی مثال ہے جیسے سیاہ بیل کے چہرہ میں سفید بال۔ مگر ان تمام اُمتوں پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اُمت گواہ ہو گی۔ اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم محض اپنی اُمت کی گواہی اور شہادت کی صفائی پیش فرمائیں گے حضرات فریق مخالف کے استدلال سے تو یوں ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام اُمت بھی حاضر و ناظر ہے۔ کیونکہ جب تمام پہلی اُمتوں پر یہ اُمت گواہ ہوگی تو مخالفین کی منطق کے رُو سے گواہ وہی ہو سکتا ہے جو حاضر و ناظر ہو۔ اور تمام اُمت عالم الغیب بھی بن گئی کیونکہ اُمت کے لئے بھی تو یہ الفاظ موجود ہیں۔

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ۔ تاکہ تم اہلِ اُمت حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام لوگوں پر گواہ ہو

مگر اس کو کیا کیا جائے کہ فریق مخالف کا یہاں تک دعویٰ ہے کہ چیونٹیوں اور کچھروں تک کو بھی علم غیب ہے (عیاذاً باللہ تعالیٰ) اور ان کے اعلیٰ حضرت مولوی احمد رضا خان صاحب تو کافروں کو بھی حاضر و ناظر مانتے ہیں۔ سنیئے۔ ملفوظات حصہ اوّل ص۱۱۳ میں لکھتے ہیں کہ کرشن کنہیا کافر تھا اور ایک وقت میں کئی سو جگہ موجود ہو گیا؟

قارئین کرام خود ہی فرمائیے کہ جب کافر بھی فریق مخالف کے نزدیک حاضر و ناظر ہو سکتے ہیں اور اس صفت کیلئے ایمان کی بھی ضرورت نہیں تو فرمایئے کہ حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کیلئے ایسی صفت ماننا اور اس پر اہلِ حق کے مقابلہ میں محاذ قائم کرنے کا کیا معنیٰ ہے؟ بلله کچھ تو فرمایئے کہ معاملہ کیا ہے؟ ؎

ہیے لاکھوں ستم لیکن نہ کی آہ و فغاں اب تک — زباں رکھتے ہوئے بھی ہم بنے ہیں بے زباں اب تک

حضرات! جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خود شاہد اور شہید کا معنیٰ ثابت ہو چکا ہے تو اب اسکے مقابلہ میں اگر کسی مفسر نے اپنی ذاتی رائے اور نظریہ کچھ اور پیش کیا ہو تو وہ مردود ہو گا رہا عرض اعمال کی حدیث سے حاضر و ناظر پر استدلال تو ہم نے اسکے متعلق ازالۃ الریب میں مختصر سی اصولی بحث کر دی ہے اور اس کتاب میں بھی بقدر ضرورت پہلے اسکا تذکرہ ہو چکا ہے۔ وہاں ہی ملاحظہ کر لیا جائے یہاں صرف یہی کہہ دینا کافی ہے کہ مسند بزاز کے حوالہ سے جو روایت باسناد جید آتی ہے اس سے صرف اتنا ثابت

کے بعض اعمال کی اجمالی پیشی اور اجمالی عرض مراد ہے۔ نہ تو اس میں اُمّتِ دعوت شامل ہے اور نہ تمام اعمال مراد ہیں۔ ساری اُمّت کے تمام اعمال کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور کسی کو نہیں۔ قرآن کریم کی آیت ملاحظہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :-

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ أُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ
(پ، مائدہ، رکوع ۱۵)

جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ رسولوں کو پھر کہے گا تم کو (اپنی اپنی اُمّت کی طرف سے) کیا جواب دیا گیا۔ وہ بولیں گے ہم کو خبر نہیں تو ہی ہے غیب دان۔

چونکہ اس آیت میں تمام رسولوں کو جمع کرکے سوال کرنے کا ذکر ہے جن میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی شامل ہیں اور چونکہ مجموعی اُمّت کے لحاظ سے سوال ہوگا اسلئے تمام پیغمبر اس تفصیلی علم سے لاعلمی کا اظہار کریں گے۔ رہا اس لاعلمی کے اظہار کو تواضع پر حمل کرنا جیسا کہ بعض حضرات مفسرین رحمہم نے کہا ہے تو درست نہیں۔ کیونکہ اگر کوئی اور نص قطعی ایسی ہوتی جس سے صاف طور پر یہ ظاہر ہوتا کہ حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بغیر استثناء کے ہر چیز معلوم ہے تو ہم تواضع پر حمل کرسکتے تھے لیکن ایسی تو ایک بھی قطعی دلیل موجود نہیں بلکہ اسکے خلاف دلائل اور براہین کا انبار لگا ہوا ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام ذہول اور نسیان کی وجہ سے لاعلمی کا اظہار کریں گے تو اس ذہول وغیرہ پر کوئی بھی صحیح حدیث موجود نہیں بعض مفسرین کرام کی غیر معصوم آراء ہیں۔ اس کی بحالہ مزید علمی بحث ازالۃ الریب میں ملاحظہ کیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حوضِ کوثر پر بعض لوگوں کو ان کے اعضاء وضو کی سفیدی اور چمک سے دیکھ کر ان کے حق میں سفارش کریں گے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوگا :-

انک لا تدری ما احدثوا بعدک
(بخاری ج ۲ ص ۹۷۵ و مسلم ج ۲ ص ۲۴۹)

آپ نہیں جانتے کہ آپ کے بعد انھوں نے کیا کیا نئی نئی باتیں اور بدعتیں گھڑی ہیں۔

اگر آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے یا آپ کو اُن کا تفصیلی علم ہوتا تو اللہ تعالیٰ یہ نہ فرماتے کہ آپ کو علم نہیں ہے اور اسی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرمائیں گے

دور ہوں وہ بدبخت جنہوں نے میرے بعد دین بدل ڈالا۔

مفتی احمد یار خان صاحب اسکا جواب یوں زیب قلم فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا ان کو صحابی کہنا طعن کے طور پر ہوگا کہ ان کو آنے دو یہ تو ہمارے بڑے مخلص صحابہ ہیں اور ملائکہ کا یہ عرض کرنا ان کو سنا کر غمگین کرنے کے لئے ہوگا ورنہ ملائکہ نے ان کو یہاں تک آنے ہی کیوں دیا۔ الی ان قال۔ پھر غور کی بات یہ ہے کہ آج تو حضور علیہ السلام اس سارے واقعہ کو جانتے ہیں اور فرماتے ہیں اَعْرِفُہُمْ ہم ان کو پہچانتے ہیں کیا اس دن بھول جائیں گے؟ (جاء الحق صـ۱۱۹) مگر مفتی صاحب ہی ازروئے دیانت و انصاف یہ فرمائیں کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکلف اور پابندِ شریعت ہوتے ہوئے کیوں طعن کریں گے؟ (اللہ تعالیٰ مکلف نہیں ہے) اور رؤف و رحیم اور رحمۃ للعلمین ہو کر قیامت کے دن طعن کا کیا مقصد؟ پھر اس طعن پر کونسی نص دلیل ہے؟ یا کوئی معقول عقلی قرینہ ہی موجود ہے؟ اور پھر قابل غور بات یہ ہے کہ اس طعن کا جواب اِنَّکَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ سے کیسے صحیح ہوگا۔ الغرض یہ جواب سراسر باطل ہے۔ باقی اَعْرِفُہُمْ کا معنی یہ ہے کہ ہم ان کو پہچانیں گے اور یہ پہچاننا آثارِ وضو کی علامت سے ہوگا۔ پہچانتے ہیں اسکا معنی غلط ہے اور دنیا میں اس واقعہ کی خبر دینا صرف اجمالی ہے تفصیل لاتدری میں داخل ہے کہ وہ کون ہوں گے؟ نام کیا ہوگا؟ عمر کیا ہوگی؟ قبیلہ کیا ہوگا؟ سیاہ ہوں گے یا سفید؟ وغیرہ وغیرہ۔ یہ ساری چیزیں اسی وقت مشاہدہ سے معلوم ہوں گی۔ رہا فرشتوں کا نہ روکنا تو وہ بھی اس لئے ہوگا کہ فرشتے بھی عالم الغیب نہیں اور نہ ہونگے جب حقیقت کھل جائے گی تو ان پر بھی معاملہ واضح ہوجائیگا۔ مولوی محمد عمر صاحب نے تو اسکے جواب میں حد ہی کر دی ہے؛ وہ جب یہ سمجھے ہیں کہ اس کا جواب نہایت ہی مشکل ہے تو یہ لکھ مارا ہے کہ حدیث بخاری شریف میں تین دفعہ مذکور ہے اور تینوں جگہوں میں ہی اسکا ضعف ثابت ہے (مقیاس صـ۲۲۳) پھر آگے لکھا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس لئے حجت نہیں ہو سکتی (صـ۲۲۴) اور کلام یوں کیا کہ پہلی سند میں محمد بن یوسف فریابی ضعیف ہے۔ اور دوسری میں محمد بن کثیر قرشی کوفی اور تیسری میں ابوالولید عبدالملک بن ہشام ہے ابوداؤد کہتے ہیں کہ شیخ ضعیف اور شعبہ بن الحجاج راویوں کے ناموں میں غلطی کیا کرتے تھے (محصلہ صـ۲۲۴، ۲۲۵)

مگر یہ جواب بوجوہ باطل ہے۔ اوّلاً اسلئے کہ یہ روایت بخاری میں صرف تین جگہ نہیں بلکہ آٹھ جگہ آئی ہے وثانیاً تمام اُمت کا اتفاق ہے کہ بخاری کی تمام حدیثیں صحیح ہیں۔ پھر مولوی محمد عمر صاحب کی خود اختراع راگنی کون سنتا ہے؟ وثالثاً یہ روایت ان راویوں کے علاوہ دیگر راویوں سے بھی ثابت ہے مثلاً دیکھئے بخاری ج ۲ صفحہ ۶۹۳ و ج ۲ صفحہ ۷۶۶ و ج ۱ صفحہ ۴۲۳ ج ۱ صفحہ ۵۹۴ وغیرہ۔ ورابعاً مولوی محمد عمر صاحب نے ڈبل خیانت یا جہالت کا ثبوت دیا ہے اسلئے کہ محمد بن کثیر جن سے امام بخاری نے صحیح میں روایت کی ہے وہ محمد بن کثیر العبدی ابو عبداللہ البصری ہیں۔ محمد بن کثیر قرشی کوئی نہیں ہیں اور دوسری خیانت یہ کی کہ ابوالولید ہشام بن عبدالملک الطیالسی البصری الحافظ الامام اور الحجۃ کا نام تو ٹھیک لکھا مگر جس ہشام بن عبدالملک بن عمران الیزنی الحمصی پر امام ابوداؤدؒ نے جرح کی ہے وہ اور ہے اور اسکی کنیت ابوالولید نہیں ہے، سچ کہا گیا ہے کہ کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا۔ بھان متی نے کنبہ جوڑا۔ یہ کام صرف مولوی محمد عمر صاحب ہی کا ہے اور یہ روایت حضرت عباسؓ سے نہیں جیسا کہ مولوی محمد عمر صاحب نے لکھا ہے (مقیاس صفحہ ۴۲۴) بلکہ حضرت ابن عباسؓ سے ہے۔ یہ ہے تحقیق انیق مولوی محمد عمر صاحب کی جس پر وہ فی حوالہ یک صد روپیہ انعام دینے کا مخلوقِ خدا کو چیلنج دیتے ہیں۔ (دیکھئے مقیاس صفحہ ۹۴۳) فوا اسفا ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

مُسلم ج ۲ صفحہ ۲۴۹ کی ایک روایت میں یوں آتا ہے:

فیقال اما شعرت ما عملوا بعدک — تو کہا جائیگا کہ کیا آپ نہیں جانتے آپ کے بعد انہوں نے جو عمل کیا ہے۔

مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں کہ یعنی آپ جانتے ہیں: ثابت ہوا کہ انک لا تدری میں بھی استفہام ضرور ہے (مقیاس حنفیت صفحہ ۳۹۰) الجواب قطع نظر اس سے کہ ما و لا کے الفاظ عربی میں بکثرت زائد ہوتے ہیں اور اس سے بھی صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ ہمزہ استفہام ہمیشہ انکار ہی کے لئے نہیں ہوتا اور اس سے بھی اغماض کرتے ہوئے کہ یہ روایت مُسلم کی درجہ دوم کے رواۃ سے ہے اور ان کے متعلق فیصلہ امام مسلم نے مقدمہ صفحہ ۳/۴ میں کر دیا ہے کہ ان سے خطا اور غلطی اکثر سرزد ہو جاتی ہے۔ ان تمام امور سے قطع نظر کرتے ہوئے عرض یہ کرنا ہے کہ ما شعرت کا جملہ اس کو نہیں چاہتا کہ پہلے سے مخاطب کو علم ہو۔ چنانچہ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ابو امامہؓ سے فرمایا :-

اما شعرت ان اللہ عزّوجل قد زوّجنی فی	کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ جنت میں
الجنۃ مریم بنت عمران وکلثم اخت موسیٰؑ	مریم بنت عمران اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کلثم
وامرأۃ فرعون ، (کنز العمال ج۱۲ ص۱۳۲ وابن السنی ص۱۹۲)	اور فرعون کی بیوی سے نکاح کر دیا ہے ۔

اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جس سے یہ ارشاد فرما رہے ہیں اس کو اس سے پہلے اسکی کیا خبر ہوگی ؟ الغرض اما شعرت کا جملہ سابق علم کو متقاضی نہیں ہے ۔ اسکی مزید تشریح ازالۃ الریب میں دیکھئے ۔

الحاصل جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شاہد اور شہید کا معنی بسند صحیح موجود اور ثابت ہے اور جمہور اہل تفسیر بھی یہی معنی کرتے ہیں ۔ (دیکھئے کشاف ج۲ ص۳۳۱ ، درمنثور ج۱ ص۱۴۴ ، ابن کثیر ج۱ ص۳۳۲ ، روح المعانی ج۲ ص۸ ، سید آلوسی حنفی وغیرہ) تو یہی معنی حق اور واجب القبول ہے ، اور اس کے مد مقابل دوسرا معنی صحیح نہیں ہے سے

مجھ کو تو یہ دنیا نظر آتی ہے دگرگوں ۔۔۔ معلوم نہیں دیکھتی ہے تیری نظر کیا

البتہ حافظ ابن کثیرؒ نے إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا الآیۃ کا یہ مطلب اور معنی بھی بیان کیا ہے ، کہ ہم نے آپ کو اسلئے بھیجا ہے تاکہ آپ (شاہداً للہ بوحدانیتہ وانہ لا الٰہ غیرہ) گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ ہے اور اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ۔ حافظ ابن کثیرؒ کا یہ فرمانا بھی بالکل صحیح اور درست ہے جس طرح دوسری جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :-

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ	اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اس کے بغیر کوئی الٰہ نہیں اور
وَاُولُوا الْعِلْمِ (پ۳ ۔ آل عمران ۔ ع۲)	فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی گواہی دی ۔

اور قرآن کریم کی اس آیت فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (پ۳ رکوع ۱) ، سو تو لکھ ہم کو گواہی دینے والوں کے ساتھ کا مطلب حبر الامۃ ترجمان القرآن رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباسؓ (دیکھئے مستدرک ج۲ ص۲۳۲) بیان کرتے ہیں کہ اے اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت

میں لکھو جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیز دیگر حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے یہ گواہی دی ہے کہ واقعی حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں تک پہنچائے ہیں۔ اس آیت کا بھی یہ معنی تو قطعاً نہیں کہ اے اللہ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دے جو حاضر و ناظر ہیں بلکہ ان لوگوں میں ہمارا شمار ہو جو خدا کی وحدانیت اور پیغمبروں کے لوگوں تک احکام پہنچانے کی گواہی دیتے ہیں۔

غرضیکہ خود قرآن مجید اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جمہور اہل تفسیر شاہد اور شہید سے حاضر و ناظر مراد لینا باطل سمجھتے ہیں۔ یہ فریق مخالف کی چالیں ہیں جو بے چارے سادہ لوح مسلمانوں کو دام تزویر میں لے آتے ہیں اور بیچارے عوام ہم سے بلاوجہ بغض اور عداوت رکھتے ہیں ؎

یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی کدورتوں کی کچھ انتہا ہی۔ زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے

مخالفین کی غلطی کا سبب

قارئین کرام بڑے متعجب ہوں گے کہ مخالفین کو یہ غلطی کیوں ہوئی کہ انھوں نے شاہد اور شہید کے لفظ سے حاضر و ناظر کا معنیٰ لے لیا۔ سو ہم عرض کرتے ہیں کہ مخالفین نے لفظ شہادت سے ٹھوکر کھائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ شہادت وہ ہوتی ہے جس میں مشاہدہ اور معاینہ ہو۔ لہٰذا جب آپ گواہ اور شاہد ہونگے تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ آپ نے بچشم خود ہر امتی کو دیکھا اور اس کے ظاہر و باطن کے احوال کا مشاہدہ اور معاینہ کیا ہوگا اور یہی ہے حاضر و ناظر کا معنیٰ۔

جواب: قارئین کرام کو اصل مرکزی نقطہ سمجھ آگیا ہوگا کہ شہادت فریق مخالف کے خیال کے مطابق معاینہ کئے اور دیکھے بغیر نہیں ہو سکتی لیکن یہ ان علم کے تیامی کی سخت جہالت ہے۔ ہر شہادت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ گواہ اور شاہد بچشم خود اصل واقعہ دیکھے اور معاینہ کرے بلکہ کسی ثقہ اور معتبر کے بتلانے پر اور کسی معقول وجہ سے علم ہونے پر بھی شہادت اور گواہی دینی جائز اور اس پر شہادت کا اطلاق درست اور صحیح ہے۔ آپ مندرجہ ذیل دلائل پر غور سے توجہ فرمایئے۔

(۱) قرآن کریم کی یہ آیت کہ لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ یعنی اے امت محمدیہ تو پہلے

تمام لوگوں پر گواہ ہوگی۔ ہم عرض کر چکے ہیں اور اسکی تفسیر میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح حدیث بھی ہدیہ قارئین کر چکے ہیں۔ اگر بغیر معائنہ اور مشاہدہ کے گواہی اور شہادت درست نہیں ہے تو امتِ محمدیہ پہلی امتوں پر کیوں شہادت دیگی جبکہ انھوں نے حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اسی طرح دیگر حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ دیکھا نہ پایا۔ مگر نص قطعی شاہد ہے کہ امتِ محمدیہ گواہی ضرور دیگی۔ اگر گواہ کیلئے معائنہ اور واقعہ میں حاضر ہونا اور دیکھنا ضروری ہوتا تو امتِ محمدیہ یقیناً پہلی امتوں پر گواہ نہ بن سکتی۔ حالانکہ قرآن وحدیث اس پر شاہد ہیں کہ یہ امت پہلی امتوں پر ضرور گواہی دیگی اگرچہ یہ امت پہلی امتوں کے پاس حاضر اور ان کے زمانہ میں موجود نہ تھی؛ اور اگرچہ اس امت نے پہلی امتوں کو اور ان کے اعمال واحوال کو بچشم خود نہیں دیکھا لیکن چونکہ خدا تعالیٰ اور اس کے برحق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس امت کے پاس یہ قطعی اور یقینی خبر پہنچا دی ہے کہ مثلاً حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اسی طرح دوسرے حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے تبلیغ کی ہے اور خدا اور رسول سے بڑھ کر سچا اور معتبر اور کوئی بھی نہیں، لہٰذا ان کے ارشاد پر یقین اور اعتقاد کرتے ہوئے یہ امت شہادت پیش کرے گی۔

(۲) ابوداؤد ج ۲ ص ۱۵۱، ترمذی ج ۲ ص ۱۳۴ اور سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۶۵ وغیرہ میں مروی ہے کہ ایک شخص حضرت بدیلؓ نامی جو مسلمان تھے، دو شخصوں (حضرت تمیمؓ اور حضرت عدیؓ) کیساتھ جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے بلکہ نصرانی تھے ملک شام کو تجارت کے لئے گئے۔ شام پہنچ کر حضرت بدیلؓ بیمار پڑ گئے۔ انھوں نے اپنے مال کی فہرست لکھ کر اپنے مال میں رکھ دی اور اپنے ساتھیوں کو اطلاع نہ دی مرض جب زیادہ بڑھا تو انھوں نے ان دونوں کو وصیت کی کہ میرا سامان میرے وارثوں کو پہنچا دینا۔ انھوں نے حسب وصیت سامان وارثوں کو دے دیا مگر ایک چاندی کا جام جس پر سونے کا پانی چڑھا ہوا تھا، ہضم کر گئے۔ میت کے وارثوں نے پوچھا کہ متوفی نے کوئی سامان فروخت بھی کیا ہے یا وصیت اور خیرات یا علاج پر بھی کچھ صرف ہوا ہے؟ جواب ملا، نہیں۔ وارثوں نے کہا کہ پھر کیا وجہ ہے کہ ایک جام فہرست میں لکھا ہوا ہے مگر تم نے دیا نہیں معاملہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک پہنچا چونکہ میت کے وارثوں

کے پاس گواہ نہ تھے۔ اسلئے مدعیٰ علیہ یعنی ان غیر مسلموں سے قسم لی گئی اور معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ کچھ دنوں کے بعد جام ان دونوں نے کسی سنار کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ جب میت کے وارثوں کو معلوم ہوا تو وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس پر قرآنِ کریم کی چند آیات نازل ہوئیں جن کا ترجمہ یہ ہے :۔

"اے مومنو! گواہی میں جب پہنچے کسی کو صدمہ موت کا وصیت کے وقت، دو شخص معتبر ہونے چاہئیں، تم میں سے ہوں (یعنی مسلمان) یا غیر (مسلم) ہوں (الیٰ قولہ تعالیٰ) پھر اگر خبر ہو جائے کہ دونوں حق دبا گئے تو دو گواہ اور کھڑے ہوں اُن کی جگہ ان میں سے جن کا حق دبا ہے۔ جو سب سے زیادہ قریب ہیں میت کے" آگے الفاظ ملاحظہ فرمائیں :۔

فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا۔ الآیۃ۔ (پ، مائدہ، ع) — پھر قسم اٹھائیں اللہ تعالیٰ کی کہ ہماری شہادت اور گواہی زیادہ قابلِ قبول اور تحقیقی ہے پہلوں کی گواہی سے۔

جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت بدیل کے وارثوں نے شہادت دی کہ جام ہمارا حق ہے چنانچہ آپ نے اُن کو اُن کا حق دلوایا۔ اس واقعہ میں بھی میت کے دو وارثوں کی ایک تحقیقی اور یقینی بات پر شہادت کا اطلاق ہوا ہے جو اصل موقعہ پر نہ حاضر تھے نہ موجود اور قرآنِ کریم کی ان آیات میں موت کے وقت ایسی وصیت کا سفر کی حالت میں بہتر ہونے کا حکم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے ہر مومن کے لئے ثابت ہے۔ اگر شاہد کے لئے اصل واقعہ میں حاضر ہونا اور واقعہ کو بچشم خود دیکھنا ضروری ہوتا تو میت کے قریب تر وارث جو اصل واقعہ میں موجود اور شریک نہ تھے، کیوں کہتے ہیں لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا ہماری گواہی پہلوں کی گواہی سے زیادہ قابلِ قبول ہے۔ اس کا فیصلہ تو فریقِ مخالف ہی کریگا کہ جب اصل واقعہ میں یہ موجود ہی نہیں تو پھر یہ اُس پر شہادت کا اطلاق کیوں کرتے ہیں؟ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انکو ایسے قرائن سے علم ہو چکا تھا جن کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے تھے اور اسی بنا پر ہی انھوں نے شہادت بھی دی۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ شہادت کے لئے اصل واقعہ میں حاضر ہونا اور اسکا معائنہ کرنا اور دیکھنا ضروری نہیں بلکہ کسی معقول ذریعے سے اس چیز کا علمِ یقینی شہادت کے لئے

کافی ہے اور یہ واقعہ حضرت بدیل رضؓ کے وارثوں کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر مومن کو حسب ارشاد خداوندی یہ حکم ہے کہ جب بھی تمہیں میت کے گواہوں پر اعتماد نہ ہو تو تم کھڑے ہو کر شہادت اور گواہی دو۔ اصل واقعہ میں حاضر ہونا ضروری نہیں۔ ہاں بقدر ضرورت علم ہونا ضروری ہے جو کسی معتبر اور ثقہ کے بتلانے نیز دیگر عقلی اور نقلی قرائن اور شواہد سے حاصل ہو سکتا ہے۔

یہ واقعہ سورۂ مائدہ کا ہے اور یہ سورت ان سورتوں میں شمار ہے جو آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ تو عالم الغیب تھے اور نہ حاضر و ناظر ورنہ آپ پہلے ہی اصحاب حق کا حق انکو دلوا دیتے جیسے بعد کو جبکہ صحیح واقعہ اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا اور حق بحق دار رسید پر عمل کر کے دکھا دیا۔ کیا حاضر و ناظر بھی دیدہ دانستہ حق تلفی کیا کرتا ہے۔ العیاذ باللہ تعالیٰ بعینہ او بجودا

(۳) نسائی ج ۲ صفحہ ۱۹۹، ابو داؤد ج ۲ صفحہ ۱۵۸، سنن الکبریٰ ج ۱۰ صفحہ ۱۴۶ اور مستدرک ج ۲ صفحہ ۱۸ وغیرہ میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک دیہاتی سے (جس کا نام سواد بن الحارث تھا) ایک گھوڑا خریدا لیکن اسوقت آپ کے پاس رقم موجود نہ تھی۔ رقم لینے کیلئے آپ جلدی سے اپنے گھر تشریف لے گئے۔ کوئی اور گاہک آیا اور اس نے پہلی طے شدہ رقم سے زیادہ رقم اور قیمت اس دیہاتی کو بتلائی۔ اس نے اسکے ساتھ معاملہ کر دیا جب آپ رقم اور قیمت اسکے ساتھ طے کر چکے تھے تو حصولاً معاملہ پورا ہو گیا تھا۔ اس گنوار کو گھوڑا فروخت کرنے کا کوئی حق نہ تھا لیکن اس نے زیادہ رقم کے لئے بے ایمانی کی اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کہا کہ میں نے تو گھوڑا آپ پر فروخت ہی نہیں کیا۔ آپ مجھ سے کس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا خدا تعالیٰ سے خوف کرو میرا اور تمہارا معاملہ طے ہو چکا ہے۔ میرے ذمے صرف رقم ادا کرنا ہی باقی ہے۔ سو اپنی رقم لے لو اور گھوڑا میرے حوالے کرو۔ دیہاتی بولا۔ آپ براہ مہربانی گواہ پیش کریں کہ میں نے واقعی گھوڑا آپ پر فروخت کر دیا ہے۔ جسوقت یہ معاملہ طے ہوا تھا اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اس دیہاتی کے علاوہ اور کوئی آدمی پاس موجود نہ تھا لیکن حضرت خزیمہ رضؓ گواہی دینے پر آمادہ ہو گئے۔ آپ نے فرمایا جب تم موجود ہی نہ تھے تو تم کس طرح گواہی دیتے ہو۔ حضرت خزیمہ رضؓ نے عرض کیا یہ ٹھیک ہے کہ میں اسوقت موجود نہ تھا لیکن مجھے اس کا یقین ہے کہ انک لا تقول الا الحق۔

بے شک آپ سچ ہی کہا کرتے ہیں۔

جب آپ فرماتے ہیں کہ میں نے گھوڑا خریدا ہے تو یہ بات یقینی ہے کہ آپ نے ضرور خریدا ہی ہے کیونکہ آپ صادق ہیں اس لئے میں گواہی دیتا ہوں۔ حضرت خزیمہؓ کی اس عقیدتمندی اور خلوص کو دربار خداوندی میں اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ ارشاد ہوا جس کے لئے تنہا حضرت خزیمہؓ گواہی دے وہ گواہی پوری ہوگئی حضرت خزیمہؓ کے ساتھ کسی اور گواہی کی ضرورت نہیں۔ وہ تنہا دو گواہوں کے برابر اور قائمقام ہیں۔

اس حدیث سے بھی روز روشن کی طرح یہ ثابت ہوا کہ گواہ کے لئے اصل حادثہ میں حاضر اور موجود ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ کسی معقول ذریعہ سے اصل واقعہ کا علم ہو جانا ہی شہادت کیلئے کافی ہے۔ حضرت خزیمہؓ اگرچہ خرید و فروخت کے وقت موجود نہ تھے لیکن مخلوق میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بڑھ کر سچا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا آپ کے بیان پر یقین اور اعتماد رکھتے ہوئے حضرت خزیمہؓ شہادت اور گواہی دینے پر تل آئے۔

(۴) قرآن کریم اور حدیث شریف سے اسکا ثبوت آپ سن چکے کہ گواہ کیلئے اصل واقعہ میں حاضر اور موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ صحیح حالات کا علم ہو جانا ہی گواہی کیلئے کافی ہے۔ اب آئیے حضرات فقہاء کرامؒ سے بھی سن لیجئے اور ہم حوالہ بھی صرف حضرات فقہاء حنفیہ کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا پیش کرتے ہیں تاکہ نام نہاد سیتی حنفیوں کی آنکھیں کھل جائیں۔ قدوری صفحہ ۲۲۵ میں ہے کہ گواہ کیلئے درست نہیں کہ بن دیکھے کسی چیز کی شہادت دے مگر نسب، موت، نکاح، جماع اور قاضی اور جج کی تقرری کی شہادت بن دیکھے بھی درست ہے۔

اذا اخبرہ بھا من یثق بہ — جبکہ کسی ثقہ اور معتبر آدمی نے گواہی دی ہو۔

یعنی یہ شہادت کہ فلاں شخص فلاں کا لڑکا ہے یا فلاں فوت ہو چکا ہے یا فلاں کا نکاح ہو گیا ہے یا فلاں نے اپنی بیوی سے ہمبستری کی ہے یا فلاں جج یا قاضی منتخب کر لیا گیا ہے۔ اگرچہ ان واقعات اور حالات کو بچشم خود نہ دیکھا ہو۔ لیکن ثقہ اور معتبر آدمی کی خبر اور اطلاع دینے پر گواہی اور شہادت

دینا درست اور صحیح ہے اور صاحب ہدایہ ج ۳ صفحہ ۱۵ میں اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

انما یجوز للشاهد ان یشهد بالاشتهار وذالك بالتواتر او اخبار من یثق به۔ یعنی جو چیز کہ تواتر کی وجہ سے مشہور ہو جائے یا کسی ثقہ اور معتبر نے خبر دی ہو تو شاہد کو جائز ہے کہ گواہی دے دے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ ہر بات اور واقعہ میں گواہ کا حاضر ہونا اور اس کا دیکھنا شہادت کے لئے ضروری نہیں بلکہ اگر وہ خبر مشہور اور متواتر ہو یا کسی معتبر کی بیان کردہ ہو تو اسکی بنیاد پر بھی شہادت درست ہے۔ کہنے والے حضرات فقہاء کرام ہیں اور لطف یہ کہ حضرات فقہاء حنفیہ۔ دیکھئے فریق مخالف کیا کہتا ہے۔

(۵) لغت والے بھی شہادت کا اطلاق ایسی صحیح خبر اور بات پر کیا کرتے ہیں جو اگرچہ خود دیکھی اور سنی نہیں لیکن کسی معتبر نے خبر دی ہو۔ ملاحظہ فرمایئے۔ صراح ج ۱ ص ۱۳۲ میں لکھا ہے۔ شہادت خبر درست و آگاہی قاطع یعنی سنی ہوئی بات بھی گواہی ہے جس کا معائنہ نہیں ہوا۔ اور وہ معائنہ بھی گواہی ہے جو بچشم خود کیا ہو تو جیسے آگاہی قاطع پر شہادت کا اطلاق صحیح ہے اسی طرح خبر درست بھی گواہی ہے اگر شہادت کے لئے حاضر اور موجود ہونا ضروری ہوتا تو خبر درست کے چکر لگانے کی ائمہ لغت کو کیا مصیبت پڑی ہے؟

اس سے بھی معلوم ہوا کہ کسی یقینی بات پر اور درست خبر پر بھی شہادت کا اطلاق درست ہے۔

عرف عام میں بھی ضروری نہیں کہ گواہ صرف ایسی ہی چیز کی شہادت دے جس کو خود اس نے آنکھوں سے دیکھا ہو۔ بلکہ کسی چیز کے متعلق صحیح علم ہونے پر بھی شہادت درست ہے۔ مثلاً ہم نے ذات باری تعالیٰ کو دیکھا نہیں لیکن ہم شہادت دیتے ہیں کہ وہ یقیناً موجود ہے۔ اسی طرح ہم گواہی دیتے ہیں کہ فرشتے موجود ہیں جنت اور دوزخ موجود ہیں۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک تمام حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دنیا میں تشریف لائے اور رسول ہونے کی شہادت ہم دیتے ہیں بلکہ حضرات صحابہ کرام کے وجود کی بھی شہادت دیتے ہیں مگر ہم نے بچشم خود ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا ہم عذاب قبر، میدان حشر اور پل صراط وغیرہ سینکڑوں چیزوں کی شہادت دیتے ہیں مگر ہم نے ابھی تک کچھ نہیں دیکھا۔ ہم اسکی بھی شہادت دیتے ہیں کہ بے شمار قومیں دنیا میں آئیں اور تباہ ہو گئیں۔ زمین سے اُٹھتے ہو

اور آسمان سے برستے ہوئے پانی کا طوفان آیا۔ آندھی کا جھکڑ آیا۔ زلزلے کی صاعقہ انداز کڑک آئی۔ آسمان سے پتھر برسے۔ مگر ہم نے دیکھا کچھ بھی نہیں۔ کیوں شہادت دیتے ہیں۔ اسلئے کہ خدا تعالیٰ اور اسکے رسولِ برحق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں پختہ خبریں دی ہیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس سینکڑوں بادشاہ دنیا میں آئے اور گئے۔ آج بھی ہم بے شمار ملکوں اور قوموں، بادشاہوں اور شخصیتوں کے وجود کی شہادت دیتے ہیں مگر ہم نے انھیں دیکھا نہیں۔ کیوں شہادت دیتے ہیں؟ اسلئے کہ ہمارے پاس بہت سے دلائل اور براہین موجود ہیں یقینی اور صحیح خبریں ہیں۔ اگر شہادت کے لیے یہ ضروری ہوتا کہ بچشم خود دیکھا جائے یا گواہ اصل واقعہ میں حاضر اور موجود ہو تو ہم ایک چیز کی شہادت بھی نہیں دے سکتے۔ اذان تک نہیں کہہ سکتے کیونکہ ہمیں اصلی گواہی دینا پڑتی ہے کہ:

اشھد ان محمدا رسول اللہ — میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں

بتلایئے آجکل کس مؤذن نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ہے؟ اور کس مؤذن نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی لے کر آتے دیکھا ہے مگر گواہی اور شہادت وہ باقاعدہ دیتا رہتا ہے۔ الحاصل قرآن کریم، حدیث شریف، فقہ، لغت اور عرفِ عام سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شاہد اور گواہ کے لئے اصل واقعہ میں موجود اور حاضر ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ کسی معقول وجہ سے اس چیز کا علم ہو جانا ہی کافی ہے مگر فریقِ مخالف کی کوتاہ فہمی اور جہالت دیکھیئے کہ اس نے کاغذ کی کشتی پر سفر کی ٹھان لی ہے۔ کیا فریقِ مخالف مدینہ طیبہ کے وجود کی شہادت دیتا ہے اور کیا ہر فرد بشر نے مدینہ منورہ کی زیارت کی ہے۔ اگر نہیں تو شہادت کا کیا مطلب؟ ہم تو مدینہ طیبہ سے عقیدت اور محبت کو ایمان کی جزو سمجھتے ہیں۔ سنئے کیا خوب کہا گیا ہے

الٰہی کیسی پُر انوار گلیاں ہیں مدینہ کی — خداوندا! انھیں دیکھا نہیں ہے نام سنتے ہیں
درِ محبوب پہ پہنچیں یہی ارمان ہے دل میں — مریضِ عشق پاتا ہے وہاں آرام سنتے ہیں
وہ یاد آتے ہیں تو اک ہوک سی اٹھتی ہے سینہ میں — کلیجہ تھام لیتے ہیں جب انکا نام سنتے ہیں

ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ قارئین کرام کے خیال میں یہ اعتراض پیدا ہو جائے کہ جب شاہد اور شہید

کے لئے اصل واقعہ میں حاضر اور موجود ہونا ضروری نہیں بلکہ کسی معتبر کے بتلانے پر بھی وہ شہادت دے سکتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر شاہد اور شہید کا اطلاق صحیح اور درست نہ ہوگا کیونکہ اس سے تو کوئی چیز مخفی نہیں اور وہ اپنے علم اور قدرت وذات کے لحاظ سے جیسا کہ اسکی شان کے مناسب ہے ہر جگہ موجود اور حاضر ہے۔

جواب: اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ ایک ہی لفظ اپنے محل اور موقع کے اعتبار سے اگر ایک معنیٰ ادا کرتا ہے تو یہی لفظ دوسرے محل اور موقع پر الگ اور جدا معنیٰ دے گا۔ دیکھئے لفظ مولےٰ عربی زبان کے لحاظ سے خادم پر بھی اطلاق ہوتا ہے اور آقا اور مالک وغیرہ بھی یعنی دو متضاد مفہوموں پر بولا جاتا ہے مگر اپنے اپنے محل اور موقع میں وہ جداگانہ معنیٰ دیتا ہے۔ یا دیکھئے رؤف اور رحیم خدا تعالیٰ کی صفت ہے مگر قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی صفت بھی رؤف اور رحیم آئی ہے لیکن خدا تعالیٰ کے لئے ذاتی، قدیم اور وہ صفت مراد ہو گی جو اس کی شان کے لائق ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وہ صفت ہو گی جو مخلوق کے اعلےٰ اور افضل فرد کے لئے ہو سکتی ہے یا جیسے لفظ حفیظ اور علیم اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے اور یہ صفت قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بھی آئی ہے مگر ہر ایک اپنے موقع اور محل پر مناسب معنیٰ میں مستعمل ہے۔ یا قرآن کریم میں دیکھئے کہ سمیع اور بصیر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مگر قرآن کریم ہی میں یہ انسان کی صفت بھی بیان کی گئی ہے اور انسان بھی عام ہے کہ مسلمان ہو یا کافر، مرد ہو یا عورت، سمیع اور بصیر ہے لیکن سب جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اس معنیٰ میں سمیع اور بصیر ہے جو اسکے شایان شان ہے اور انسان اس معنیٰ کے لحاظ سے سمیع اور بصیر ہے جو اس کے مناسب حال ہے۔ یا آیئے اپنے مشہور ومعروف محاورہ کو دیکھ لیجئے کہ لفظ "میاں" متعدد مقامات پر بولا جاتا ہے مگر اپنے اپنے موقع اور محل پر وہ جداگانہ معنیٰ دیتا ہے۔ یہ نہیں کہ سب جگہوں پر ایک ہی معنیٰ ہو مثلاً کہتے ہیں اللہ میاں، میاں بیوی، بڑے میاں، مسجد کے امام کو میاں جی، باپ، دادا اور نانا وغیرہ کو بھی میاں کہتے ہیں اور طوطے کو بھی میاں کہتے ہیں۔ سنا ہی ہوگا "میاں مٹھو چوری کھا"۔ لیکن ہر ایک جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے وہی مراد ہو گی جو اس کی شان رفیع کے لائق ہے اور میاں مٹھو کے لئے بھی وہی ہو گی جو اسکے

مناسب ہے۔ اسی طرح آپ شاہد اور شہید کو سمجھیے کہ جب یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جائے گا، تو اس کے لئے وہی معنیٰ ہوگا جو اس کے لائق ہے۔ چونکہ وہ ہر ایک کے قریب ہے۔ دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔ ہر ایک کے ظاہر و باطن سے واقف ہے اس لئے جیسا کہ اس کے لئے شاہد اور شہید سے گواہ کا معنیٰ درست ہے اسی طرح اس کے لئے حاضر و ناظر کا معنیٰ بھی درست ہے لیکن کسی اور کے لئے دلائل مذکورۃ الصدر کے رو سے شاہد اور شہید سے حاضر و ناظر مراد لینا صحیح نہیں ہے بلکہ غلط اور کفر و شرک ہے۔ ع

گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی

قارئین کرام ہم نے لفظ شاہد اور شہید سے فریقِ مخالف کا استدلال اور اس کا پس منظر آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے۔ اب فریقِ مخالف کے ہاتھ میں سے

شیشہ ہے جام ہے نہ خم اصل تو رد نقیں ہیں گم
لاکھ سجا رہے ہو تم بزم ابھی سجی نہیں!

فریقِ مخالف کی دوسری دلیل اور اس کا حل

مخالفین قرآن کریم کے اس جملہ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ سے بھی آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کیا کرتے ہیں (دیکھئے مقیاس حنفیت صہ۲۷ وغیرہ) ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم قارئین کرام کے سامنے قرآن کریم کے اس جملہ کا محل وقوع اور شانِ نزول بتا کر اس سے جواب کی طرف توجہ کریں۔ ملاحظہ فرمائیے ایک مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے :

،، يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ۝ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ

(پ۴ آل عمران، رکوع ۱)

اے ایمان والو، اگر تم کہنا مانو بعض اہل کتاب کا تو کر دیں گے وہ تم کو ایمان لانے کے بعد کافر اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو اور تم پر پڑھی جاتی ہیں اللہ کی آیتیں اور تم میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔

(۲) اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے :-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًۢا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ (پ ۲۶، حجرات، رکوع ۱)

اے ایمان والو اگر آئے تمھارے پاس کوئی گنہگار خبر لے کر تو تحقیق کرو کہیں جا پڑو کسی قوم پر نادانی سے پھر کل کو اپنے کیے پر پچھتانے لگو اور جان لو کہ تم میں اللہ کا رسول ہے۔ اگر وہ تمھاری بات مان لیا کرے بہت کاموں میں تو تم پر مشکل پڑے۔

فریقِ مخالف کا کہنا ہے کہ جملہ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ (اور تم میں اللہ کا رسول ہے) سے تمام اُمّت مراد ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم بنفسِ نفیس ہر وقت اُمّت میں حاضر رہتے ہیں تو آپ حاضر و ناظر ہوئے۔

جوابِ اوّل: قرآن کریم کے جملہ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ سے خطاب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام اُمّت کو نہیں بلکہ آپ کے بعض حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہے (جو ان آیات کے نزول کا داعیہ اور سبب تھے اور جن کی اصلاح اور طہارت اللہ تعالیٰ کو منظور تھی) چنانچہ واقعۂ اولیٰ کا شانِ نزول یہ ہے کہ انصار مدینہ کے باہم دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کی آپس میں سخت عداوت اور دشمنی تھی۔ اور بعاث کی مشہور جنگ ان میں ایک سو بیس سال تک رہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت پر انکی قسمت کا ستارہ چمکا اور اسلام کی تعلیم اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت نے دونوں قبیلوں کو جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، ملا کر شیر و شکر کر دیا تھا۔ یہودِ مدینہ کو ان دونوں قبیلوں کا مل کر بیٹھنا اور متفقہ طاقت سے اسلام کی حمایت کرنا بڑا ناگوار تھا۔ چنانچہ یہودِ مدینہ نے ایک دفعہ موقع پا کر ان دونوں قبیلوں میں جنگِ بعاث کا ذکر چھیڑ دیا۔ چند اشعار سنائے۔ اشعار کا سننا ہی تھا کہ ایک مرتبہ بجھی ہوئی آگ کی چنگاریاں پھر سلگ گئیں۔ زبانی جنگ سے گزر کر ہتھیاروں کی جنگ شروع ہونے کو تھی کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع مل گئی۔ آپ جماعت مہاجرین

کو ساتھ لے کر موقع پر پہنچ گئے۔ اوس اور خزرج کو سمجھایا۔ وہ سمجھ گئے۔ ان آیات میں پہلے یہود کو ملامت کیا گیا ہے اور پھر مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں تم پر پڑھی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا رسول تم میں موجود ہے۔ پھر انکی موجودگی میں تم کیوں لڑائی پر آمادہ نظر آتے ہو اور کیوں یہود بے بہبود کے کہے لگ کر خون خرابہ پر تلے ہوئے ہو؟ (دیکھئے تفسیر ابن کثیرؒ ج ا صفحہ ۳۸۹ وغیرہ کتب تفسیر)۔

دوسرے واقعہ کا شانِ نزول یہ ہے اور حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ اس پر حضرات مفسرین کرامؒ کا اجماع ہے (بحوالہ البدایہ والنہایہ ج ۸ صفحہ ۲۱۴) کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت ولیدؓ بن عقبہ کو قبیلہ بنی مصطلق کے پاس زکوٰۃ کی وصولی کے لئے روانہ کیا۔ چونکہ حضرت ولیدؓ کا قبل از اسلام قبیلۂ مذکورہ سے اختلاف تھا۔ اسی قدیم عداوت کی وجہ سے وہ اپنے دل میں اس قبیلہ سے خائف تھے۔ جب یہ گئے تو قبیلۂ مذکورہ نے سُنا کر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قاصد اور عامل ہمارے پاس آ رہے ہیں تو وہ استقبال کرتے ہوئے بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ آگے کو آئے۔ حضرت ولیدؓ کو یہ وہم ہوا کہ شاید دیرینہ عداوت کی بناء پر یہ مجھے قتل کرنے آئے ہیں۔ حضرت ولیدؓ واپس ہو گئے۔ کیا بعید کہ تیز گامی پر بھی انھوں نے عمل کیا ہو اور قبیلۂ مذکورہ نے انکی بلا وجہ واپسی اور سرعت رفتاری پر ان کا تعاقب بھی کیا ہو۔ جس سے ان کے بے جا وہم میں اور بھی اضافہ ہوا ہو۔ الغرض یہ واپس ہوئے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس قبیلہ کی شکایت کی کہ حضرت! وہ تو مرتد ہو گئے ہیں اور مجھے قتل کرنے آ رہے تھے قسمت نے یاوری کی کہ میں بھاگ نکلا۔ آپ نے تحقیقِ حال کے لئے حضرت خالدؓ کو بھیجا۔ وہ وہاں گئے اور حالات کا جائزہ لیا۔ بات کچھ بھی نہ تھی۔ وہ لوگ مخلص مسلمان تھے۔ یہ فقط حضرت ولیدؓ کا بیجا وہم تھا (دیکھئے تفسیر ابن کثیرؒ ج ۴ صفحہ ۲۰۹ وغیرہ) اس پر قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہوئیں اگرچہ حضرت ولیدؓ فاسق نہ تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے ایک عام قانون بتلایا کہ جب بھی کوئی شریر آدمی کوئی بات کہے تو بلا تحقیق اس پر عمل نہ کیا کرو۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی ایسی قوم پر چڑھائی

جو مجرم نہ تھی۔ انہی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام رضی کو ارشاد فرمایا ہے کہ تم حزم و احتیاط سے کام لیا کرو کیونکہ تم میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اگر وہ تمھاری بہت سی باتیں مان لیا کریں تو تم دین اور دنیا کے مصائب اور تکالیف میں گھر کر رہ جاؤ گے۔ غرضیکہ جملہ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ سے خطاب حضرات صحابہ کرامؓ کو ہے نہ کہ تمام امت کو۔ اور اگر بالفرض یہ خطاب عام بھی ہو تب بھی صرف مومنوں کو ہوگا (جیسا کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا سے ظاہر ہے)۔ اور ہر جگہ اور ہر ایک کے حق میں حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ پھر بھی باطل ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔

جواب دوم: پہلا واقعہ سورۂ آل عمران میں مذکور ہے جس کے بعد پچیس ۲۵ سورتیں (جنکا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں) نازل ہوئی ہیں (تفسیر اتقان ص۱۹) اور دوسرا واقعہ سورہ حجرات کا ہے جسکے بعد سات سورتیں (تحریم، جمعہ، تغابن، صف، فتح، مائدہ اور توبہ) نازل ہوئی ہیں۔ (تفسیر اتقان ص۱۹) اگر جملہ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ سے آپ کا ہر وقت اور ہر ایک کے لئے حاضر و ناظر ہونا مراد ہوتی تو اس واقعہ کے بعد قرآن کریم کی جو سورتیں نازل ہوئی ہیں ان میں آپ کی ہر جگہ عدم موجودگی اور غیر حاضری کا ثبوت کیوں ہے؟ ہم سورۂ تحریم سے شہد والا قصہ اور ایک زوجہ مطہرہ رضی کا آپ سے ایک نجی واقعہ کے متعلق کہ "آپ سے کس نے بیان کیا ہے؟" کا سوال عرض کر چکے ہیں۔ سورۂ آل عمران سے بعد کو نازل ہونے والی سورت منافقین کا شان نزول اور حضرت زید رضی بن ارقم کا واقعہ بھی عرض کر چکے ہیں۔ سورۂ مائدہ کا میت کے وارثوں کے متعلق شہادت کا واقعہ بھی پیش کر چکے ہیں۔ سورۂ نساء سے بشیر نامی منافق کا قصہ بھی نقل کر چکے ہیں۔ اور تفسیر اتقان کے حوالے سے یہ بھی نقل کر چکے ہیں کہ سورۃ النساء، سورۂ آل عمران کے بعد نازل ہوئی ہے اور سب سے آخر میں نازل ہونے والی سورۃ توبہ سے مسجد ضرار اور منافقین کی سازشوں کے واقعات بھی نقل کر چکے ہیں اور یہ بھی کہ سورۃ آل عمران سے سورۂ نور بعد کو نازل ہوئی۔ اب آپ سورۂ نور کی چند آیات کا شان نزول حضرت عائشہ صدیقہؓ سے (صحیح بخاری ج۲ ص۵۹۳ وغیرہ کی تحقیق سے) اجمالاً سن لیجئے۔ وہ فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک غزوہ (یہ غزوہ مریسیع تھا جو شعبان ۵ھ میں ہوا تھا۔ تاریخ ابن ہشام ج۲ ص۲۹۵ علی الزاد) میں شریک تھی۔ پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا۔

مجھے اُونٹ پر کجاوہ میں سفر کرنا پڑتا تھا جنگ ختم ہوئی تو واپس ہوئے۔ رات کو ایک مقام پر آپ نے بمع اپنے حضرات صحابہ کرام رضؓ کے آرام کیا اور اعلان کیا کہ ہم صبح سویرے ہی چل پڑیں گے۔ جب صبح ہوئی تو میں قضائے حاجت کے لئے ذرا دور چلی گئی۔ تقدیر امیرا ایک موتیوں کا ہار ٹوٹ گیا میں اُسے تلاش کرتی رہی اور دیر ہو گئی۔ جو آدمی میرا کجاوہ اُونٹ پر لادنے پر تعینات تھے، انھوں نے میرا کجاوہ اٹھایا اور اونٹ پر رکھ دیا یہی خیال تھا کہ حضرت عائشہ رضؓ کجاوہ میں ہوں گی جب میں دیر کے بعد اپنی جگہ واپس آئی تو دیکھا کہ آنحضرت صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم بمع قافلہ جا چکے ہیں میں وہیں حیران ہو کر بیٹھ گئی حضرت صفوانؓ بن معطل قافلے کے پیچھے آ رہے تھے مجھے نزولِ حجاب سے پہلے انھوں نے دیکھا تھا مجھے دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گئے۔ اپنا اُونٹ بٹھایا اور مجھے اس پر سوار کیا اور قافلہ میں جا پہنچایا۔ منافقوں کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے حضرت عائشہ رضؓ کو حضرت صفوانؓ سے بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا (العیاذ باللّٰہ تعالیٰ) غرضیکہ آنحضرت صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضؓ کو تقریباً ایک ماہ پریشانی رہی حتیٰ کہ سورۂ نور نازل ہوئی اور معاملہ صاف ہوا۔

قارئین کرام: یہ بات نہ بھول جائیں کہ اگرچہ آنحضرت صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو حضرت عائشہ رضؓ کی عفت کے بارے میں حالات اور قرائن سے یہ خیال تھا کہ حضرت عائشہ کا کوئی قصور نہیں چنانچہ آنحضرت صلّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے حضرت عائشہ رضؓ کی ذاتی پاکدامنی اور عفت کے اثبات کے لئے اپنے معلومات کی بناء پر منبر پر حلفیہ بیان بھی ارشاد فرمایا تھا کہ واللّٰہ مجھے اپنی اہلیہ کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے مگر اس سے قطعی علم پر استدلال جیسا کہ مولوی محمد عمر صاحب نے کیا ہے (دیکھئے مقیاس ص ۴۰۹) باطل ہے علم قطعی اور یقینی نزولِ وحی سے پہلے پھر بھی نہ تھا۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۶ کے یہ الفاظ دیکھئے۔ آنحضرت صلّے اللّٰہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:-

یا عائشۃ ..... ان کنت بریئۃ	اے عائشہ رضؓ! اگر تو اس تہمت سے بری ہے تو اللّٰہ تعالیٰ تجھے
فسیبرئک اللّٰہ وان کنت الممت	اس تہمت سے پاک کر دے گا اور اگر تجھ سے گناہ صادر ہو
بذنب فاستغفری اللّٰہ وتوبی الیہ	چکا ہے تو اللّٰہ تعالیٰ سے معافی مانگ اور توبہ کر کیونکہ جب

فان العبد اذا اعترف ثم تاب تاب الله عليه۔

بندہ اپنے گناہ کا اقرار کرکے توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ضرور قبول کرتا ہے۔

پہلے اس واقعہ کے تمام اجزاء سے نگاہ ہٹا لیجئے اور فقط اسی حصہ کو دیکھئے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر (اور عالم الغیب) تھے تو آپ نے حضرت عائشہؓ کو دیدہ دانستہ پیچھے کیوں چھوڑا؟ جس پر آپ کو بھی اور دیگر اکابر صحابہؓ کو اور خصوصیت سے حضرت عائشہؓ کو بے حد پریشانی ہوئی۔ کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیدہ دانستہ اپنی اہلیہ محترمہ کو ایک مہینہ پریشان کیا، اور قصداً و ارادۃً منافقوں سے اتہام لگوایا (العیاذ باللہ تعالیٰ) بینوا توجروا۔ ع

جسے سمجھ نہ سکیں گے بجز اہل حق بسمل ۔۔۔ وہ اختیار کیا طرز زندگی میں نے

حضرت ملا علی القاری الحنفی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:-

ولما جرى لام المومنين عائشة رضي الله عنها ما جرى ورماها اهل الافك لم يكن يعلم حقيقة الامر حتى جاءه الوحي من الله تعالى ببرأتها وعند هؤلاء الغلاة انه عليه السلام كان يعلم الحال وانه غيرها بلا ريب واستشار الناس في فراقها ودعا ريحانة رضي الله عنها فسالها وهو يعلم الحال وقال لها ان كنت المت بذنب فاستغفري الله وهو يعلم علماً يقيناً انها لم تلم بذنب ولا ريب ان الحال لهؤلاء على هذا الغلو اعتقادهم انه يكفر عنهم سيئاتهم ويدخلهم الجنة وكلما غلوا كانوا اقرب اليه۔

اور جب حضرت ام المومنین عائشہؓ کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا اور بہتان تراشوں نے انکو متہم کیا تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اصل حقیقت کا علم نہ ہو سکا تا آنکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی اور انہیں حضرت عائشہؓ کی براءت کا ذکر کیا گیا مگر اس غلو پرست فرقہ کا خیال یہ ہے کہ آپ بلاشک و شبہ حقیقت حال سے آگاہ تھے اور چند لوگوں سے حضرت عائشہؓ کی جدائی اور طلاق کا مشورہ کرتے رہے اور باوجود علم کے حضرت ریحانہؓ سے بھی آپ نے دریافت کیا اور آپ نے علم کے باوجود یہی کہا کہ اے عائشہؓ اگر تجھ سے گناہ سرزد ہو چکا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لے اور یہ فرقہ کہتا ہے کہ آپکو علم یقینی حاصل تھا کہ حضرت عائشہؓ میں کوئی عیب نہیں مگر جان بوجھ کر ایسا کرتے رہے والعیاذ باللہ تعالیٰ، اسمیں شک کی گنجائش نہیں کہ اس فرقہ کا باوجود اس غلو

واخص به فهم اعصی الناس لامرہٖ واشد هم مخالفۃ لسنتہٖ وهؤلاء فیهم شبه ظاهر من النصاریٰ غلوا علی المسیح اعظم الغلو وخالفوا شرعه ودینه اعظم المخالفۃ والمقصود ان هؤلاء یصدقون بالاحادیث المکذوبۃ ویحرفون الاحادیث الصحیحۃ واللّٰہ ولی دینه فیقوم من یقوم له بحق النصیحۃ۔

(انتهٰی بلفظہٖ)

موضوعات کبیر ص۱۲

کے یہ عقیدہ ہے کہ آپ انکے گناہوں کو مٹا دیں گے اور انکو جنت میں داخل کر دیں گے اور یہ بھی انکا خیال ہے کہ جتنا بھی وہ غلو کریں گے اتنا ہی حضور علیہ السلام کا قرب ان کو حاصل ہوگا اور وہ آپکے خاص ترین لوگوں میں شامل ہونگے۔ درحقیقت یہ لوگ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حکم کے سب سے زیادہ نافرمان اور آپکی سُنت کے سب سے بڑھکر مخالف ہیں اور ان میں نصاریٰ کی سی مشابہت پائی جاتی ہے۔ انھوں نے حضرت مسیحؑ کے بارے میں انتہائی غلو کیا اور انکے دین اور شریعت کی بڑی مخالفت کی اور ان لوگوں کا مقصد بھی صرف یہ ہے کہ خالص جعلی اور جھوٹی روایتوں کو تسلیم کرتے ہیں اور صحیح احادیث کی تحریف کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ خود اپنے دین کا نگران ہے اسلئے خدا تعالیٰ اپنے دین کی حفاظت کیلئے اہلِ حق کو ضرور کھڑا کرتا رہیگا جو خالص دین لوگوں کے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔

یہ عبارت بھی ملاحظہ کیجئے اور مفتی احمد یار خان صاحب کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ کیجئے کہ صدیقہ سیدالانبیاء کی زوجہ پاک ہیں ان سے یہ قصور ہو سکتا ہی نہیں۔ الیٰ ان قال غرضیکہ علم تو تھا اظہار نہ تھا (جاء الحق ص۱۲۱) سبحان اللہ ایسے مفتی پیدا ہوتے رہے تو دین کا خدا ہی حافظ ہے مگر ع۔

جو کچھ فلک دکھائے سو ناچار دیکھنا

قارئین کرام علامہ موصوف نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ سب کچھ فرقہ بریلویہ میں موجود ہے جس کی وکالت مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کر رہے ہیں۔

جواب سوم: اگر فیکم رسولہٗ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا مراد ہو، جیسا کہ فریق مخالف کا خام خیال ہے تو لازم آئے گا کہ قرآن کریم کی آیات کا آپس میں تعارض اور تضاد واقع ہو اور یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تعارض کا شائبہ بھی پایا جاتا ہو کیونکہ اگر وفیکم رسولہٗ سے مراد

یہ ہو کہ آپ ہر جگہ اور ہر مقام میں حاضر و ناظر ہیں، تو قرآن کریم ہی کی ایک دوسری آیت کا یہ مضمون ہے کہ آپ کو بُری مجلسوں میں حاضر اور شریک ہونے کی قطعاً اجازت نہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ:-

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۔ (پ۷۔ انعام۔ رکوع ۸)

اور جب دیکھے تو ان لوگوں کو جو مزاح اڑاتے ہیں ہماری آیات کے تو ان سے کنارہ کر، یہاں تک کہ وہ مشغول ہو جائیں کسی اور بات میں اور اگر بھلا دے تجھ کو شیطان تو مت بیٹھ یاد آنے کے بعد ظالموں میں۔

اس آیت سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو خلافِ شرع مجالس میں شریک اور حاضر ہونے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ خلافِ شرع مجالس میں کتنی توسیع ہے۔ شراب کی مجلس، زنا کی مجلس، قرآن کریم سے استہزاء اور مقابلہ کی مجلس، گانے اور بجانے کی مجلس، غیبت اور چغلی کی مجلس، ڈاڑھی تراشنے کی مجلس، جوا بازی کی مجلس، ننگے ناچ کی مجلس، تھیٹر اور سنیما وغیرہ کی ہزارہا ایسی مجالس ہیں جن میں ہم جیسا گنہگار انسان بھی شریک ہونا ہرگز گوارا نہیں کرتا، چہ جائیکہ ایسی ناپاک اور غیر شرعی مجالس میں خدا تعالیٰ کے نیک اور بزرگ بندوں کو حاضر و ناظر سمجھا جائے اور خصوصاً فخرِ موجودات، سردارِ رُسل، امام الانبیاء، خاتم النبیین حضرت محمد صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو (نعوذ باللہ تعالیٰ) اور پھر مزید لطف یہ کہ معاصی اور اعمالِ سیئہ کی بدبو، رائحہ کریہہ اور تعفّن ایسی گندی چیزیں ہیں جن کو ملائکۃ اللہ، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور کبھی کبھی عبادِ صالحین بھی محسوس کر لیتے ہیں، چنانچہ علامہ منذری ترغیب و ترہیب ج ۳ صفحہ ۲ میں مسند احمد کے حوالہ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے، کہ ایک سفر میں ہم جناب رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے کہ یکایک ایک بدبو اٹھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے؟ یہ بدبو ان لوگوں کے مونہہ سے آ رہی ہے جو اس وقت مسلمانوں کی غیبت کر رہے ہیں۔ اور ترمذی ج ۲ صفحہ ۱۹ میں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ اس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے جب فرشتہ اتنی دور چلا جاتا ہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایسی بدبو میں کیوں حاضر ہو سکتے ہیں جن کی لطافت اور پاکیزگی کی مثال دنیا پیش کرنے سے عاجز ہے۔

قارئین کرام آپ ان بدلتے نام صحبتوں سے پوچھیے کہ تم تو گندگی اور غلاظت کے انبار میں ہر وقت حاضر رہتے ہو۔ کفر شرک اور بدعت اور کذب بیانی تمہارا سرمایہ ہے۔ بھلا تمہارے پاس جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو کیا حاضر ہوتے، تمہاری مجالس سے تو رحمت کے فرشتے بھی بھاگ جاتے ہیں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں فوٹو دیکھ کر داخل نہیں ہوئے تھے تاوقتیکہ اسکو پھاڑ کر پرزہ پرزہ نہ کر دیا تھا۔ (بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۸۵ وقال متفق علیہ) مگر آج دیکھیے ہر گھر صنم کدہ اور بت خانہ بنا ہوا ہے۔ (الا ماشاء اللہ تعالیٰ) اور ان بدلتے نام صحبتوں کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ ہر جگہ موجود اور حاضر ہیں۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ تعالیٰ ؎

رشتۂ عمر میں اک اور گرہ ڈال گئے   دل کو بھی توڑ گئے ناخنِ تدبیر کیا تھا

قارئین کرام ایسے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حکم تھا کہ آپ ناجائز اور بری مجالس میں قطعاً شریک نہ ہوں۔ اب آپ عام مومنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد سنیے:۔

فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ (پ۵، نساء، رکوع ۲۰)

کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیات پر مجرمین کی طرف سے انکار اور ہنسی کرتے سنو تو نہ بیٹھو انکے ساتھ حتی کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں ورنہ تم بھی ان جیسے ظالم ہو جاؤ گے

قارئین کرام! اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم بردار بندوں کو یہ حکم ہے کہ وہ خلاف شرع مجالس میں نہ بیٹھیں ورنہ وہ بھی ظالم ہو جائیں گے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بزرگانِ دین اور اولیا اللہ بھی زنا وغیرہ کی بری مجالس میں قطعاً شریک نہیں ہوتے لیکن فریق مخالف کا عقیدہ یہ ہے کہ بزرگ عورت کے رحم میں نطفہ پڑنے کو بھی دیکھتے ہیں عام اس سے کہ نطفہ حلال کا ہو یا حرام کا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ تعالیٰ

قارئین کرام! فریقِ مخالف سے پوچھیے کہ تمھارے نزدیک بزرگ وہی ہوتا ہے جو قرآنِ کریم کی مخالفت پر کمر بستہ ہو؟ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی پر آمادہ ہو؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اگر فریقِ مخالف کو قرآنِ کریم اور حدیث سے لاعلمی ہے تو وہ لوگوں کو گمراہ کرنے کے وعظ چھوڑ دے ؎

جاؤ تم عالمِ فرصت کا تماشا دیکھو　　چھوڑ دو گردشِ تقدیر کو تقدیر کے ساتھ

جوابِ چہارم:۔ اگر وَفِیْکُمْ رَسُوْلُہٗ سے مُراد یہ ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ موجود اور حاضر ہیں تو بتلایئے کہ مختلف قسم کے اور گوناگوں عذاب دُنیا میں پہلے بھی اور اب بھی کیوں ظاہر اور نازل ہوتے ہیں؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد تو یہ ہے کہ:۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ　　اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے

(پ۹، انفال، رکوع ۴)　　ہوتے ہوئے اُن کو عذاب دے۔

چونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ اسلئے آپ کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں آسکتا۔ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ تم میں دو امان تھے جن کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا عذاب نازل نہیں ہوتا تھا۔ ایک امان تو دنیا سے چلا گیا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجودِ مسعود تھا اور دوسرا باقی ہے۔ وہ دُعا اور استغفار ہے (ملخصاً مستدرک ج ا ص ۵۴۲) دیکھیے جب حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہود کی ایک گہری سازش سے متاثر ہوکر آپس میں لڑائی اور جنگ کی ٹھان لی اور حیوش و حسد دراز تک ایک دوسرے سے نبرد آزما اور برسرِ پیکار بھی رہے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موقعہ پر تشریف لے جانے کے بعد فوراً ان میں ایسی محبت، رقت اور رافت طاری ہوئی جس کا عالمِ اسباب میں وہم اور گمان بھی نہ ہو سکتا تھا۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری اور موجودگی کا ہی اثر ہے۔ مگر آج ایک ہی کلمہ گو کے گھر میں باپ اور بیٹے کی آپس میں نہیں بنتی اور بھائی بھائی کا دشمن ہے مفتی احمد یار خان صاحب کا یہ کہنا کہ عام عذاب تو قیامت تک کہیں کسی جگہ بھی نہ آوے۔ (جاء الحق صفحہ ۱۴۲) سراسر باطل ہے کیونکہ مختلف قسم کے عذاب اب تک نازل ہو چکے ہیں اور برابر ہو رہے ہیں اور قیامت تک ہوتے رہیں گے اور کوئی باشعور انسان اس کا انکار نہیں کر سکتا

یہ ٹھیک ہے کہ آپ کی برکت سے تمام اُمت پر بیک وقت عمومی عذاب قیامت تک نہیں آئے گا مگر نفسِ عذاب کا کون انکار کر سکتا ہے؟ جیسا کہ آنے والی حدیثیں اس کا واضح ثبوت پیش کرتی ہیں۔

ایک اور طرز

اگر جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر میں حاضر ہیں جیسا کہ مخالفین کا گندہ خیال ہے اور جس کی بحث آرہی ہے تو ثابت ہوا کہ کسی بھی مُردہ کو عذابِ قبر نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم آپ کی موجودگی میں سزا نہیں دیا کرتے۔ لیکن مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ کافروں اور منافقوں کو تو یقیناً اور بعض گنہگار مسلمانو کو بھی قبر میں ضرور عذاب ہوتا ہے۔ جب آپ کی موجودگی میں مشرکینِ مکہ عذاب سے بچ گئے جن کے لئے اعلےٰ درجہ کی اتمامِ حجت ہو چکی تھی اور جنھوں نے آپ کی ایذا رسانی میں بھی کوئی کمی نہ کی تھی تو دوسرے بیچارے مشرک آپ کی موجودگی میں کیوں عذابِ قبر میں مبتلا ہوں۔ ؎

ہے رو کش آفتاب عالم بغیر پردہ جلا وجلوہ وہاں لگائی ہے آنکھ دل نے جہاں مجالِ نظر نہیں ہے

(صحیح مسلم ج ۲ صفحہ ۳۰۸) میں یہ حدیث آتی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا وجود میرے صحابہؓ کے لئے باعثِ امن ہے جب میں چلا گیا تو صحابہؓ پر مختلف فتنے ظاہر ہو جائیں گے اور میرے صحابہؓ میری اُمت کے لئے باعثِ امن ہیں۔ جب صحابہؓ دنیا سے چلے جائیں گے تو اُمت پر فتنوں کے دروازے کھل جائیں گے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اسی طرح حضرات صحابہ کرامؓ کا وجود اُمت کے لئے باعثِ امن اور رحمت تھا۔ اور ابوداؤد ج ۲ صفحہ ۲۳۲ میں حدیث آتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت اُمتِ مرحومہ ہے۔ آخرت میں اس پر کوئی (سخت) عذاب نہ ہوگا۔

و عذابہا فی الدنیا الفتن و الزلازل و القتل۔	میری اُمت پر دنیا میں مختلف فتنوں اور زلزلوں اور ہنگامات کے ساتھ قتل کی صورت میں عذاب ہوگا۔

یہ روایت مستدرک ج ۴ صفحہ ۴۴۴ میں بھی مروی ہے۔ امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں اس کی تصحیح کرتے ہیں۔ اب فریقِ مخالف سے پوچھئے کہ کیا اُمتِ مرحومہ پر مختلف شکلوں میں ایسے عذاب نہیں آتے۔ کیا مختلف

صدیوں میں اُندلس، رُوس، کریٹ، مقدونیہ، بوسینیہ، ہرزی گوینہ، بلغاریہ، رومانیہ، مصر، ترکی، ہندوستان، مشرقی پنجاب، کشمیر اور سابق مشرقی پاکستان وغیرہ میں مسلمانوں پر دلگداز واقعات پیش نہیں آئے اور اب الجزائر اور عمان وغیرہ میں فرانس اور برطانیہ جیسے درندوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اور اب فلپائن وغیرہ میں کیا ہو رہا ہے اور اسی ہفتہ کی اخباری خبر ہے کہ دہلی میں تین سو مسلمان شہید کر دیئے گئے ہیں اور ان کی بیس کروڑ کی املاک تباہ کر دی گئی ہیں۔ کیا مسجدوں اور عبادت خانوں کی توہین نہیں ہوئی؟ کیا ہماری مسلمان بہنوں کی عزت اور عصمت پر ہاتھ صاف نہیں ہوئے؟ کون سی وہ مصیبت اور عذاب تھا جو مسلمانوں پر ایک ایک کر کے نہیں ٹوٹا؟ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی تو باعثِ امن اور باعثِ رحمت ہے۔ آپ کا حاضر رہنا تو کافروں سے بھی عذاب ٹال دیتا ہے مگر فریقِ مخالف کی ستم ظریفی ملاحظہ فرمایئے کہ ایک طرف تو آپ کے حاضر و ناظر ہوتے ہوئے یہ مصائب مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے اور دوسری طرف مخالفین کے عقیدہ کی رُو سے آپ مختارِ کل ہو کر اپنی اُمتِ مرحومہ کو مختلف قسم کے عذابوں اور فتنوں کا تختۂ مشق بناتے رہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ چونکہ کسی حکم کا مکلف اور پابند نہیں ہے لہٰذا اس کی ذات ستودہ صفات پر یہ اعتراض نہیں کیا جا سکتا کہ وہ کیوں اپنی مخلوق کو عذاب دیتا رہتا ہے۔ جیسا کہ مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ نے یہ بیہودہ اعتراض کیا ہے (دیکھئے مقیاس ص ۲۷۹) پیغمبر اور ولی چونکہ پابندِ شرع ہوتے ہیں اس لئے ان پر اعتراض ہو سکتا ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ سے سوال نہیں کیا جا سکتا ہاں مخلوق سے پوچھا جا سکتا ہے۔

یہ ہے فریقِ مخالف کی جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور بزرگانِ دین سے محبت اور عقیدت۔ واہ سبحان اللہ اور ہم لوگ بزعم فریقِ مخالف گستاخ، بے ادب اور بزرگوں کے منکر ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ کیا خوب

وفاؤں کے ہزاروں میں تجھے پہنچیں امتحان اب تک ۔۔۔ گروہ میں کہ اس پر بھی ہیں ہم سے بدگماں اب تک

فریقِ مخالف کی تیسری دلیل اور اُس کا بیان

فریق مخالف آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر قرآن کریم کے اس جملہ اور فقرہ سے بھی استدلال کیا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے متعدد مقامات میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے اَلَمْ تَرَ۔ اے نبی کیا تو نے نہیں دیکھا؟ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ اور خصوصیت سے حضرات انبیاء سابقین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں موجود نہ تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیوں ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی کیا تو نے فلاں فلاں پیغمبر اور اس کی قوم کے حالات نہیں دیکھے (جاء الحق ص۱۴۵ وغیرہ)۔

جواب اول: قارئین کرام! فریق مخالف نہ تو کسی بات کو سمجھتا ہے اور نہ سمجھنے کی تکلیف ہی گوارا کرتا ہے کیونکہ سمجھ اور عقل سے کام لینے کے بعد کفر، شرک اور بدعت سے بیزار ہو کر توحید اور سنت کا اقرار کرنا پڑتا ہے۔ اور یہ سودا فریق مخالف کو بھاتا نہیں کہ وہ مختلف قسم کے عرسوں اور ختموں اور گیارھویں اور چہرب قسم کی دعوتوں سے دست بردار ہو کر سوکھے ٹکڑوں پر گزارہ کر سکے۔ اس لئے آپ خود سمجھنے کی کوشش کریں۔ اَلَمْ تَرَ میں لفظ تَرَ رویت سے ماخوذ ہے۔ اب آیئے کہ ہم فن لغت سے اس کے معانی دیکھ لیں کہ رویت کے لغت میں کیا کیا معانی مستعمل ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

صراح میں لکھا ہے (ص۵۸۱) رویت دیدن بچشم ...... و دانستن

یعنی جس طرح رویت کا معنیٰ آنکھوں سے دیکھنا آتا ہے اسی طرح کسی چیز کے جاننے اور معلوم ہو جانے پر بھی عربی میں رویت کا اطلاق ہوتا ہے۔ امام اللغۃ والادب ابو عبد اللہ الحسینؒ بن احمد المعروف بابن خالویہؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:

وکل ما فی القرآن من اَلَمْ تَرَ فمعناہ اَلَمْ تُخْبِرْ اَلَمْ تَعْلَمْ لیس من رؤیۃ العین (اعراب ثلاثین سورۃ من القرآن ص۵۸)

یعنی جہاں کہیں بھی قرآن کریم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کر کے یہ فرمایا گیا ہے کہ اَلَمْ تَرَ تو اس سے آنکھوں کے ساتھ دیکھنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے دل کی رویت اور علم مراد ہے۔

اور دوسرے مقام پر وہ لکھتے ہیں:۔ وکل ما فی کتاب اللہ تعالیٰ اَلَمْ تَرَ فھو من رؤیۃ القلب والعلم لامن رؤیۃ العین (ص ۱۹۱) ۔ تفسیر خازن ج ۱ ص ۲ اور معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۱۱ وغیرہ میں اَلَمْ تَرَ کا معنی یہ لکھا ہے۔

اَلَمْ تعلم یا محمد باعلامی ایاک — اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیا میرے بتلانے سے آپ کو معلوم نہیں ہوا!

جب اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جان لیا تو اس پر اَلَمْ تَرَ کا اطلاق ہوا۔ آج بھی آپ ادباء کی عبارات میں پڑھ سکتے ہیں کہ کسی قدیم سے قدیم واقعہ کو تعبیر کرتے وقت وہ لکھتے ہیں "دیکھو، بنگاہ اٹھا کر دیکھو۔ وغیرہ وغیرہ" اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ واقعہ بچشم خود دیکھا ہو یا بتانے سے قبل وہ اس کے علم میں ہو۔

جوابِ دوم: قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْ حَآجَّ اِبْرٰھِیْمَ فِیْ رَبِّہٖ — کیا آپ کو معلوم نہیں اس شخص کا قصہ جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا تھا۔

اس آیت میں اَلَمْ تَرَ کا جملہ موجود ہے۔ فریق مخالف کی منطق کی رو سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی حاضر و ناظر تھے۔ آپ مخالفین کی اس خانہ ساز منطق کو ذہن میں رکھ کر ذیل کے واقعات بغور ملاحظہ فرمایئے جو قرآن میں مذکور ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاقہ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس قیام کے واقعات بتلاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمَا کُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَھْلِ مَدْیَنَ (پ ۲۰) — اور تو نہ رہتا تھا مدین والوں میں

(۲) اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے حالات بتلانے کے بعد فرماتا ہے کہ:۔

ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ — یہ خبریں ہیں غیب کی ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اور

ا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ اَجۡمَعُوۡۤا اَمۡرَہُمۡ — تو نہ تھا ان کے پاس جب انھوں نے اپنے ایک کام میں اتفاق کر لیا۔

(پ - یوسف - رکوع ۱۱)

(۳) اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات سنا کر ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمَا کُنۡتَ بِجَانِبِ الۡغَرۡبِیِّ اِذۡ قَضَیۡنَاۤ اِلٰی مُوۡسَی الۡاَمۡرَ وَمَا کُنۡتَ مِنَ الشّٰہِدِیۡنَ۔ — اور تو نہ تھا (طور کے) مغربی کنارہ پر جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم بھیجا اور نہ تھا تو دیکھتا۔

(پ - قصص - رکوع ۵)

(۴) حضرت مریم علیہا السلام کے والدین کا انتقال ہو چکا تو ان کی سرپرستی اور کفالت کے بارے میں لوگوں نے باہم جھگڑا کیا۔ نتیجہ قرعہ اندازی میں قلم ڈالنے پر ختم ہوا۔ اس واقعہ سے اللہ تعالےٰ آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ اِلَیۡکَ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یُلۡقُوۡنَ اَقۡلَامَہُمۡ اَیُّہُمۡ یَکۡفُلُ مَرۡیَمَ وَمَا کُنۡتَ لَدَیۡہِمۡ اِذۡ یَخۡتَصِمُوۡنَ۔ — یہ غیب کی خبریں ہیں ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون پالے مریم کو۔ اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے

(پ - آل عمران - رکوع ۵)

قارئین کرام! اگر اَلَمۡ تَرَ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کے عہد میں حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت شعیب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ اور حضرت زکریا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موجود نہ ہونے اور غیر حاضر ہونے کا مذکورہ بالا آیات سے کیوں ثبوت ملتا ہے؟ اور صاف ارشاد ہوتا ہے کہ آپ تو مدین میں موجود تھے اور نہ طور پر اور وَمَا کُنۡتَ مِنَ الشّٰہِدِیۡنَ نہ تھا تو شاہد اور حاضر۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام کے وقت اور زمانہ میں بھی ارشاد ہوتا ہے کہ آپ موجود نہ تھے۔ طالب علم خوب جانتے ہیں کہ ان اکابر حضرات انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ کافی پہلے گزرا ہے تو اگر اَلَمۡ تَرَ سے مراد یہ ہو کہ آپ حاضر و ناظر ہیں تو وہ آیت جو ہم نے بدیں ناظر

کر چکے ہیں کہ "کیا آپ نے دیکھا نہیں اس شخص کو جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑا کیا"۔ اس سے ثابت ہوگا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں حاضر و ناظر تھے اور بعد کی پیش کردہ آیات سے ثابت ہو چکا ہے کہ آپ حاضر و ناظر نہ تھے تو قرآن کریم کی آیات آپس میں ٹکرا کر باہم اطفال بن جائیں گی (نعوذ باللہ تعالیٰ) اور یہ خرابی اسی صورت میں پیش آتی ہے، جبکہ اَلَمْ تَرَ سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا مُراد ہو۔ مفتی احمد یار خان صاحب نے ان آیات کے جواب میں یوں گلو خلاصی کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ آپ بایں جسم پاک وہاں موجود نہ تھے۔ ان میں یہ کہاں کہا گیا ہے کہ آپ ان واقعات کو ملاحظہ بھی نہیں فرما رہے تھے۔ اس جسدِ عنصری سے وہاں نہ ہونا اور ہے اور ان واقعات کو مشاہدہ فرمانا اور۔ (جاء الحق ص ۱۵۲) مگر مفتی صاحب ہی از راہ دیانت اور انصاف یہ فرمائیں کہ ان آیات میں یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے۔ "آپ بایں جسمِ پاک وہاں موجود نہ تھے"۔ جسمِ پاک اور جسدِ عنصری کے الفاظ قرآن کی خالص تحریف اور سفید جھوٹ ہے جس سے یہود بے بہبود بھی شرما جائیں۔ مفتی صاحب کو شرم نہ آئے تو الگ بات ہے۔ قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت کا معنیٰ اور مطلب اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ وہاں موجود تھے اور نہ آپ کو ان واقعات کا علم تھا اور نہ مشاہدہ۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ واقعات بتلا دیئے تو آپ کو ان کا علم ہو گیا۔

جوابِ سوم:۔ اگر جملہ اَلَمْ تَرَ سے مُراد حاضر و ناظر ہو تو لازم آئے گا کہ تمام انسان مومن ہوں یا کافر، بوڑھے ہوں یا جوان، مرد ہوں یا عورتیں، سب حاضر و ناظر ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:۔

اَلَمْ تَرَوْا کَیْفَ خَلَقَ اللّٰہُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا۔ (پ ۲۹، نوح، رکوع ۱)	اے انسانو! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے سات آسمان تہ بہ تہ بنائے۔

اس آیت میں تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اَلَمْ تَرَوْا سے خطاب کیا ہے حالانکہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے سات آسمان پیدا کئے تھے اس وقت تو انسانوں کا وجود بھی نہ تھا۔ نیز آسمانِ دنیا (اوّل) کے سوا دوسرے آسمانوں کو ہر انسان نے کب دیکھا ہے؟ لیکن خطاب اَلَمْ تَرَوْا سے ہو رہا ہے۔ دوسرے مقام

یوں ارشاد ہوتا ہے:-

اَلَمْ یَرَوْا کَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ — کیا ان لوگوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے قبل کتنی جماعتیں ہلاک کر دی ہیں۔

الآیۃ: (پ۔ انعام۔ رکوع ۱)

اگر رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے تو ثابت ہوگا کہ کافر اور مشرک بھی پہلے زمانے میں حاضر و ناظر تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر خطاب کیا ہے۔ قارئین کرام! آپ نے فریق مخالف کا استدلال اور اس کے جوابات ملاحظہ فرمائے۔ اب انصاف کو دل میں جگہ دے کر حق چیز کو قبول فرمائیے۔ ؎

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار — یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں

فریق مخالف کی چوتھی دلیل اور اُس کا بطلان

فریق مخالف نے آنحضرت صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے اور ہر ایک کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہونے پر (بلکہ آپ پر تمام اعمال کے معروض ہونے کے لئے بھی) قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی ہے:-

یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ وَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ٥

(پ۔ توبہ۔ رکوع ۱۲)

وہ لوگ بہانے کریں گے تمہارے سامنے جب تم ان کی طرف واپس آؤ گے اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان سے کہہ دینا مت بہانے بناؤ ہم ہرگز نہ مانیں گے تمہاری بات۔ ہم کو اللہ تعالیٰ تمہارے احوال بتا چکا ہے اور ابھی دیکھے گا اللہ تعالیٰ تمہارے عمل اور اسکا رسول پھر تم لوٹائے جاؤ گے عالم الغیب والشہادۃ کی طرف سو وہ بتائے گا تم کو جو کچھ تم کر رہے تھے۔

مخالفین کا کہنا ہے کہ وَسَیَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ (کہ اللہ تعالیٰ تمہارے عمل دیکھے گا اور اسکا رسول) سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُمت کے تمام اعمال کا معائنہ کرتے اور اُن کو دیکھتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر اور جمیع ما کان وما یکون کے عالم تھے (دیکھئے مقیاس الحنفیت صـ ۲۶۹ اور تسکین الخواطر صـ ۱۳ وغیرہ)۔

جواب :- یہ استدلال بھی باطل اور مردود ہے۔ اولاً اس لئے اگر سرسری طور پر اس آیت کا شان نزول ہی دیکھ لیا جائے تو اس سے ہی استدلال کی خامی واضح ہو جاتی ہے۔ قصہ یہ ہے کہ غزوہ تبوک میں (جو رومیوں کی مسلح افواج سے عرب کی سرزمین کی آخری سرحد پر عین فصل کی کٹائی اور سخت گرمی کے موسم میں پیش آیا تھا) کچھ منافقوں نے جھوٹے حیلے اور بہانے کئے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے غزوہ میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کر لی۔ آپ نے ان کو یہ سمجھتے ہوئے اجازت دے دی کہ واقعی یہ لوگ معذور ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ :-

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۔
(پ ۱۰، توبہ، رکوع ۷)

اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا ہے۔ مگر کیوں رخصت دی آپ نے ان کو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے آپ پر سچ کہنے والے اور جان لیتے آپ جھوٹوں کو۔

یعنی آپ نے عجلت سے کام لیا ہے۔ وہ منافق کسی صورت میں آپ کے ساتھ جانے کو ہرگز تیار نہ تھے۔ اگر آپ اجازت نہ دیتے تو خود بخود ان کا نفاق کھل جاتا اور انکے عمل اور کارروائی سے آپ ان کا جھوٹ معلوم کر لیتے۔ اب وہ آپ کی اجازت کو بہانہ اور آڑ بناتے ہیں لیکن بہرحال اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کر دیا ہے اور کچھ منافق ایسے تھے جنھوں نے آپ کی روانگی کے وقت آپ سے اجازت طلب کرنی ضروری نہ سمجھی اس خیال سے کہ رومیوں کی مسلح افواج سے بچ کر یہ کیونکر واپس آ سکتے ہیں لہذا ہمیں خواہ مخواہ اجازت طلب کرنے کی کیا حاجت ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تقریباً تیس ہزار فوج کے ساتھ وہاں (تبوک کے مقام پر) پہنچے تو عیسائی مرعوب ہو گئے اور لڑائی کی نوبت ہی نہ آئی۔ جب آپ کی واپسی کا علم ان منافقین کو ہوا تو انکے طوطے اڑ گئے اور انھوں نے غلط اور باطل حیلے کرنے کا منصوبہ طے کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ آیت (بلکہ اسکے بعد کی کئی آیات) نازل کی اور فرمایا کہ جب تم مدینہ طیبہ واپس جاؤ گے تو یہ لوگ اعذار باطلہ پیش کریں گے تاکہ آپ کو مطمئن کیا جا سکے۔ آپ ان سے کہہ دیں جھوٹی باتیں بنانے سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ تمھارے سب عذر لغو اور بیکار ہیں کیونکہ ہم کو حق تعالیٰ تمہارے کذب اور نفاق پر مطلع کر چکا ہے۔ پھر کس طرح ہم تمھاری ان لغویات کو باور کر سکتے ہیں؟ اب پچھلے قصہ کو چھوڑ دو

آئندہ تمہارا طرزِ عمل دیکھا جائیگا کہ اپنے وعدے کو کہاں تک نبھاتے ہو۔ سب سچ جھوٹ ظاہر ہو کر رہے گا اور پھر ایسا وقت آئیگا کہ تم عالم الغیب والشہادۃ کے پاس پیش کئے جاؤ گے جس سے کوئی راز اور عمل یا نیت پوشیدہ نہیں ہے۔ الحاصل اس مضمون سے یہ بات بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان باطل اعذار پیش کرنیوالے منافقین کی ظاہری کارروائی اور طرزِ عمل کو دیکھنا مراد ہے اور باطنی راز اور بھید کا جاننا یا تمام اُمت کے سب اعمال کو دیکھنا صرف علیم بذات الصدور کا خاصہ ہے جیسا کہ خود اسی آیت میں اسکی تصریح موجود ہے۔ وثانیاً اگر اس آیت میں رؤیت سے بصری رؤیت مراد ہو اور وہ بھی تمام اُمت کے لئے تو لازم آئیگا کہ جملہ مومن بھی ہر جگہ حاضر و ناظر ہوں اور تمام اُمت کے ظاہر اور باطن سے آگاہ ہوں چنانچہ اسی پارہ اور اسی سورت میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۔ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۔

(پ۱۱ ۔ توبہ ۔ رکوع ۲)

اور آپ ان سے فرما دیجئے عمل کئے جاؤ پھر آگے دیکھ لیگا اللہ تعالیٰ تمہارے عمل کو اور اس کا رسول اور مومن اور تم لوٹائے جاؤ گے اس کے پاس جو تمام کھلی اور چھپی چیزوں سے واقف ہے۔ پھر وہ جتاوے گا تم کو جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس آیت میں اس کا صاف اور صریح حکم موجود ہے کہ ان لوگوں کے عمل کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے علاوہ مومن بھی دیکھ لیں گے اگر اس کا مطلب یہ ہو (اور یقیناً یہی صرف ہے) کہ آگے دیکھا جائے گا کہ تم کہاں تک صدق و استقامت کا عملی ثبوت پیش کرتے ہو۔ اگر اس غزوہ میں غیر حاضری کا قصور ہوا تو آئندہ اور جہاد ہوں گے جنابِ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات خلفاء راشدین ؓ اور دیگر مومنوں کے سامنے تمہارے اس دعویٰ کی حقیقت کھل جائیگی کہ تم کس درجہ کے مسلمان اور مجاہد ہو اور کسقدر تحریک جہاد میں شریک ہونیکی تڑپ رکھتے ہو پھر عالم الغیب والشہادۃ کے یہاں تو ہر عمل کا بدلہ مل کر رہے گا تو اس سے فریق مخالف کا استدلال باطل ہے اور اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ اس رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے اور تمام اُمت کے ظاہر و باطن پر حاوی ہے تو اس سے ثابت ہوگا کہ تمام مومن بھی حاضر و ناظر ہوں اور جو شخص ہر جگہ ان کو حاضر و ناظر تسلیم نہ کرے تو وہ اس نصِ قرآنی کا منکر اور کافر ہے۔ کیا فریقِ مخالف کا یہی عقیدہ ہے؟ مولوی محمد عمر صاحب

تو نکتے ہیں کہ اولیاء کرام بھی دیکھیں گے تمہارے اعمال کو۔ (مقیاس صفحہ ۲۶۹) اگر یہی عقیدہ ہے تو جناب نبی کریم صلے اللہ تعالے علیہ وسلم اور عام مومنوں میں اس صفت کے لحاظ سے تو کوئی فرق نہ ہوا۔ کیا فریق مخالف خود بھی مومن ہے یا نہیں؟ اگر مومن ہے تو وہ جناب رسول خدا صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اس صفت میں برابر ہو گیا تو پھر جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فوقیت اور مزیت کیا باقی رہی؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) اگر فریق مخالف مومن ہے اور اسکا خود اپنے متعلق حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ ہے تو ذرا اجازت مرحمت فرمائے کہ ہم اسکا امتحان کر لیں کہ وہ کیسے ہر جگہ حاضر و ناظر ہے تاکہ اسکو بھی عند الامتحان یکرم الرجل او یھان کا لطف آجائے۔ وثالثاً ان آیتوں کا شان نزول اور سیاق و سباق منافقوں کے بارے میں متعین ہے اگر سیری سے رویت بصری (اور حاضر و ناظر ہونا) مراد ہے تو اس سے ثابت ہو گا کہ آپ (اور دیگر مومن بھی) صرف منافقوں کے بعض اعمال کو دیکھتے ہیں۔ اس سے مومنوں کے اعمال کا دیکھنا یا کھلے طور پر کافروں کے اعمال کا دیکھنا یا مسلمانوں کے علاوہ دیگر حیوانات اور جمادات و نباتات وغیرہ کا دیکھنا تو ہرگز ثابت نہ ہو گا اور فریق مخالف کا دعویٰ عموم کا ہے اور خدا تعالیٰ کے باغیوں اور کافروں کے جاسوسوں کی کڑی نگرانی کی جائے تو قرین قیاس بھی ہے مخلص مسلمانوں کے اعمال کی کڑی نگرانی کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے اگر فریق مخالف کے اعمال کو جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالے علیہ وسلم اور دیگر مومن دیکھتے ہیں اور انکی کڑی نگرانی کرتے ہیں تو ہو سکتا ہے مگر اس سے آپ کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کرنا اور ہر ایک مخلص مومن کے ظاہر و باطن سے آگاہ ہونے پر احتجاج کرنا باطل ہے اور مخلص و وفادار مسلمانوں کی نگرانی کا کوئی مطلب بھی نہیں ہے۔ ورابعاً یہی وہ آیت ہے جس سے شیعہ حضرات نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر حضرات ائمہ کرام کے ہاں امت کے سب اعمال پیش ہونے پر استدلال کیا ہے۔ (دیکھئے اصول کافی باب عرض الاعمال علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والائمۃ۔ کتاب الحجۃ جزء ۳ صفحہ ۱۳۹ مع الصافی طبع نولکشور) درحقیقت تمام اور سب اعمال کے عرض کا مسلک شیعہ کا ہے مگر افسوس کہ خود کو سُنی کہلانے والے بھی اس غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہیں۔ وخامساً پہلے لغت کے حوالے سے یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ رویت کا معنیٰ دانستن بھی آتے ہیں اور وحی کے ذریعے سے علم حق ہے اور یہی جملہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے مگر فریق مخالف

ہے کہ جو شیعہ شنیعہ وغیرہ باطل فرقوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ حیف ہے اس حق پرستی پر

یہ مدعی اِسلام تو ہیں ساتھی ہیں مگر بیگانوں کے
تقویٰ کی وہ بُو ان میں نہیں وہ رنگ نہیں ایمانوں کے

فریقِ مخالف کی پانچویں دلیل اور اُسکی تردید

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کا لقب عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ (پ۱۷۔ الانبیاء۔ رکوع ۷)

اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔

اور دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے:۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (پ۸۔ اعراف۔ رکوع ۷)

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نزدیک ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

یعنی میری رحمت تمام چیزوں کو وسیع ہے۔

مخالفین کا کہنا ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رحمت ہیں تو ہر ایک کے اور کم از کم مسلمانوں کے قریب ہیں لہٰذا آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ٹھہرے۔ (دیکھئے مقیاسِ حنفیت ص۲۹۲ وجاء الحق ص۱۳۲ وغیرہ)

جواب:۔ یہ استدلال و احتجاج بھی بے کار اور بے حقیقت ہے۔

اوّلاً: اس لئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہانوں کی اصلاح و فلاح کے لئے بھیجا ہے اور آپ کا رسول بنا کر بھیجنا خدا تعالیٰ کا تمام جہانوں پر رحمت کرنا ہے اس لئے کہ رَحْمَةً مفعول لہٗ ہے اور اس کا اور اس کے فعل کا فاعل ایک ہی ہوتا ہے (دیکھئے متن متین وغیرہ) مولوی محمد عمر صاحب نے گرامر سے ناواقفی کی بنا پر اس آیت کا معنی کرتے ہوئے جو جو تحریفات کی ہیں وہ قابل دید ہیں۔ (دیکھئے مقیاسِ حنفیت ص۲۹۲) تو مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ یہ ہمارا بھیجنا تمام جہانوں پر

اپنی رحمت کرتا ہے اور آپ کا دین اور شریعت و نظام اور قانون ایسا جامع اور مانع، مفید اور سہل ہے کہ تمام جہان والے اس سے مستفیض و مستفید ہو سکتے ہیں حتیٰ کہ حیوانات اور اڑتے جانوروں کی خیر خواہی کے لئے بھی احادیث میں صریح ارشادات موجود ہیں اور جن سے آپ کا عمومی معنیٰ میں رحمت للعالمین ہونا آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے اور یہی ہمارا دین و ایمان ہے اور جہاد کا مجموعہ عالم کے لئے رحمت ہونا بھی ظاہر ہے۔ کسی ماؤف اور زہر آلود عضو کو کاٹ کر پھینک دینا بقیہ اعضاء کے لئے رحمت ہی ہوگی لیکن قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا مصداق اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔ مثلاً بارش پر رحمت کا اطلاق ہوا ہے۔

بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ (پ ۲۰۔ نمل۔ ک ۱) سختی اور تکلیف کے بعد جو چین اور آرام حاصل ہوتا ہے وہ بھی رحمت ہے۔ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ رَحْمَةً الآیۃ (پ ۲۱۔ روم۔ رکوع ۴) بیوی اور خاوند کے درمیان جو الفت اور محبت ہوتی ہے اس پر بھی رحمت کا اطلاق ہوتا ہے وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (پ ۲۱۔ روم۔ ک ۳) حضرت خضر علیہ السلام وغیرہ کو جو کرامات وغیرہ عطا ہوئی تھیں ان پر بھی رحمت کا لفظ بولا گیا ہے۔ وَاٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا الآیۃ (پ ۱۵۔ کہف۔ ک ۹) دنیا و آخرت میں روحانی اور جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ کی جو نوازشیں ہوتی ہیں وہ بھی رحمت ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے انکے امیدوار ہوتے ہیں۔ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ (پ ۱۵۔ بنی اسرائیل۔ ک ۶) قذف اور بدکاری کی تہمت سے برأت پر بھی خدا کی رحمت کا اطلاق وارد ہوا ہے۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا (پ ۱۸۔ النور۔ ک ۳) اسکے علاوہ اولاد، عزت، مرتبہ، دین، ایمان اور تمام نیک کام خدا کی رحمت ہی ہیں اور یہ خدا تعالیٰ کے نیک بندوں کو اور انکی برکات سے غیروں کو ملتے ہیں (اور در حقیقت زمین و آسمان کا نظام ہی نیکی اور نیک بندوں سے قائم ہے ورنہ یہ سب کچھ آناً فاناً تباہ ہو جائے یہی وجہ ہے کہ قیامت بھی صرف انہی لوگوں پر آئیگی جن میں ایک بھی خدا تعالیٰ کی توحید خالص کا اقرار کرنے والا نہ ہوگا دیکھئے مستدرک ج ۴ ص ۴۹۲ وغیرہ) البتہ خدا تعالیٰ کی غیر متناہی اور غیر محدود بے پایاں رحمت کو صرف ایک ہی رحمت میں (گو وہ اپنے مقام پر بہت ہی بڑی رحمت ہے) منحصر سمجھنا خدا تعالیٰ کی جلالتِ شان سے

عقیدت نہیں بلکہ کھلی بغاوت ہے۔

وثانیاً: اگر اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ سے جناب رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی مراد ہیں تو دنیا میں اور خاص طور پر مومنوں پر خدا تعالیٰ کے عذاب کیوں آتے ہیں؟ کیا دو متضاد چیزیں بیک وقت جمع ہو سکتی ہیں کہ ایک ہی وقت میں ایک ہی مقام پر خدا کا عذاب بھی نازل ہو اور اسکی رحمت بھی موجود ہو۔

وثالثاً: اگر بالفرض اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی مراد ہے تو آپ صرف مُحْسِنِیْنَ کے لئے حاضر و ناظر ہونگے (اور یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جمادات و نباتات اور حیوانات کا تو قصہ ہی چھوڑیئے۔ عام انسانوں سے مُسلم کا اور مُسلم سے مومن کا مفہوم خاص ہے اور محسن کا مفہوم تو خاص الخاص ہے اور مومنوں میں بھی مُحْسِنِیْنَ معدودے چند افراد ہی ہوتے ہیں اور اس پر فتن دور میں تو مومن ہونا بھی مشکل تر بات ہے) کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت (جو بقولِ مخالفین اس آیت میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں) مُحْسِنِیْنَ سے قریب ہے تو آپ کا ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا باطل ہوا۔ فریق مخالف کو چاہیئے کہ وہ ہر آن، ہر مکان اور ہر ایک کا قصہ ہی فراموش کر دے اور صرف یہ دعویٰ کرے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صرف مُحْسِنِیْنَ کے لئے حاضر و ناظر ہیں مگر شرط یہ ہے کہ وہ مُحْسِنِیْنَ بھی گندی اور ناپاک خلافِ شرع مجالس میں موجود نہ ہوں، کیونکہ ایسے مواقع پر آپ کو حاضر ہونے کی قرآن کریم سے مطلقاً اجازت ہی نہیں ہے، جیسا کہ تفصیلاً آپ پڑھ چکے ہیں۔ باقی وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت مراد ہے اور رحمتہ خداوندی میں تعمیم ظاہر ہے اور رَحْمَتِیْ میں اضافت اس کی دلیل ہے جس کے دل میں ذرا بھی خوفِ خدا ہو گا اور خدا تعالیٰ اور امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق اور محبت ہوگی وہ یقیناً ان دلائل کے سامنے گردن جھکا دے گا۔ مگر یاں ضد ہی کا معاملہ ہی جدا ہے ۔۔

دل میں اگر حضور ہو، سر تیرا خم ضرور ہو
جس کا نہ کچھ ظہور ہو عشق وہ عشق ہی نہیں!

فریقِ مخالف کی چھٹی دلیل اور اس کی حقیقت

صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ میں یہ حدیث مروی ہے کہ قبر میں فرشتے میت سے چند سوالات کرتے ہیں جن میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ:-

مَا كُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ فَاَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنَّهٗ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ — تم اس شخص کے متعلق کیا کہا کرتے تھے؛ مومن جواب دے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہے۔

مخالفین کہتے ہیں کہ لفظ هٰذَا اشارہ قریب کے لئے ہوتا ہے لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر میں ہر میت کے پاس حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ فرض کرو کہ بسیطۂ زمین کے طول و عرض میں دس لاکھ انسان ایک ہی وقت میں وفات پاتے ہیں اور ان سے اس حدیث کے پیشِ نظر قبور میں هٰذَا الرَّجُل سے سوال ہوتا ہے تو آپ ایک ہی وقت میں خدا جانے کتنے مقامات پر حاضر ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں (دیکھئے مقیاس حنفیت ص۲۶ و جاء الحق ص۱۳۲ وغیرہ) قارئین کرام نے مخالفین کا استدلال تو ملاحظہ کر لیا۔ اب اس کے جوابات بھی سُنیئے۔

جوابِ اوّل: جب کوئی آدمی یا مقام یا کوئی بھی چیز مشہور و معروف ہو یا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہو تو اس کو حاضر کے ساتھ تعبیر کرنا جائز اور صحیح ہے اگرچہ وہ پاس حاضر اور موجود نہ بھی ہو۔ اور گو یہ استعمال استعمالِ عام کے مقابلہ میں قلیل ہی ہے لیکن ہے ضرور۔

ويجوز على قلة لفظ الحاضر نحو قاتل هٰذا الرجل وان كان غائبا (مطول ص۱۳۱) — یعنی کبھی کبھی حاضر کے لفظ سے غائب کو تعبیر کیا جاتا ہے جیسے کہتے ہیں جھگڑا کیا اس شخص نے اگرچہ وہ شخص غائب ہی کیوں نہ ہو۔ مگر غائب کو ھذا سے تعبیر کرنا صحیح ہے۔

آپ اگر اس قاعدہ کو حدیث جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر پرکھنا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل احادیث کا بغور مطالعہ فرمائیے۔

(۱) بخاری ج ۱ ص۲ اور مسلم ج ۲ ص۹۷ میں مروی ہے کہ ہرقل (بادشاہ) روم نے شہر بیت المقدس میں حضرت ابوسفیانؓ سے جبکہ آپ اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق سوال کیا تھا۔

ایکم اقرب نسباً بھذا الرجل (الیٰ قولہ) — تم میں سے اُس شخص کا زیادہ قریبی کون ہے۔ میں اُس شخص

انی سایل عن ھذا الرجل۔ — کے بارے میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔

پوچھنے والا چونکہ عیسائی بادشاہ تھا اور مخالفین کی اُلٹی گنگا کے رُو سے حاضر و ناظر کا عقیدہ مسلمانوں کا ہوتا ہے کافروں کا نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ تو یقینی بات ہے کہ ہرقل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہیں مانتا تھا۔ فریق مخالف کو عرسوں اور دیگر بدعات سے کب فرصت ملتی ہے کہ وہ تاریخ اور جغرافیہ سے بھی واقف ہوں۔ البتہ سکول کے مبتدی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ مدینہ طیبہ سے بیت المقدس تک تقریباً ۱۳۰۰ کلو میٹر (یعنی ۸۱۰ میل انگریزی) کی مسافت ہے لیکن ۸۱۰ میل کی مسافت پر ہرقل آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ھذا الرجل سے تعبیر کرتا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ تو پاس حاضر تھے اور نہ ہرقل کا یہ عقیدہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ کبھی آپ کی صورت مبارک ہی دیکھی تھی۔

(۲) بخاری ج ۱ ص۴۹ میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک مشرکہ عورت کہیں دور سے جاکر اونٹ پر پانی لایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ ایک خاص وجہ سے دیر ہوگئی گھر والوں نے پوچھا کہ تم نے دیر کیوں کی ہے تو اُس عورت نے جواب دیا:۔

لقینی رجلان فذھبا بی الیٰ — مجھ سے دو آدمی ملے اور وہ مجھے اس شخص کی طرف لے

ھذا الرجل الذی یقال لہ الصابی — گئے جس کو صابی (بے دین) کہا جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سامنے موجود نہ تھے بلکہ کوسوں دور تھے اور عورت مشرکہ تھی جس کا عقیدہ حاضر و ناظر کا ہو نہیں سکتا تھا لیکن آپ کی عدم موجودگی میں وہ آپ کو ھذا الرجل سے تعبیر کرتی ہے۔

(۳) صحیح بخاری ج ۱ ص۳۷۸ میں ایک طویل حدیث مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں بدیل بن ورقاء مشرکین مکہ کی طرف سے شرائط صلح طے کرنے کے لئے سفارت پر آیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گفتگو کر کے واپس مکہ مکرمہ پہنچا۔

فانطلق حتی اتی قریشا قال انا قد جئناکم من عند ھذا الرجل
جب قریش مکہ کے پاس گیا تو کہنے لگا ہم تمہارے پاس اس شخص کے پاس سے آئے ہیں۔

دیکھئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے کئی میل دور حدیبیہ کے مقام پر مقیم تھے اور بدیل مکہ میں قریش کے سامنے ھذا الرجل سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تعبیر کرتا ہے۔ حاضر و ناظر کا عقیدہ تو مخالفین کے نزدیک اس کا نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ وہ مشرک تھا۔

(۴) صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۵۴۴ اور مسلم ج ۲ صفحہ ۲۹۷ میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت کا پرچار دور دور تک پہنچا تو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی کو تحقیق حال کے لئے روانہ کرتے وقت فرمایا۔

ارکب الی ھذا الوادی فاعلم لی علم ھذا الرجل
سوار ہو کر اس وادی (یعنی مکہ مکرمہ) کو جاؤ اور مجھے واپسی پر اس شخص کے حالات سے آگاہ کرو۔

عرب کا قدیم جغرافیہ ذرا اٹھا کر دیکھئے کہ قبیلہ غفار مکہ مکرمہ سے کتنی دور آباد تھا اور چونکہ اس وقت تک ابوذر مسلمان نہ تھے اس لئے بقول مخالفین ان کا عقیدہ حاضر و ناظر کا نہیں تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ ھذا الرجل سے تعبیر کرتے ہیں اور لطف یہ کہ مکہ مکرمہ کو بھی ھذا الوادی سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیا بعید ہے کہ مخالفین یہ فرمادیں کہ مکہ مکرمہ بھی حاضر و ناظر تھا کیونکہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی ھذا الوادی سے تعبیر کیا ہے۔ بلکہ مفتی احمد یار خان صاحب نے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر استدلال کرتے ہوئے اور حضرات فقہاء کرام کی عبارتوں کو نہ سمجھتے ہوئے طی الارض کے مسئلہ سے نیز شامی کے اس قول اور نقل سے کہ کعبہ بھی بعض اولیاء کی زیارت کر سکتا ہے۔ یہ لکھا ہے کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ بھی بعض اولیاء کی زیارت کرنے کے لئے عالم میں چکر لگاتا ہے (جاء الحق صفحہ ۱۴۳) مگر مفتی صاحب نے اس پر غور نہ کیا کہ کعبہ معظمہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کے لئے تو مدینہ طیبہ نہ گیا اور وہاں کا چکر نہ لگایا بلکہ خود ان کو تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کر کے کعبہ معظمہ کی زیارت کے لئے آنا پڑا پھر اور کون ہوگا جس کے لئے کعبہ عالم میں چکر لگاتا پھرتا ہے۔ کرامت اولیاء حق ہے مگر اس کا معتبر اور مستند ثبوت درکار ہے۔ ایسے مسائل میں محض کسی کتاب

میں حوالہ موجود ہونے کا نام ہرگز ثبوت نہیں ہوتا یہ بات بالکل بے اصل اور بلادلیل ہے جو قابلِ التفات ہی نہیں ہے۔ باقی لغزشوں کا اور مسائل میں خطاء اجتہادی کا نام دلیل اور ثبوت نہیں ہے۔

علامہ صدر الدین علی بن محمد الدمشقی الحنفیؒ (المتوفی ۷۴۶ھ) زنادقہ اور مرتدہ کے کچھ باطل عقائد بیان کرتے ہوئے یہ حکم صادر فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو کلمہ شہادت پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہونا چاہیے چند باطل عقائد بمع اس مذکورکے گنوا کر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:-

وکذا من یقول بان الکعبة تطوف برجال منهم حیث کانوا فهلا خرجت الکعبة الی الحدیبیة فطافت برسول الله صلی الله علیه وسلم حین احصر عنها وهو یود منها نظرة (شرح عقیدة الطحاوی ص۴۸۳ طبع مصر)

اور یہی حکم ہے ہر اس شخص کا جو یہ کہتا ہے کہ کعبہ اولیاء اللہ کا طواف کرتا ہے وہ جہاں کہیں بھی ہوں اگر یہ نظریہ درست ہے تو کعبۃ اللہ نے حدیبیہ کے مقام پر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طواف کیوں نہ کیا؟ جس وقت مشرکین نے آپ کو طواف کرنے سے روکا تھا جبکہ آپ سردار اولیاء ہیں اور آپ کعبہ کو دیکھنے کے سخت مشتاق تھے۔

یہ عبارت مفتی احمد یار خان صاحب کو ٹھنڈے دل کے ساتھ بار بار پڑھنی چاہیئے کہ علم عقائد کے مسلم امام اور لطف یہ کہ وہ بھی حنفی کیا کہہ گئے ہیں؟ اور کیا مفتی صاحب کو پناہ لینے کے لئے کوئی اوٹ ملتی ہے؟ سچ ہے کہ ؎

صحرا میں لے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

ہاں یہ بات الگ ہے کہ نفس کعبہ اپنی جگہ پر ہو اور اس کی مثالی صورت کسی کو نظر آجائے اور اس کا واضح ثبوت بھی ہو تو وہ محلِ نزاع نہیں ہے۔

(۵) صحیح بخاری ج ۲ ص۶۱۵ میں مروی ہے۔ حضرت عمروؓ بن سلمہؓ فرماتے ہیں کہ ہم پانی کے ایک چشمہ پر رہتے تھے۔ لوگ کثرت سے وہاں آتے جاتے تھے، ہم ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے مگر اس وقت بھی لوگوں سے یہ پوچھا کرتے تھے کہ:-

---

ماللناس ما هذا الرجل

اہل عرب کا اور اس شخص کا کیا رویہ ہے؟

ھذا الرجل سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں سوال ہے مگر آپ وہاں حاضر نہ تھے اور مخالفین کے نزدیک کافروں کا یہ عقیدہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ آپ کو حاضر و ناظر تسلیم کرتے۔

(۶) صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۱۴۳ اور صحیح ابو عوانہ ج ۱ صفحہ ۳۱۲ میں مروی ہے کہ یہود ایام حیض میں نہ تو اپنی عورتوں کو گھروں میں چھوڑتے اور نہ انکے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھاتے تھے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا حیض کے دنوں میں جماع کے بغیر سب کچھ جائز ہے۔

فبلغ ذالک الیھود فقالوا ما یرید ھذا الرجل (الحدیث) — جب یہ بات یہود کو پہنچی تو وہ کہنے لگے کہ یہ شخص تو ہماری مخالفت پر ہی تلا ہوا ہے۔

اس حدیث میں فبلغ ذالک الیھود کا جملہ اس معنی کو متعین کرتا ہے کہ یہود آپ کے پاس موجود نہ تھے اور نہ آپ ان کے پاس موجود تھے اور یہود کا عقیدہ بھی حاضر و ناظر کا نہیں ہو سکتا مگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ ھذا الرجل سے تعبیر کرتے ہیں۔

قارئین کرام اگر ہم اس قسم کی حدیثیں پیش کرنا چاہیں تو یقیناً آپ اکتا جائیں گے لیکن ہم اس سے بھی چند قدم آگے چلتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ بھی صالحین اور نیک بندوں کی عدم موجودگی میں ان کو لفظ ھذا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

(۱) بخاری ج ۲ صفحہ ۷۰۴ اور مسلم ج ۱ صفحہ ۲۹ میں ایک طویل حدیث ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی اعرابی اور دیہاتی کی شکل میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آئے اور چند سوالات کرکے چلے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جاؤ اس کو میرے پاس لے آؤ۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس کو واپس بلانے کے لئے گئے۔

فلم یروا شیئا فقال ھذا جبرائیل — مگر کچھ بھی نظر نہ آیا تو آپ نے فرمایا یہ تو جبرائیل علیہ السلام تھے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام تو سامنے موجود تھے اور نہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تلاش کرنے پر مل ہی سکے تھے۔ لیکن آپ ھذا جبرائیل سے ایک غائب ہستی کو تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) صحیح بخاری ج ۱ صفحہ ۹ میں مروی ہے کہ حضرت احنف رضی اللہ عنہ بن قیس فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

کی مدد کرنے کے ارادہ سے چل پڑا۔ راستہ میں حضرت ابوبکرۃ رضؓ ملے اور کہنے لگے کہاں جاتے ہو؟

فقلت انصر هذا الرجل ۔ میں نے کہا میں اس شخص (یعنی حضرت علی رضؓ) کی مدد کرنے جا رہا ہوں۔

اس حدیث میں حضرت علی رضؓ کو هذا الرجل سے تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ وہ کوسوں دُور تھے۔

(۴) صحیح بخاری جہ ۱ صے ۳۷۳ میں ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضؓ نے علاقہ شام سے عبد الرحمٰن رضؓ بن سمرۃ اور عبد اللہ رضؓ بن عامر رضؓ کو مدینہ طیبہ حضرت حسن رضؓ کے پاس سفارت کے سلسلہ میں بھیجا، اور فرمایا:۔

اذهبا الی هذا الرجل ۔ دونوں اس شخص کے پاس جاؤ۔

حضرت حسن رضؓ پاس موجود نہیں تھے۔ شام اور مدینہ کی درمیانی مسافت کا پہلے ذکر ہو چکا ہے لیکن مع ھذا حضرت امیر معاویہ رضؓ حضرت حسن رضؓ کو هذا الرجل سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس قسم کی بھی بیسیوں مثالیں موجود ہیں لیکن ہم اس سے بھی ترقی کر کے کہتے ہیں کہ کافروں اور فاجروں کو بھی ان کی غیر حاضری اور عدم موجودگی میں لفظ ھذا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ذیل کے دلائل ملاحظہ کیجئے۔

(۱) صحیح بخاری جہ ۱ صے ۱۳ اور مسلم جہ ۱ صے ۳۳ میں ایک حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ۵ھ میں قبیلہ عبد القیس کا ایک وفد آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جنہوں نے آپ کے سامنے یہ شکایت پیش کی کہ:۔

بیننا و بینك هذا الحی من کفار مضر ۔ ہمارے اور آپ کے درمیان مُضر کا یہ قبیلہ ہے۔

ہم ہر وقت آپ کے پاس نہیں آسکتے لہٰذا ہمیں اصُول دین سے اچھی طرح رُوشناس کر دیجئے۔ ذرا تاریخ اٹھا کر دیکھیے کہ قبیلہ مضر کی آبادیاں مدینہ منورہ سے کتنی دُور آباد تھیں لیکن تعبیر کرنے والے مدینہ میں اتنی دُور بسنے والے قبیلہ کو هذا الحی سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاید فریقِ مخالف کے نزدیک یہ قبیلہ بھی حاضر و ناظر ہوگا؟

(۲) بخاری جہ ۱ صے ۴۷۴ اور مسلم جہ ۲ صے ۲۶۶ میں حدیث آتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ رضؓ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ ایک ظالم اور جابر بادشاہ کے علاقہ سے گزرے حضرت سارہ رضؓ کے حسن و جمال کا ذکر اس ظالم اور جابر بادشاہ کے پاس کسی نے کر دیا تھا۔ بادشاہ

دربار میں تنہا حضرت ابراہیمؑ بلائے گئے اور پوچھا گیا۔ بی بی کون ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میری (دینی) بہن ہے۔ کیونکہ اس مجرم کا یہ طریقہ تھا کہ خاوند والی بی بی کو اس کے خاوند کو قتل کئے بغیر اپنے استعمال میں نہیں لاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ واپس آئے اور اپنی اہلیہ سے فرمایا۔ بادشاہ تجھ سے میرے بارے میں سوال کرے گا تو تم یہ کہنا کہ وہ میرا بھائی ہے اور مجھ سے بھی سوال کیا ہے۔ بخاری میں ہے: وان هذا سألنی کہ اس نے مجھ سے پوچھا ہے۔ اور مسلم کے الفاظ میں ان هذا الجبار کہ اس جابر نے مجھ سے پوچھا ہے۔ اتنے میں اس ظالم کا نوکر آگیا اور حضرت سارہؑ کو ساتھ لے گیا۔ ادھر سے ظلم کی انتہا تھی، ادھر بے بسی کی حد تھی۔ خیر خدا نے اپنے پیغمبر کی بزرگ اہلیہ کو ظالم سے بچانا تھا سو بچا لیا۔ غرض یہ کرنا ہے کہ وہ ظالم اور جابر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس نہیں بلکہ اپنے محل میں تھا اور یہ اسکو هذا الجبار سے تعبیر کرتے ہیں اور اپنی اہلیہ سے مشورہ کرتے ہیں کہ وہ یہ کہے گا، تم یہ کہنا۔ اگرچہ وہ ظالم دور نہ ہوگا لیکن انکی نظروں سے ضرور اوجھل اور غائب تھا۔ ورنہ آپس میں اس طرح مشورہ کرنے کا کچھ مطلب ہی نہیں نکلتا۔

(۴) مستدرک ج ۴ ص ۵۲۲ میں روایت آتی ہے کہ حضرت معقلؓ بن سنانؓ اور حضرت مسلمؓ بن عقبہؓ کی آپس میں ایک مرتبہ ملاقات ہوئی۔ حضرت معقلؓ نے یزید کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

انی خرجت کرها لبیعة هذا الرجل — میں اس شخص کی بیعت کرنے کیلئے مجبوراً نکلا ہوں۔

حالانکہ وہ شراب بھی پیتا ہے اور حرم میں زنا بھی کرتا ہے۔ پھر حضرت معقلؓ حضرت مسلمؓ بن عقبہؓ سے عہد و پیمان لیتے ہیں کہ میری اس گفتگو کا ذکر یزید سے نہ کرنا۔ وہ کہنے لگے۔ اچھا خدا کی قسم میں کسی سے بھی یہ بات بیان نہ کروں گا۔ یزید کوسوں دور ہے لیکن حضرت معقلؓ بن سنانؓ اس فاجر کو هذا الرجل سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم اس سے بھی آگے ترقی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرات محدثین کرامؒ ایسے لوگوں کو بھی هذا سے تعبیر کیا کرتے تھے۔ جو نہ صرف غائب ہی ہوتے تھے بلکہ جن کو دنیا سے رخصت ہوئے کے بعد بھی صدیاں گزر چکی ہوتی تھیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) مستدرک ج ۲ ص ۴۹۷ میں ایک حدیث ہے جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب فرعون مردود نے اپنی بیٹی کی

خادمہ اور اُس کی اولاد کو (تانبے کی گرم کڑاہی میں) پھینک دیا تو ان میں ایک شیرخوار بچہ بھی تھا جس نے اپنی والدہ کو کہا۔ امّاں جان! صبر سے کام لینا کیونکہ تیرا دین سچا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

تکلم اربعة وهم صغار هذا	چار بچوں نے بچپن (یعنی شیرخوارگی) میں باتیں کی ہیں
وشاهد یوسف وصاحب جریج	اس نے اور یوسف علیہ السلام کے شاہد نے اور (راہب)
وعیسی بن مریم	جریج کے ساتھی نے اور عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام نے۔

اہل تاریخ جانتے ہیں کہ فرعون اور آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان کئی صدیاں گزر چکی تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس خادمہ کے شیرخوار بچہ کو هذا سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۲) صحیح ابی عوانہ ج ۱ صفحہ ۳۲۳ میں ایک روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کی اہلیہ نے آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک خاص مسئلہ پوچھا۔ آپ نے اسکا جواب دیا۔ محدث ابوعوانہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد ابراہیم الحربیؒ کو فرماتے سُنا کہ:۔

اختلفوا فی اسم هذه المرأة	حضرات محدثینؒ اس عورت کے نام میں اختلاف کرتے ہیں

پھر فرماتے ہیں صحیح یہی ہے کہ اس کا نام حبیبہؓ بنت جحش تھا۔ آپ ملاحظہ فرمائیے کہ محدث ابوعوانہؒ کی وفات ۳۱۶ھ میں ہوئی تھی (دیکھئے تذکرۃ الحفاظ ج ۳ صفحہ ۳ و تاریخ ابن خلکان ج ۲ صفحہ ۳۴۴ وغیرہ) گویا اُس بی بی کو دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً تین صدیاں گزر چکی تھیں مگر حضرات محدثین اسکو هذه المرأة سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۳) مشہور محدث اور فقیہ شیخ موفق الدین ابن قدامہ الحنبلیؒ (المتوفی ۶۲۰ھ جو سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ المتوفی ۵۶۱ھ کے شاگرد رشید تھے) اپنی مشہور تصنیف مغنی ج ۱ صفحہ ۶۰۲ طبع منار مصر میں لکھتے ہیں کہ:۔

قال احمد ما سمعنا احدا من	امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ ہم نے اہل اسلام میں
اهل الاسلام یقول ان الامام اذا جهر	سے کسی سے یہ نہیں سُنا جو یہ کہتا ہو کہ جب امام جہر سے
بالقرأة لا تجزی صلاة من خلفه اذا	پڑھتا ہو اور مقتدی نے اسکے پیچھے قرات نہ کی ہو تو مقتدی
لم یقرأ وقال هذا النبی صلی اللہ علیه وسلم	کی نماز باطل ہوگی۔ یہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے

علیہ وسلم اور بزرگانِ دین کی کیا فضیلت ہے کہ وہ بھی حاضر و ناظر اور کافر اور ظالم بھی حاضر و ناظر۔ اور اگر آپ کے نزدیک یہ شخص سے انکی شہرت کی بنا پر تعبیر ہے یا کوئی اور وجہ ہے تو وہی ھذا الرجل سے ہمارا جواب سمجھ لیجئے۔ فما ھو جوابکم فھو جوابنا ۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی ۔ گو مشتِ خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد

حضرات محدثین کرام اور شراح حدیث بھی یہی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو میت کے سامنے قبر میں حاضر نہیں کیا جاتا بلکہ آپ کی شہرت کی بناء پر سوال ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ قسطلانی ج۳ صفحہ ۳۹ و قسطلانی علی البخاری ج ۱ صفحہ ۱۴۲ میں لکھتے ہیں بعض نے یہ کہا ہے کہ میت کو قبر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نظر آتے ہیں۔ اگر یہ بات صحیح ثابت ہو جائے تو مومن کے لئے بڑی خوشی کی بات ہے (مفتی احمد یار خانصاحب نے یہیں تک عبارت نقل کی ہے اور آگے کی عبارت کو شیر مادر سمجھ کر ہضم کر گئے ہیں۔ دیکھئے جاء الحق صفحہ ۱۳۶) لیکن لانعلم حدیثا صحیحا مرویا فی ذالک ہمیں کوئی ایسی صحیح حدیث نہیں مل سکی جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر میں حاضر کئے جاتے ہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ اس قائل کو لفظ ھذا سے دھوکا ہوا ہے۔ حالانکہ ھذا کا اطلاق غائب پر بھی ہو سکتا ہے جبکہ اس کا کچھ نہ کچھ علم ذہن میں محفوظ ہو امام جلال الدین سیوطیؒ شرح صدور میں لکھتے ہیں کہ:۔

وسئل الحافظ ابن حجرؒ ھل یکشف لہ ذای للمیت حتی یری النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاجاب انہ لم یرو ھذا فی حدیث وانما ادعاہ بعض من لا یحتج بہ بغیر مستند سوی قولہ فی ھذا الرجل ولا حجۃ فیہ لان الاشارۃ الی الحاضر فی الذھن انتھی۔ (شرح صدور ص طبع مصر ونقلہ فی مجموعۃ الفتاوی ج ۲ ص ۲۷)

حافظ ابن حجرؒ سے دریافت کیا گیا کہ کیا قبر میں میت کے لئے درمیانی پردے اٹھائے جاتے ہیں حتیٰ کہ وہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھ لیتی ہے؟ تو حافظ صاحب نے جواب دیا کہ کسی حدیث سے اس کا ثبوت نہیں ملتا بعض ایسے لوگوں نے جن کی بات حجت نہیں ہو سکتی بغیر کسی دلیل اور سند کے ھذا الرجل سے یہ احتجاج کیا ہے مگر اس کی بات حجت نہیں ہے کیونکہ ھذا کا اشارہ حاضر فی الذہن کے لئے آتا ہے۔

علامہ قسطلانیؒ، حافظ ابن حجرؒ اور امام سیوطیؒ وغیرہ کی اس تصریح سے صاف معلوم ہوا کہ لفظ ھذا سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کرنے والے وہ لوگ ہیں جن کی بات سرے سے حجت ہی نہیں ہو سکتی اور ان کا یہ استدلال بھی بغیر سند کے اور بغیر دلیل کے ہے اور ھذا کا اشارہ تو معہود فی الذہن کے لئے ہے یہی وجہ ہے کہ میت جواب دیتی ہے تو یوں کہتی ہے۔ وہ خدا کے رسول ہیں۔ اگر واقعی میت کے سامنے آپ حاضر ہوں تو جواب میں بھی کہنا چاہیئے: یہ خدا کے رسول ہیں۔ بلکہ مستدرک ج ا صفحہ ۳۸ کی ایک حدیث میں (جس کی اعلیٰ شرط مسلم تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبی دونوں متفق ہیں) یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ دفن کے بعد مردے سے جب سوال ہوتا ہے تو:-

فیقال لہ ما تقول فی ھذا الرجل الذی کان فیکم وماذا تشھد بہ علیہ فیقول ای رجل؟ فیقولون الرجل الذی کان فیکم قال فلا یھتدی لہ قال فیقولون محمد فیقول سمعت الناس قالوا فقلت کما قالوا۔ الحدیث۔

اس سے پوچھا جاتا ہے کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا ہے جو تم میں تھا اور تیری اسکے بارے میں کیا کچھ گواہی ہے؟ وہ کہتا ہے کہ تم کس شخص کے بارے میں سوال کرتے ہو؟ فرشتے جواب دیتے ہیں۔ اس شخص کے بارے میں پوچھتے ہیں جو تم میں تھا (فرمایا) یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد بھی وہ نہیں پہچان سکتا کہ اس سے کس شخص کے متعلق سوال ہو رہا ہے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو جو کہتے سنا تو میں بھی وہی کہنے لگا جو انہوں نے کہا۔

امام سیوطیؒ نے ابن ابی شیبہؒ، ابن جریرؒ، ابن المنذرؒ، ابن حبانؒ اور بیہقیؒ وغیرہ کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً یہ جملہ بھی نقل کیا ہے کہ:-

وما تشھد بہ فلا یھتدی لاسمہ فیقال محمد صلی اللہ علیہ وسلم الخ (شرح الصدور ص ۵۳)

تو ان کے بارے میں کیا گواہی دیتا ہے لیکن اس کو انکا نام تک نہ آئیگا سو اس سے کہا جائیگا کہ وہ تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔

یہ صحیح روایت اس حدیث کے مفہوم اور مراد کو متعین کر دیتی ہے کہ قبر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو

حاضر نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہو تو میت کو دیکھنے کے ساتھ ہی یہ معلوم ہو جانا چاہیئے کہ یہ بزرگ ہستی جس کے بارے میں مجھ سے سوال ہو رہا ہے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ گو اس روایت کا یہ حصہ کافر سے متعلق ہے لیکن اس سے صراحت کے ساتھ یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ ہر قبر میں آپ حاضر و ناظر نہیں ہوتے۔ مومن کے حق میں حاضر و ناظر نہ ہونے کی تصریح حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کے حوالوں سے ابھی نقل کی جا چکی ہے۔ بلکہ امام ابن مردویہؒ کی ایک مرفوع روایت میں جو حضرت انسؓ سے مروی ہے یوں آیا ہے کہ :-

ما کنت تقول فی ھذا الرجل الذی کان بین اظھرکم الذی یقال له محمد قال فاما المؤمن فیقول اشھد انه عبد الله ورسوله الحدیث (شرح صدور فی احوال الموتی والقبور ص۵۲ طبع مصر)

تم اس شخص کے بارے میں جو تم میں موجود تھے جن کو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کہا جاتا ہے کیا کہتے ہو؟ مومن یہ کہتا ہے کہ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

اور امام ابن ابی شیبہؒ، ابن جریرؒ، ابن منذرؒ، ابن حبانؒ، طبرانیؒ، ابن مردویہؒ، حاکمؒ اور بیہقیؒ کی روایت میں جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً مروی ہے یوں آیا ہے کہ جب مومن سے یہ سوال ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے :-

انه رسول الله جاءنا بالبینٰت الحدیث (شرح صدور ص۵۲)

کہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جو ہمارے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے۔

اور اسی طرح مسند احمد اور بیہقیؒ کی روایت میں جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے جس کی سند صحیح ہے کہ مومن کا جواب یہ ہوتا ہے کہ :-

محمد رسول الله جاءنا بالبینٰت من عند الله الحدیث (شرح صدور ص۵۲)

کہ وہ تو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے پاس واضح دلائل لے کر آئے تھے۔

اس میں جاءنا بالبینٰت کا جملہ اس بات کو متعین کر دیتا ہے کہ یہ دنیوی اور تکلیفی زندگی کا آنا مراد ہے کیونکہ قبر میں واضح دلائل لے کر کسی رسول کا تشریف لانا بے معنی ہے اس لئے کہ مرنے کے بعد عملی اور تکلیفی زندگی یکسر ختم ہو جاتی ہے۔ ان روایات سے مومن کے حق میں بھی قبر کے اندر آپ کے حاضر و ناظر نہ ہونے پر کافی

روشنی پڑتی ہے مگر عقل و خرد شرط ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور بات بھی خصوصیت سے قابل غور ہے وہ یہ کہ فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت خانصاحب بریلوی خود لکھتے ہیں کہ ما تقول فی ھذا الرجل ان کے بارے میں تو کیا کہتا ہے۔ اب نہ معلوم کہ سرکار خود تشریف لاتے ہیں یا روضہ مقدسہ سے پردہ اٹھا دیا جاتا ہے۔ شریعت نے کچھ تفصیل نہ بتائی۔ (ملفوظ ملفوظات حصہ چہارم ص۶) خانصاحب نے اس عبارت میں اس کی تصریح کر دی ہے کہ آپ کے قبر میں تشریف لانے پر شریعت کی کوئی تفصیل موجود نہیں ہے جب شریعت سے اسکی کوئی تفصیل اور کوئی ثبوت نہیں تو کسی کو اپنی طرف سے کچھ کہنے کا کیا حق ہے؟ مزید کچھ صریح اور صحیح حدیثیں حاضر و ناظر کی نفی پر عنقریب آرہی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ ہم نے نہایت ہی اختصار کے ساتھ پہلا جواب قارئین کرام کی خدمت میں عرض کر دیا ہے۔ اب گویا صدائے غیب سے مخالفین کو کہا جا رہا ہے۔ ؎

خزاں نہ تھی چمنستانِ دہر میں کوئی　　خود اپنا ضعفِ نظر پردۂ بہار ہوا

جواب دوم: ہمارے پاس ایسے دلائل بھی موجود ہیں جن سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قبر میں حاضر و ناظر ہونے کی صاف نفی اور تردید ہوتی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

صحیح بخاری ج ۱ ص۶۵، مسلم ج ۱ ص۳۰۹ اور طیالسی ص۳۲۱ وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرد (یا عورت) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد نبوی کی صفائی اور خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ رات کے وقت فوت ہو گیا حضرات صحابہ کرامؓ نے اس کو دفن کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع نہ دی۔ کچھ عرصہ گزر گیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ وہ شخص خادم مسجد کہاں ہے؟ حضرات صحابہ کرامؓ نے کہا کہ اس کا تو انتقال ہو چکا ہے اور ہم اس کو دفن کر آئے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا:-

افلا کنتم آذنتمونی به، دلونی　　تم نے مجھے اس کے جنازہ کی اطلاع کیوں نہیں دی
علیٰ قبرہ۔　　چلو مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔

چنانچہ حضرات صحابہ کرامؓ نے آپ کو اس کی قبر بتلائی اور آپ نے اس کے لئے دعا کی۔

فریق مخالف سے مؤدبانہ التجا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر میں میت کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو اس شخص سے بھی ماتقول فی ھذا الرجل سے سوال ہوا ہوگا اور فریق مخالف کے مزعوم کی بنا پر آپ وہاں تشریف لے گئے ہوں گے۔ اس کو دیکھا ہوگا تو پھر کیوں یہ پوچھتے ہیں کہ فلاں شخص کہاں ہے؟ اس کو کیا ہوا؟ تم نے مجھے جنازہ پر کیوں اطلاع نہ دی؟ چلو مجھے اس کی قبر بتلاؤ۔ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیدہ دانستہ حضرات صحابہ کرامؓ سے اپنی لاعلمی کا اظہار کیا؟ یہ جھوٹ ہوگا یا سچ؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) فرمایئے: ع

کون دیکھے یہ بے بسی دل کی

مولوی محمد عمر صاحب اس حدیث کا یوں جواب دیتے ہیں کہ انھوں نے اذن بھی نہیں لیا تھا۔ اسی واسطے آپ نے فرمایا، ھلا اذنتمونی کہ تم نے مجھ سے کیوں اجازت نہیں لی۔ پھر بے ادبی کو معمولی سمجھا۔ فکانھم صغروا امرھا یہ تو آپ کے علم غیب پر دال ہے۔ پھر تمھارا یہ کہنا کہ اگر آپ کو علم غیب ہوتا تو دلونی علی قبرہ کیوں فرماتے کہ تم مجھے اس کی قبر بتاؤ۔ تو یہ بھی آپ کے عدم علم کی دلیل نہیں کیونکہ انھوں نے آپ کی اجازت کے بغیر جنازہ پڑھا تھا اور جنازہ بغیر ولی کی اجازت کے درست نہیں ہوتا اور اس عورت کی ولایت آپ کے ہی سپرد تھی (بلفظہ مقیاس ص۲۴۳)۔ مولوی محمد عمر صاحب سے پوچھئے کہ ھلا اذنتمونی کا یہ معنی کس کتاب میں ملے گا کہ تم نے مجھ سے اجازت کیوں نہیں لی۔ پھر یہ کس کتاب میں ملے گا کہ فکانھم صغروا امرھا کا یہ معنی ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ نے بے ادبی کو معمولی سمجھا تھا؟ اور پھر اسکا ثبوت کس کتاب میں ملے گا کہ اس عورت کی ولایت آپ کے سپرد تھی؟ اور یہ بھی بتائیں کہ دلونی علی قبرہ میں تو اسکی قبر کے معلوم کرنے کی تصریح ہے اس سے اجازت کے بغیر جنازہ پڑھانے کی تردید کیسے صحیح ہوئی ہے تردید تو بقول مولوی محمد عمر صاحب ھلا اذنتمونی کے جملہ سے ہو چکی ہے پھر اس کی کیا ضرورت رہی؟ ہوش سے جواب دینا ہوگا۔ صحیح معنی تو یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے مجھے اس کے جنازے کی اطلاع کیوں نہ دی؟ اور اگرچہ حضرات صحابہ کرامؓ نے اس بی بی کے معاملہ کو معمولی سمجھا کہ اس کے جنازے کے لئے خواہ مخواہ آپ کو بے موقع کیوں تکلیف دی جائے، مگر آپ نے اس کی قدردانی کی۔ الغرض یہ حدیث

نفی علمِ غیب اور حاضر و ناظر میں نص صریح ہے۔

(۲) موطا امام مالک ؒ حث؛ وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک غریب عورت بیمار ہوگئی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب اسکی بیماری کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا۔ اگر اس کی وفات ہو جائے تو مجھے مطلع کرنا تاکہ میں اس کا جنازہ پڑھاؤں۔ تقدیراً اس کی وفات بھی رات کو ہوگئی۔ حضرات صحابہ کرام ؓ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اطلاع دیئے بغیر اس کو دفن کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کی وفات کا علم تک بھی نہ تھا جب صبح ہوئی تو بعض حضرات صحابہ ؓ نے اس بی بی کی وفات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دی کہ فلاں عورت رات کو دفن کر دی گئی ہے۔ آپ نے فرمایا:

الم آمرکم ان تؤذنونی بها — کیا میں نے تمہیں کہا نہیں تھا کہ مجھے ضرور اطلاع دینا۔

حضرات صحابہ کرام ؓ نے عذر پیش کیا کہ حضرت رات کا وقت تھا۔ آپ آرام فرما رہے تھے۔ ہم نے آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور کھڑے ہو کر اسکے لئے دُعا کی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرات صحابہ کرام ؓ کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ آپ میت کے پاس حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ ورنہ آپ کو اس کی اطلاع دینے کی کیا ضرورت تھی کہ حضرت فلاں عورت رات کو وفات پا چکی ہے۔ ما تقول فی هذا الرجل سے سوال اس سے بھی ہوا ہوگا۔ اور بقول مخالفین آپ وہاں حاضر ہو کر اس کو دیکھ بھی آئے ہوں گے لیکن باوجود اس کے حضرات صحابہ کرام ؓ سے اس طرز سے گفتگو فرماتے ہیں کہ بالکل لاعلمی کا ثبوت ہو رہا ہے۔

حضرات انبیاء ؑ نبوت اور رسالت کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے۔ پیغمبر ظاہر اور باطن، قول اور فعل میں کبھی متضاد رنگ اختیار کر کے تلون مزاجی کا ثبوت نہیں دیا کرتے اور نہ ہی العیاذ باللہ تعالیٰ اس کی نسبت ہی انکی طرف کی جا سکتی ہے۔ یہ تو فریب کار لوگوں کا کام ہے کہ وہ ہاتھی کے دانتوں کا نمونہ ہوتے ہیں کہ کھانے کے اور اور دکھانے کے اور۔ کیا خوب کہا ہے کہنے والے نے ؎

نمی باشد مخالف قول و فعل راستان باہم — کہ گفتار قلم باشد ز رفتار قلم پیدا

(۳) نسائی ج ۱ صفحہ ۲۲۰، ابن ماجہ صفحہ ۱۱۱، مسند احمد ج ۴ صفحہ ۳۸۸، طحاوی ج ۱ صفحہ ۲۹۵ اور سنن الکبریٰ ج ۴ صفحہ ۴۸ وغیرہ میں ایک حدیث ہے جس کا مضمون یہ ہے۔ حضرت یزید بن ثابت ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چند حضرات صحابہ کرامؓ باہر نکلے آپ نے ایک تازہ قبر دیکھی اور فرمایا یہ قبر کس کی ہے؟
حضرات صحابہؓ نے جواب دیا: مولاۃ بنی فلان فعرفھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کہ یہ فلاں خاندان کی لونڈی کی قبر ہے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے بتلانے پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسکو پہچان لیا اور اسکی قبر پر کھڑے ہو کر نماز جنازہ پڑھی اور پھر آپ سے حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ حضرت آپ کا روزہ بھی تھا اور آپ آرام بھی فرما رہے تھے لہٰذا ہم نے آپ کو اس کے جنازہ پر مطلع کرنا نامناسب سمجھا۔
آپ نے فرمایا:

لا یموت فیکم میت ما دمت بین اظہرکم الا آذنتمونی به۔ (الحدیث)

جس وقت تک میں تمہارے اندر موجود ہوں کسی بھی میت کو مجھے اطلاع دیئے بغیر دفن نہ کیا جائے کیونکہ میری دعا باعث رحمت ہے۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر میں میت کے پاس اگر حاضر ہوتے ہیں تو اس بی بی سے بھی ما تقول فی ھذا الرجل سے سوال ہوا ہو گا اور آپ اس کے سامنے حاضر ہوئے ہونگے تو پھر نا معلوم آپ نے صحابہ کرامؓ سے ان الفاظ سے کہ یہ قبر کس کی ہے؟ کیوں لاعلمی کا اظہار کیا اور پھر یہ کیوں فرمایا کہ جب بھی کسی کی وفات ہو تو مجھے ضرور اطلاع کر دیا کرو۔ کیا حاضر و ناظر اور عالم الغیب سے بھی کسی کی موت مخفی رہ سکتی ہے؟ اور پھر فریق مخالف کے اس مشرکانہ عقیدہ کو بھی ساتھ ملا لیجئے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مختار کل بھی ہیں یعنی مارنا، زندہ کرنا، رزق دینا وغیرہ وغیرہ امور باذن خداوندی آپ ہی انجام دیتے ہیں گویا آپ حاضر و ناظر اور عالم الغیب ہونے کے ساتھ خود کسی کی زندگی کو بھی ختم کر دیں اسکو ابدی نیند سلا بھی دیں اور خود ہی فرمائیں جب کسی کی وفات ہو جائے مجھے ضرور اطلاع کرنا۔ فریق مخالف کی یہ عجیب ہوائی منطق ہے۔

ع۔ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

دعا کیجئے کہ یہ ان ہی کو مبارک ہو۔

ایک اور طرز سے

اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر اور اپنی امت میں موجود ہیں تو آپ نے

یہ کیوں فرمایا کہ میں جب تک تمہارے اندر موجود ہوں مجھے اطلاع دیئے بغیر کسی کو دفن نہ کرنا اور اگر آپ ہر وقت موجود ہیں تو مخالفین ہی فرما دیں کہ کیا انہوں نے اپنے جنازوں میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اطلاع دی ہے اور آپ کی موجودگی میں وہ خود کیوں نماز جنازہ پڑھاتے ہیں؟ نماز تم خود پڑھاتے ہو خطبہ خود پڑھتے ہو فتویٰ خود دیتے ہو تمہیں کیا حق ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں تم خود محراب اور منبر کی زینت بنے رہو اور اُمت کو آپ کی امامت سے محروم رکھو؟ اور قرآن کریم میں موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنا اعمال کے حبط ہونے کا موجب ہے مگر یہ بھی سب یہ عقیدہ رکھنے کے باوجود کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں گلے پھاڑ پھاڑ کر قوالیاں کرتے اور نعرے لگاتے ہیں اور بآواز بلند مل کر مسجدوں میں درود شریف پڑھتے ہیں اور اسی طرح زندگی بھر آپ کی موجودگی میں بلند آواز سے چلا چلا کر باتیں کرتے ہیں ؎

ستعلم لیلیٰ ای دین تداینت
وای غریم فی التقاضی غریمها

اس سے قبل کہ ہم حدیث سے متعلق ایک فائدہ لکھ کر فریق مخالف کے ایک عام اغلوطہ کا جواب عرض کریں؛ یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک اصولی بات عرض کر دیں۔ وہ یہ کہ اس جواب کے نمبر اوّل اور نمبر دوم میں ہم نے جو حدیثیں پیش کی ہیں وہ طبقہ اولیٰ (یعنی بخاری، مسلم اور موطا امام مالکؒ) کی ہیں جن کی سند پر کسی کو کلام اور جرح کرنے کا حضرات محدثین کرامؒ کے نزدیک حق نہیں پہنچتا۔ البتہ ہم نے جو حدیث نمبر دوم میں ہدیۂ قارئین کی ہے وہ طبقہ اولیٰ کی نہیں لیکن اس کی بھی جملہ اسانید میں جلیل القدر ائمہ حدیث ہیں جن پر ذرہ برابر بھی کلام نہیں ہو سکتا۔ ضرورت تو نہیں لیکن ہم فقط نسائیؒ کی سند کے روات اور ان کی توثیق کتب رجال سے عرض کر دیتے ہیں۔ نسائیؒ کے رجال یہ ہیں[1] اور سب ثقہ ہیں۔ حاشیہ میں دیکھ لیں۔

---

[1] ابو قدامہ عبید اللہؒ بن سعید جو ثقہ مامون اور امام اہل سنت تھے۔ (التقریب ص۲۲۵)
[2] عبد اللہؒ بن نمیرؒ علامہ ذہبیؒ ان کو الحافظ اور الامام لکھتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ج۱ ص۲۹۹)، (۳) عثمانؒ بن حکیمؒ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے۔ امام ابن معینؒ، ابوداؤدؒ، ابو حاتمؒ، نسائیؒ، عجلیؒ، ابن نمیرؒ، یعقوب بن شیبہؒ، ابن سعدؒ، ابو زرعہؒ اور ابن حبانؒ سب ان کو ثقہ کہتے تھے۔ (تہذیب التہذیب ج۷ ص۱۱۲)، (۴) خارجہؒ بن زیدؒ ثقہ اور فقیہ تھے (التقریب ص۱۰۱)، (۵) حضرت زید بن ثابتؓ جلیل القدر صحابی تھے۔ (تجرید اسماء الصحابہ ج۱ ص۲۰۵)۔

فائدہ عظیمہ: فریق مخالف یہ بھی کہا کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرات صحابہ کرام سے جو سوالات کیا کرتے تھے ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کو پہلے علم نہیں ہوتا تھا بلکہ آپ دیدہ دانستہ کسی مصلحت کی بنا پر سوال فرمایا کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ باوجود عالم الغیب ہونے کے کسی مصلحت کے پیش نظر سوال کرتا ہے مثلاً:

مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يَا مُوْسٰى — اے موسیٰ (علیہ السلام) تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟

یا اس کے علاوہ بھی قرآن کریم اور حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصلحت اور حکمت کے تحت سوال کرتا ہے۔ اس قسم کے سوالات سے (نعوذ باللہ تعالیٰ) اس کا جہل لازم نہیں آتا۔ اسی طرح جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیائے عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرات اولیائے کرام نے بھی اگر کسی وقت کسی سے کوئی چیز پوچھی ہے تو یہ بھی مصلحت اور حکمت پر مبنی ہے آپکی لاعلمی اور بے خبری پر مبنی نہیں۔ (دیکھئے مقیاس صفحہ ۳۲ وغیرہ)۔ اس مغالطہ کے ہم صرف دو جواب عرض کرتے ہیں۔ قارئین کرام غور سے ملاحظہ فرمائیں۔

جواب اول: اللہ تعالےٰ کے متعلق کسی کو شک نہیں کہ وہ ہر چیز کو جانتا اور دیکھتا ہے بلکہ ہر مسلمان اور صاحب عقل اور انصاف کا یہی عقیدہ ہے کہ وہ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے۔ لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کے متعلق سوال کریگا تو یقیناً اسکا سوال حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوگا بخلاف اسکے جب حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرات اولیاء کرام وغیرہ سوال کرتے ہیں تو چونکہ وہ عالم الغیب نہیں اسلئے اصل یہی ہے کہ انکو معلوم نہیں۔ ہاں البتہ اگر کسی چیز پر کوئی اور دلیل قاطع قائم ہو سکے کہ جس چیز کا انھوں نے سوال کیا تھا وہ انکو اس سے قبل معلوم تھی تو اس صورت میں ان کے صرف اس سوال کو مصلحت اور حکمت پر حمل کیا جائیگا۔ الحاصل مخلوق میں اصل اور قاعدہ یہی ہے کہ چونکہ وہ عالم الغیب نہیں، اس لئے ماننا پڑیگا کہ ان کا اس چیز کے بارے میں سوال بے خبری اور لاعلمی پر مبنی ہے بخلاف اللہ تعالیٰ کے کہ وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اسکا سوال کسی حکمت اور مصلحت کے خلاف اور کچھ نہیں ہو سکتا تو مخلوق کو خالق پر قیاس کرنا، حادث کو قدیم پر قیاس کرنا اور وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ پر ایسی ہستیوں کو قیاس کرنا جنکا علم بقول خضر علیہ السلام "دریا کا ایک قطرہ" ہو، کتنا صریح ظلم ہے لیکن اس کے ساتھ فریق مخالف سے یہ بھی مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ کوئی ایسی صریح اور صحیح حدیث پیش کرے جس کا

مضمون یہ ہو کہ جناب رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غیر شرعی (یعنی تکوینی) امور میں جس چیز کے متعلق بھی سوال کیا، آپ اس کو خوب جانتے تھے بخلاف اس کے اللہ تعالیٰ باوجود اس کے کہ ہر چیز کو جانتا ہے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں، پھر بھی ہم آپ کو چند حدیثیں سرِدست سنائے دیتے ہیں۔ جن سے بصراحت ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو خوب جانتا ہے جس کے بارے میں وہ سوال کرتا ہے۔

(۱) صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۴۴ میں یہ حدیث آتی ہے کہ جب فرشتے ذکر و تدریس کی مجالس سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ کے پاس انسانوں کے اعمال کی ڈائری سناتے ہیں تو

فیسئال اللہ منھم وھو اعلم — اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے

(۲) مستدرک ج ۱ ص ۹۰ میں (جس کی تصحیح پر امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں متفق ہیں) ایک حدیث ہے

فیسئال اللہ عنھم وھو اعلم — اللہ تعالیٰ فرشتوں سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہے

(۳) اسی مضمون اور الفاظ کی حدیث مسند طیالسی ص ۳۱۹ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق بھی ایسے ہی مواقع میں کان اعلم (آپ خوب جانتے ہیں) کے الفاظ صحیح اور صریح احادیث میں موجود ہیں۔ بلکہ آپ یہی پائیں گے کہ آپ نے بارہا ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کیا کہ آپ کو پہلے علم نہ تھا۔ اور حضرات صحابہ کرامؓ کے سامنے بھی آپ نے لاعلمی اور بے خبری ہی کا اظہار کیا حالانکہ مخلوق کے ایسے سوالات کو خالق پر قیاس کرنا تو زندقہ اور الحاد ہے (عیاذاً باللہ تعالیٰ)

جواب دوم: ہم نے جو حدیث نسائی وغیرہ کے حوالہ سے بدیۂ ناظرین کی ہے اور جس کے رواۃ اور رجال کی توثیق بھی عرض کر دی ہے، اس حدیث میں یہ جملہ بھی موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک نئی اور تازہ قبر کے متعلق سوال کیا تو حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یہ فلاں خاندان کی لونڈی کی قبر ہے۔ آگے یہ لفظ بھی موجود ہیں۔ فعرفھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے بتلانے پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسکو پہچان لیا۔ کیا مخالفین یہ بتلا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز کے متعلق سوال کیا اور اسکے جواب ملنے پر اللہ تعالیٰ نے اسکو پہچان لیا؟ قرآن کریم کی آیت اگر نہیں پیش کر سکتے تو کوئی صحیح اور صریح حدیث ہی پیش کریں کہ اللہ تعالیٰ نے سوال کیا اور ہم بیسیے

جواب کے بعد فصرقہ اللہ تعالٰے الشقی اس کو پہچان لیا اور خدا کو معلوم ہوگیا (العیاذ باللہ تعالٰی) کالی اند گوری کے قصے اور کہانیاں سنا سنا کر گمراہ کرنے والو اور وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسٰى سے پیغمبروں کا علمِ غیب ثابت کرنے والو۔ آؤ اور اگر ہمیں جواب دو ؂

صراحی در بغل، ساغر بکف مستانہ وار آجا لگا کے آسرا بیٹھا ہے اک مستانہ برسوں سے

قارئین کرام! میں اصل مضمون سے دور جا پڑا مگر کیا کرتا مجبور تھا۔ الشئ بالشئ یذکر میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم میت کے پاس قبر میں ما تقول فی ھذا الرجل سے خام استدلال کی بناء پر حاضر ہوتے ہیں تو بیشمار حدیثیں ایسی موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو بے شمار مردوں کے دنیا سے چل بسنے کا علم نہ تھا۔ آپ نے کئی ایک آدمیوں سے متعلق انکی خیریت کے بارے میں انکے احباب سے سوالات بھی کئے اور کئی ایک قبور کے بارے میں بھی سوال کیا کہ یہ قبر کس کی ہے؟ مستدرک ج ۱ ص ۳۶۷ میں ایک حدیث آتی ہے (جسکی امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ دونوں تصحیح کرتے ہیں) مضمون اس کا یہ ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک جنازہ میں شریک ہوئے تو ایک (جدید) قبر نظر پڑی۔ آپ نے فرمایا قبر من ھذا؟ یہ کس کی قبر ہے؟ حضرات صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ یہ ایک حبشی غلام کی قبر ہے۔ آپ نے اللہ تعالٰی کی حمد و ثنا بیان کرنے کے بعد فرمایا۔ قدرت کے کرشمے دیکھو۔ اسکو خاکِ گور کس طرح اپنے وطن سے کھینچ کر لائی۔ اگر آپ قبر میں حاضر ہوتے تو اس سوال کا کیا مطلب؟ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ایک قبر کے قریب سے گزرے اور آپ نے فرمایا متی دفن ھذا اس کو کب دفن کیا گیا ہے؟ حضرات صحابہؓ نے فرمایا رات کو۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں اطلاع نہ دی؟ حضرات صحابہؓ نے عرض کیا حضرت ہم نے اسکو رات کے وقت دفن کیا ہے اور ہم نے آپ کو تکلیف دینا مناسب نہ سمجھا چنانچہ آپ نے اور حضرات صحابہؓ نے اسکی قبر پر کھڑے ہو کر جنازہ پڑھایا (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۴۵ و قال متفق علیہ) قارئین کرام سردست ہم اس استدلال کے انہی روایات پر اکتفا کرتے ہیں اگر آپ آنکھیں کھول کر انصاف سے دیکھیں گے تو آپ کو حق اور صداقت صاف طور پر نظر آجائے گی اور اگر ؂

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا؟

فریق مخالف کی ساتویں دلیل اور اُس کا حشر

مخالفین کہا کرتے ہیں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں تو نماز میں آپ کو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ (سلامتی ہو تجھ پر اے نبی) سے خطاب کیوں کیا جاتا ہے؟ معلوم ہوا کہ آپ ہر نمازی کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور نمازی آپ کو خطاب کرتا ہے۔ (دیکھئے جاء الحق ص۱۴۵ ومقیاس حنفیت ص۲۸۲ وتسکین الخواطر ص۵ وغیرہ)۔

جواب اوّل: قارئین کرام! یہاں دو مقام ہیں۔ ایک یہ کہ اگر آپ حاضر و ناظر نہیں تو عَلَیْکَ (تجھ پر) سے کیوں خطاب ہوتا ہے۔ دوسرا اَیُّھَا النَّبِیُّ (اے نبی) سے کیوں خطاب ہوتا ہے؟ ہم شق ثانی کا جواب آئندہ عرض کریں گے۔ یہاں شق اوّل یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ کے جوابات ہدیہ ناظرین کرام کرنا چاہتے ہیں۔ بزرگانِ دین تو یہ فرماتے آئے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے اور آپ نے وہاں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی کہ تمام زبانی، بدنی اور مالی عبادتیں اللہ تعالیٰ ہی کیلئے مخصوص ہیں۔ (اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ وَالصَّلَوٰتُ الخ) تو اللہ تعالیٰ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ   سلامتی ہو تجھ پر اے نبی۔

چونکہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کیا تھا۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی اُمت اور حضرات صحابہ کرامؓ کو تعلیم دیتے وقت حرفِ خطاب کو جس طرح کہ آپنے اللہ تعالیٰ سے سنا تھا، برقرار رکھا۔

(۱) شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:-

اگر گویند کہ خطاب حاضر را بود و آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دریں مقام نہ حاضر است پس توجیہ ایں خطاب چہ باشد جوابش آنست کہ چوں ورود ایں کلمہ در اصل

اگر کہیں کہ خطاب تو حاضر کو ہوتا ہے اور آپ اس مقام میں حاضر نہیں ہیں تو اس خطاب کی توجیہ کیا ہوگی؟ جواب اس کا یہ ہے کہ یہ کلمہ دراصل شب

یعنی شب معراج بصیغہ خطاب بود دیگر تغیر نہ دادند درہماں محل گزاشتند (مکتوبات حضرت شیخ برحاشیہ اخبار الاخیار ص ۳۱۶) — معراج میں بصیغۂ خطاب وارد ہوا ہے اور اس کو اسی پر برقرار رکھا گیا اور اس میں کوئی تغیر نہ کیا گیا۔

یہی بات مستند کتابوں میں مذکور ہے کہ شب معراج میں یہ خطاب ہوا تھا اور اس کو برقرار رکھا گیا (مثلاً ملاحظہ ہو مرقات ملا علی قاری ج ۱ ص ۵۵۵ وبحر الرائق ج ۱ ص ۳۲۲ وشامی ج ۱ ص ۳۴۲ وغیرہ)۔

اور اس کی قرآن کریم میں بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ اگر کسی وقت کسی شخصیت اور فرد کو اس کی موجودگی اور حاضری میں خطاب ہوا تھا تو آج بھی حرف یا اور خطاب کی ضمیر سے اسے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کو ضمیر خطاب سے یاد کرنے سے اس کا حاضر و ناظر ہونا کوئی بھی مراد نہیں لیتا۔

(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب فرعون کو تبلیغ کی اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیش کردہ دلائل کا گستاخانہ الفاظ میں رد کیا تو فرعون کی اس گستاخی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:۔

وَاِنِّیْ لَاَظُنُّکَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا — اور بے شک میں تجھے خیال کرتا ہوں اے فرعون کہ تو تباہ کر دیا جائے گا

اس آیت میں یٰفِرْعَوْنُ کے جملہ کو ذہن میں محفوظ رکھیے تا کہ کام آئے۔ وانشاء اللہ کام آئیگا۔ البتہ ملاحظہ کیجئے کہ آج بھی ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں قرآن کریم پڑھنے والے مسلمان لَاَظُنُّکَ کو خطاب کی ضمیر سے ہی پڑھتے ہیں لیکن اس سے فرعون کو کوئی بھی حاضر و ناظر نہیں سمجھتا۔

(۲) حضرت یوسف علیہ السلام سے عزیز مصر کی بیوی نے ایک مخصوص ڈرامہ کھیلنا چاہا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی و طہارت اور عصمت پر عزیز مصر کی بیوی کے خاندان ہی سے ایک شیر خوار بچے کو گواہ بنایا اور عزیز مصر پر جب یہ بات واضح ہو گئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا تو بالکل کوئی قصور نہیں بلکہ سارا قصور ہی میری بیوی کا ہے تو اس پردہ اپنی بیوی کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِکِ اِنَّکِ کُنْتِ مِنَ الْخٰطِئِیْنَ (پ ۱۲) — اپنے گناہ پر معافی مانگ بے شک تو ہی خطا کاروں میں تھی۔

اس آیت میں بھی لِذَنْۢبِکِ اور اِنَّکِ سے عزیز مصر کی بیوی کو خطاب ہے اور سارے مسلمان اب تک اسی طرح پڑھتے ہیں مگر عزیز مصر کی بیوی کو کوئی بھی حاضر و ناظر نہیں سمجھتا ممکن ہے کہ فریق مخالف کرشن کنہیا کا

کی طرح اسکو بھی حاضر و ناظر جانتا ہو کیونکہ فریق مخالف کے ولی اور بزرگ تو رحم میں نطفہ پڑتے بھی دیکھتے رہتے ہیں اور جماع کے وقت بھی پاس موجود ہوتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔

(۳) مصر کے جیل خانہ میں بے قصور حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ چند دیگر اخلاقی مجرم بھی تھے۔ دو آدمیوں نے خواب دیکھے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو تعبیر بتائی جس قیدی کی رہائی اور نجات ہونے والی تھی حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے کہا:۔

وَاذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ — میرا ذکر بھی اپنے آقا کے سامنے کر دینا۔

اس آیت میں بھی حضرت یوسف علیہ السلام نے ایک قیدی کو خطاب کیا تھا مگر آج بھی مسلمان عِندَ رَبِّكَ کے الفاظ سے ہی اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے ہیں لیکن اس قیدی کو کوئی بھی حاضر و ناظر نہیں کہتا مگر خیال رہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ میں یہ حکایت محض حکایت نہیں بلکہ بطور انشاء اور دعا ہے چنانچہ در مختار ج ۱ صفحہ ۳۴۶ میں ہے کہ:۔

ويقصد بالفاظ التشهد ــــ الانشاء — کہ الفاظ تشہد سے مراد انشاء ہونی چاہیئے۔

اور الدر المنتقی فی شرح الملتقی ج ۱ صفحہ ۱ میں ہے کہ:۔

لابد ان يقصد بالفاظ التشهد الانشاء — کہ الفاظ تشہد سے انشاء مراد لینا ضروری ہے۔

اور اسی کے قریب عالمگیری ج ۱ صفحہ ۳۰ میں ہے اور اوجز المسالک ج ۱ صفحہ ۲۶۵ میں ہے کہ:۔

وحكاية ما فى المعراج على طريق الانشاء — کہ جو الفاظ معراج کے موقعہ پر آپ کو ملے تھے انکو انشاء کے طور پر اپنی طرف سے کہے۔

اور شیخ عبد الحق صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"در حقیقت ایں دعا است از نزد اگرچہ بصیغہ خطاب است" (مدارج النبوت ج ۱ صفحہ ۲۶۵)

اور اس انشاء اور دعا کی اہل عرفان اور حضرات صوفیاء کرام کے طور پر تشریح بقول حافظ ابن حجر ایہ عبارت عینی شرح بخاری ج ۶ صفحہ ۲۶۵۔ زرقانی شرح موطا امام مالک ج ۱ صفحہ ۱۶۰ و شرح مواہب ج ۷ صفحہ ۳۲۹ و فتح الملہم ج ۲ صفحہ ۴۳ اور اوجز المسالک ج ۱ صفحہ ۲۶۵ وغیرہ میں بھی مذکور ہے ۔ یہ ہے کہ:۔

ويحتمل ان يقال على طــريق — اور اس کا احتمال بھی ہے کہ اہل عرفان کے طریقہ پر یہ کہا جائے

أهل العرفان أن المصلين لما استفتحوا
باب الملكوت بالتحيات أذن لهم
بالدخول في حرم الحي الذي
لا يموت فقرت أعينهم بالمناجاة
فنبهوا على ذلك بواسطة نبي
الرحمة وبركة متابعته فالتفتوا
فإذا الحبيب في حرم الحبيب حاضر
فأقبلوا عليه قائلين السلام
عليك أيها النبي ورحمة الله و
بركاته (فتح الباري ج ۲ ص ۲۵۰)

کہ نمازی جب التحیات کی وجہ سے ملکوت کا دروازہ کھلواتے ہیں تو ان کو اس پروردگار کی درگاہ میں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے جو زندہ ہے جس پر کبھی موت نہیں آتی اس مناجات سے انکی آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں اور انہیں آگاہ کیا جاتا ہے کہ یہ کچھ ملا ہے بواسطہ نبی رحمت اور انکی پیروی کی برکت ہی سے ملا ہے جب اس مقام پر وہ پہنچے تو انہوں نے نظر اٹھا کر جو دیکھا کہ حبیب حقیقی (اللہ تعالیٰ) کے دربار میں حبیب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف فرما اور حاضر ہیں او حبیب کو اس مقام پر حاضر پا کر نمازی یہ تحفہ پیش کرتے ہیں کہ السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اور یہ تحقیق اس حدیث کے پیش نظر کی گئی ہے جو ان تعبد اللہ کانک تراہ کے الفاظ سے کتب احادیث میں آئی ہے۔ یہ بحث ہی اس پر مبنی ہے کہ نمازی گویا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے اور گویا کہ اسکے دربار میں حاضر ہوتا ہے اور وہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجود ہوتے ہیں اور اس رنگ میں آپ سے خطاب کیا جاتا ہے۔ تصوف اور تعرف کے اس شارحانہ یا عارفانہ نکتہ سے بھی ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہوتے بلکہ نمازی کو خود کمال پیدا کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حبیب کے سلام کے لئے حاضر ہونا پڑتا ہے۔ مگر یہ مقام کتنوں کو حاصل ہے؟ جس کو خدا دے۔ ع

اس کے الطاف بہت ہیں کہ گنہگار بہت

جواب ہفتم: اگر ہم السلام علیک سے حکایت نہ سمجھیں بلکہ صرف اور محض دعا اور انشاء ہی سمجھیں تو بھی اس سے حاضر و ناظر مراد لینا قطعاً باطل ہے جیسا کہ ہم اپنے خطوط میں دور دراز ملکوں میں اپنے دوستوں، بھائیوں اور اکابر کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لکھا کرتے ہیں تو اس کا یہ معنی تو نہیں ہوتا کہ وہ سب ہمارے پاس حاضر اور موجود ہوتے ہیں ورنہ ان کو خط لکھنے ہی کی کیا ضرورت ہے؟ بلکہ یہ مطلب ہے

کہ جب ہمارا خط بزرگوں اور دوستوں کو پہنچ جائیگا تو اس وقت ان سے خطاب ہو جائیگا۔ جیسا کہ بخاری اور مسلم وغیرہ میں مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بادشاہِ روم کو خط میں لکھا تھا :-

ادعوك بدعاية الاسلام — میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔

اس کا یہ معنی تو نہیں تھا کہ ہرقل آپ کے پاس حاضر اور موجود تھا۔ اسی طرح آپ یہاں بھی سمجھئے کہ ہم اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ سے خطاب کرتے ہیں تو اس کا معنی یہ نہیں کہ آپ ہمارے پاس موجود اور حاضر ہوتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب سلام آپ تک پہنچ جائیگا تو خطاب ہو جائیگا۔ فریق مخالف کے مسلّم اور مشہور محقق عالم مولوی عبد السمیع صاحب بخاری شریف کی ایک روایت کا حوالہ دے کر ارشاد فرماتے ہیں کہ :

اما بعد فانی ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم اس میں خطاب حاضر کا ہے۔ بادشاہ روم کو حالانکہ آپ ملک عرب میں تھے اور وہ روم میں تھا اور وہ اصحاب کشف سے نہ تھا کہ حضرت کا خطاب وہاں سے معلوم کر لیتا لیکن چونکہ یہ بات تھی کہ قاصد اس خط کو لے جا کر اسکے ہاتھ میں دے دے گا۔ یہ خط اسکی نظر کے سامنے سے گزرے گا خطاب صحیح ہو جائیگا۔ اسی طرح اب تک رسم جاری ہے کہ ہم خطوط میں مکتوب الیہ کو خطاب لکھ دیتے ہیں کہ فلاں چیز بھیج دو اور تاکید جانو فقط۔ اسی اعتماد پر کہ جب قاصد یہ خط انکو دے دے گا تو ہمارا خطاب حاضر صحیح ہو جائے گا (ملخصہ انوار ساطعہ ص۳۲) اور یہی کچھ ہم کہنا چاہتے ہیں۔ اب یہ ملاحظہ فرمائیے کہ آنحضرت پر کن الفاظ سے صلوٰۃ و سلام کا تحفہ بھیجا جاتا ہے۔ بخاری شریف ج ۲ ص۷۰ میں حضرت کعب بن عجرہ سے مروی ہے کہ حضرات صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ قرآن کریم میں جو صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا موجود ہے) ہم سلام کا معنی اور مطلب تو سمجھ چکے ہیں (کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ سے پڑھا جاتا ہے) آپ ہم سے صلّوا کا معنی اور مطلب ارشاد فرمائیے۔ آپ نے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ الخ سے درود کی تعلیم فرمائی جسکو ہم نماز میں پڑھا کرتے ہیں۔ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کے نزدیک آپ پر سلام پہنچانے کا وہی طریقہ اور الفاظ تھے جو اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ سے وہ پڑھتے تھے۔ اب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چند حدیثیں بھی ملاحظہ فرمائیے کہ سلام آپ تک کس طرح پہنچایا جاتا ہے؟

نسائی ج ۱ ص۱۴۳ موارد الظمآن ص۵۹۴ مسند دارمی ص۳۷۳ اور مشکوٰۃ ص۸۶ اور البدایہ والنہایہ ج ۱ ص۳۵ وغیرہ میں۔

حضرت عبداللہؓ ابن مسعود سے روایت ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:-

ان للّٰہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام

کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین میں کچھ فرشتے اس کام پر مقرر ہیں کہ میری اُمت کی طرف سے مجھے سلام پہنچائیں۔

علامہ عزیزیؒ فرماتے ہیں حدیث صحیح۔ یہ حدیث صحیح ہے (السراج المنیر ج ۱ ص ۴۱۹) علامہ سخاویؒ نے امام بیہقیؒ کی روایت سے صلوٰۃ کی روایت بھی نقل کی ہے (ملاحظہ ہو القول البدیع ص ۱۱۵) ان روایتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس صلوٰۃ و سلام دونوں پہنچائے جاتے ہیں۔ اسی طرح اس مضمون کے قریب قریب الفاظ سے حضرت اوسؓ بن اوس سے بھی روایت موجود ہے جو ابوداود ج ۱ ص ۱۵۰، دارمی ص ۱۹۵، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، مستدرک ج ۱ ص ۲۷۸ وغیرہ میں موجود ہے جس کی امام حاکمؒ اور علامہ ذہبیؒ بخاری کی شرط پر تصحیح فرماتے ہیں۔ امام ابن خزیمہؒ، ابن حبانؒ، دارقطنی اور نوویؒ بھی اسکی تصحیح کرتے ہیں (تفسیر ابن کثیرؒ ج ۳ ص ۵۱۴) علامہ ابن عبدالہادیؒ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اسکے سب راوی صدق و امانت اور ثقاہت و عدالت میں مشہور ہیں اور اسی ہی واسطے حفاظِ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے مثلاً امام ابن حبانؒ حافظ عبدالغنی المقدسیؒ اور ابن دحیہؒ وغیرہ اور کوئی شخص ایسا نہیں آیا جس نے اس پر حجت اور دلیل سے کلام کیا ہو (الصارم المنکی ص ۲۴۲ طبع مصر) بعض حضرات نے بلاوجہ زاذان کی شیعیت کو اس حدیث کے ضعف

ل ضرورت تو نہیں کہ ہم جلیل القدر حضرات محدثینؒ کی تصحیح کے بعد اور بھی کچھ عرض کریں لیکن زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث کی سند کے تمام رواۃ اور انکی توثیق بھی ہدیہ قارئین کر دیں۔ رواۃ یہ ہیں (۱) عبدالوہابؒ بن عبدالحکیم وراق جو ثقہ تھے (تقریب ص ۲۲۲) (۲) معاذؒ بن معاذ جو ثقہ اور متقن تھے (تقریب ص ۳۴۵) (۳) سفیان ثوریؒ جو ثقہ حافظ فقیہ عابد امام اور حجت تھے (تقریب ص ۱۲۸) (۴) عبداللہؒ بن السائبؒ ثقہ تھے (تقریب ص ۱۷۲) (۵) زاذانؒ امام ابن معینؒ فرماتے تھے کہ زاذان ایسے ثقہ تھے جن کی مثل کے متعلق سوال نہیں ہو سکتا۔ علامہ ابن سعدؒ انہیں ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے تھے۔ محدث خطیبؒ اور عجلیؒ کہتے تھے کہ وہ ثقہ تھے۔ ابن عدیؒ اور ابن حبانؒ ان کی توثیق کرتے تھے (تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۰۳) (۶) حضرت عبداللہؓ بن مسعود جلیل القدر صحابی تھے۔

کا سبب بتایا ہے مگر یہ سود ہے کیونکہ اس دور کی شیعیت کی مراد اس دور کی رافضیت ہرگز نہیں ہے اس زمانہ میں تمام حضرات صحابہ کرامؓ سے حسنِ ظنی رکھتے ہوئے بعض مذہبی اور سیاسی وجوہ سے حضرت علیؓ کی طرف مائل ہونے والے شیعہ کہلاتے ہیں۔ امام نسائیؒ، عبدالرزاقؒ بن ہمامؒ اور حاکمؒ صاحبِ مستدرک وغیرہ اسی قبیل سے تھے اور ایسے شیعہ کی روایتوں سے کتب صحاح بھری اور اٹی پڑی ہیں اور نہ صلوٰۃ و سلام کا مسئلہ کوئی شیعہ کا ہے تاکہ داعی الی البدعت کا شبہ ہو۔ اسی مضمون کی تیسری روایت حضرت ابوالدرداؓ سے بھی مروی ہے۔

قارئین کرام! ہم نے ایک ایک راوی اور اسکی توثیق اور حضرات محدثین کرامؒ سے اس روایت کی تصحیح آپ کے سامنے عرض کر دی ہے کہ جناب رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک امت کی طرف سے درود وسلام پہنچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے فرشتے متعین اور مامور ہیں۔ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہوتے اور خود بہ نفس نفیس درود وسلام سنتے تو فرشتوں کے تعین کی کیا ضرورت ہے؟ ہمارا دعویٰ ہے کہ فریق مخالف قیامت تک ایک بھی حدیث صحیح سند کیساتھ ایسی نہیں پیش کر سکتا جس سے یہ ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہو کہ میں درود وسلام خود بلا توسط ملائکہ سن لیتا ہوں۔ وَاَنّٰی لَھُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّکَانٍ بَعِیْدٍ۔ اگر فریق مخالف میں جرأت اور ہمت ہے تو ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ایک ہی ایسی حدیث پیش کر دے جو سند کے ساتھ اور اسکے تمام روات ثقہ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اپنا مرفوع فرمان ہو۔ ع

چمن میں تخت ڈالیاں ہزاروں مگر مقدر کا کھیل دیکھو ٭ گری اسی شاخ پر سے بجلی بنایا جس پر تھا آشیانہ

؎ حضرت ملا علی القاریؒ لکھتے ہیں کہ درود وسلام پہنچانے کے لئے فرشتوں کا تقرر مخصوص بمن بَعُدَ عن حضرۃ مرقدہ المنور (مرقات ج ۲ ص ۱۰) اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک سے دور ہو اور نیز لکھتے ہیں کہ۔ فلا یظن ان سماع الغائب لا یحصل (مرقات ج ۲ ص ۱۰) تاکہ یہ گمان قائم نہ کر لیا جائے کہ شاید آپ تک غائب کا سلام نہیں پہنچتا اسلئے اللہ تعالیٰ نے درود وسلام پہنچانے کیلئے فرشتے متعین کر دیئے ہیں اور اسی مسئلہ کو انہوں نے شرح شفا میں پیش کیا ہے کہ لا یرد ان روحہ حاضرۃ فی بیوت اهل الاسلام کہ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ از صفحہ نمبر ۱۶۶

مومنوں کے گھروں میں موجود ہے (بلکہ بتوسط ملائکہ آپ تک صلوٰۃ و سلام پہنچتا ہے) بعض نسخوں میں حرف لا چھوٹ گیا ہے جس سے بعض لوگوں کو یونہی بلا وجہ اشتباہ ہوا ہے جن میں مفتی احمد یار خاں صاحب وغیرہ بھی ہیں (دیکھئے جاء الحق ص۱۴۲) حضرت ملا علی القاری رحمہ نے ایک مستقل کتاب لکھی ہے جس کا نام الدرۃ المضیئۃ فی الزیارۃ المصطفویۃ ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں:-

ومن اعظم فوائد الزیارۃ ان الزائر اذا صلّی وسلّم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعا حقیقیا ورد علیہ من غیر واسطۃ بخلاف من یصلی ویسلم من بعید فان ذالک لا یبلغہ الا بواسطۃ لما جاء بسند جید من صلّی عند قبری سمعتہ ومن صلّی علیّ نائیا أبلغتہ۔

کہ زیارت کے فوائد میں ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قبر کے نزدیک زیارت کنندہ درود و سلام پڑھتا ہے تو آپ بغیر واسطہ (ملائکہ) کے حقیقی طور پر سنتے ہیں بخلاف اس کے جو دور سے درود و سلام پڑھے۔ کیونکہ وہ آپکو واسطہ کے بغیر نہیں پہنچتا۔ کیونکہ کھری اور جید سند کے ساتھ یہ روایت آئی ہے کہ جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر صلوٰۃ پڑھی تو میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھی تو وہ میرے پاس پہنچائی جاتی ہے۔

غرضیکہ خود حضرت ملا علی القاری الحنفیؒ کی صریح عبارتوں سے حاضر و ناظر کے عقیدہ کی صاف طور پر نفی ثابت ہے۔ ان کی بعض مواقع میں مجمل اور مختصر عبارتوں سے جن لوگوں نے استدلال کیا ہے وہ قطعا اور یقینا غلط ہے اسی کے قریب عبارت امام ابن حجرؒ کی ہے۔ (دیکھئے الجواہر المنظوم)۔

نوٹ ضروری:- من صلّی عند قبری۔ الحدیث بطریق ابو الشیخؒ صحیح ہے اس سند میں محمد بن مروان السدی نہیں ہے۔ اسی ہی کے متعلق حافظ ابن حجر العسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ بسند جید (فتح الباری ج۶ ص۳۵۲) اور اسی سند کو علامہ سخاویؒ وسندہ جید لکھتے ہیں (القول البدیع ص۱۱۶) اور نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں اسناد جید (الدلیل الطالب ص۸۲۲) اور غالبا اسی پر شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس مسئلہ کی بنیاد رکھتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ والسلام

کہ آپ نے خبر دی ہے کہ قریب سے صلوٰۃ و سلام کو بنفس نفیس

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں)

من القريب وانه يبلغ ذالك من بعيد۔ (مناسك الحج ص۲۴)

خود سنتے ہیں اور دور سے آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچایا جاتا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبر اور برزخ میں زندگی حق ہے۔ امام بیہقیؒ نے ایک صحیح حدیث اس مضمون کی اس پر نقل کی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری ج۶ ص۳۵۲ میں اور حافظ سخاویؒ القول البدیع ص۱۶۱ میں اسکی تصحیح کرتے ہیں نیز علامہ سخاوی لکھتے ہیں کہ:-

ونحن نؤمن ونصدق بانه صلّى الله عليه وسلّم حيٌّ يرزق في قبره وان جسده الشريف لاتاكله الارض والاجماع على هذا (القول البديع ص۱۲۵)

ہم ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قبر میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق دیا جاتا ہے اور آپکے جسم مبارک کو مٹی نہیں کھاتی اور اسی پر امت کا اجماع اور اتفاق ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ اگرچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک

في الرفيق الاعلىٰ مع ارواح الانبياء ومع هذا فلها اشراف على البدن واشراق وتعلق به بحيث يرد السلام على من سلّم عليه (زاد المعاد ج۲ ص۴۹)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح کے ساتھ رفیق اعلیٰ میں ہے لیکن بایں ہمہ آپ کی روح مبارک کا بدن مبارک کے ساتھ تعلق ہے اور اسکے ساتھ رابطہ ہے جسکی وجہ سے آپ سلام دینے والے کا جواب دیتے ہیں۔

صاحب روح المعانی ج۲۲ ص۳۶ میں اور علامہ سبکیؒ شفاء السقام ص۱۳۴ میں تصریح کرتے ہیں کہ یہ قبر کی زندگی تمام احکام میں دنیاوی زندگی کی طرح نہیں اور سب دنیاوی احکام اس پر مرتب نہیں ہوتے کہ مثلاً جیسے دنیا میں دنیوی کھانے، پانی کی ضرورت تھی وہاں بھی ایسا ہی ہو وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ فرماتے ہیں کہ وہ زندگی علم اور سماع وغیرہ ادراکات میں دنیوی زندگی کی طرح ہے اور اسی کے بارے میں سبکیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ فلا شک ان ذالک ثابت (شفاء السقام ص۱۳۴) جو حضرات قبور میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کے قائل ہیں۔ انکی مراد بھی دنیوی زندگی سے صرف یہی زندگی ہے کہ صلوٰۃ وسلام وغیرہ کا عند القبر سماع ہے اور جسم مبارک کیساتھ روح کا قوی تعلق ہے۔ انکی مراد دنیا کی بیوفائی اور گھٹیا زندگی اور پابندی اور تکلیف کی زندگی ہرگز ہرگز نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو یونہی بلا وجہ شبہ ہوا ہے۔ یہ خیال رہے کہ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ

(بقیہ حاشیہ از ص۱۶۷)

مَیِّتُوْنَ ۔ اور اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ وغیرہ آیات کے تحت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس دنیا سے وفات قطعاً ثابت ہے مگر اس کے بعد جو اعلیٰ اور ارفع زندگی قبر مبارک میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو دی ہے (جیسا کہ وہ وجہ بوجود زندگی شہداء اور عام مومنین بلکہ کفار اور عصاۃ کو بھی دیتا ہے) وہ حق اور ثابت ہے کسی صحیح عقلی یا نقلی دلیل سے اسکی نفی ثابت نہیں ہے یہی حضرات اکابرین علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا عقیدہ ہے (المہند علی المفند صہ ۱۳ وغیرہ)۔

قطب وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سماع موتیٰ کے اختلافی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔ اسی وجہ سے انکو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے" (بلفظہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ اوّل ص ۹۹ طبع جید برقی پریس دہلی) اور دوسرے مقام پر مسئلہ سماع موتیٰ اور بحرمت فلاں وغیرہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "انبیاء کرام (علیہم السلام) کو اسی وجہ سے مستثنیٰ کیا کہ ان کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اور تیسرے یہ کہ دعا مانگے الٰہی بحرمت فلاں میرا کام پورا کردے یہ بالاتفاق جائز ہے اور تمام شجروں میں موجود ہے الخ" (بلفظہ فتاویٰ رشیدیہ حصہ دوم ص ۔۔)۔

صد افسوس ہے کہ اس نازک دور میں جبکہ عیسائیت اور پرویزیت، کمیونزم اور دہریت اور قادیانیت وغیرہا حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ اسلامؒ روحانی حق سے بدظنی اور بے اعتمادی پیدا کرنے کے منصوبے کر رہی ہیں تو اپنی ہی جماعت میں حیات النبی کا مسئلہ تشتت و افتراق کا ذریعہ بن رہا ہے اور ایک ہی اور علم کے پستانوں سے شیر روحانیت پینے والے ایک دوسرے سے ایسا دور متنفر ہوتے جا رہے ہیں بلکہ ایک چھوٹا سا طبقہ اپنے اکابر کے مسلک اور واضح عبارات کی غلط اور بے جا تاویلات کرتا ہے۔ وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی

راقم ہیچمدان کا یہ نظریہ ہے کہ اگر فریقین ایک دوسرے پر مداہن اور متشدد ہونے کی بدگمانی سے بالاتر ہو کر مسئلہ کو مسئلہ کی حیثیت سے سمجھنا اور حل کرنا چاہیں اور ضد اور ذاتیات کو درمیان میں نہ لائیں اور قرآن کریم اور حدیث شریف کی روشنی کے بعد حضرات اکابر کے دامن علم و تحقیق سے وابستہ ہو کر استدلال و احتجاج کریں تو کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ مخاصمت کی کوئی راہ نہ نکلے۔ ورنہ یہ خلیج وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جائیگی۔ اور اپنی جماعت کی تبلیغ و اصلاح کا سارا زور اور قوت خود اپنوں ہی کے خلاف صرف ہوگی جس سے اسلام اور مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچے گا اور علم و عمل اور تقویٰ و دوستی کی یہ آہنی دیوار جو دشمنان اسلام کی پریشانی کا سبب تھی خود پاش پاش ہو کر فتنہ ہب رہنگی گھر کا مصداق بن کر رہ جائیگی اور اس شعر کا مفہوم پورا ہوگا (خدا کرے کہ ایسا نہ ہو) ؎

غضب ہے وہ مری ہستی کو یوں برباد کرتے ہیں
ستاتے ہیں مجھے غیروں کے دل کو شاد کرتے ہیں

(نعوذ باللہ تعالیٰ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا)

جوابِ سوم: ہر زبان میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں کہ کسی غائب ہستی کے فرضی طور پر تصور کرنے اور تخیل کے طور پر اپنے دل میں حاضر سمجھ لینے پر اس سے خطاب کیا جاتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ حقیقتاً حاضر و ناظر ہوتا ہے بلکہ یہ محض اپنے تخیل پر مبنی ہوتا ہے بجائے اس کے کہ میں عربی اور فارسی کے حوالجات اور محاورات نقل کروں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اردو کے چند نظائر پیش کرنے کے بعد خان صاحب بریلی کے بعض اشعار نقل کروں۔ ایک شاعر کہتا ہے: ؎

نہیں آتے وہ، نہ آئیں، مرے گھر　　　تصور میں تو ہیں مہمان دل کے

ایک مجذوب صاحبؒ لکھتے ہیں۔ ؎

چھپ سکیں گے حضور پھر کیوں کر　　　جو تصور میں لا کے دیکھ لیا

ان دونوں شاعروں نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ اگر محبوب ہمارے گھر نہیں آتا تو نہ سہی دل میں تو ہمارا مہمان ہے اور دل میں اس کا تصور ہم کرتے ہی رہتے ہیں۔ فریقِ مخالف کے اعلیٰ حضرت خان صاحب بریلوی حدائق بخشش حصہ دوم ص۵۰ میں لکھتے ہیں (بعض اشعار) ؎

سر سوئے روضہ جھکا پھر تجھ کو کیا　　　دل تھا ساجد نجدیا پھر تجھ کو کیا

بیٹھتے اٹھتے مدد کے واسطے
یا رسولؐ اللہ کہا پھر تجھ کو کیا

یا عبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے　　　بندہ اپنا کر لیا پھر تجھ کو کیا

دیو کے بندوں سے کب ہے یہ خطاب
تو نہ ان کا ہے نہ تھا پھر تجھ کو کیا

نجدی مرتا ہے کہ کیوں تعظیم کی　　　یہ ہمارا دین ہے پھر تجھ کو کیا

ؔ اگر کوئی شخص محض عشق اور محبت کے نشہ سے سرشار ہو کر یا رسول اللہ اور یا نبی اللہ کہے تو جائز اور صحیح ہے۔ ہم اور ہمارے اکابر اس کے قائل ہیں مگر آپ کو حاضر و ناظر سمجھ کر یا استمداد اور استعانت کے طور پر یا رسول اللہ کہنا جائز نہیں ہے اور فریقِ مخالف اسی اعتقاد سے کہتا ہے جیسا کہ خان صاحب کے ان اشعار سے بالکل ظاہر ہے۔

دیو کے بندوں سے ہم کو کیا غرض
ہم ہیں عبد المصطفےٰ پھر تجھ کو کیا

قارئین کرام ہم سر دست خانصاحب کی شان میں یہی کہہ کر کہ :-

تو اگر مشرک ہوا پھر ہم کو کیا   پیٹ کا بندہ بنا پھر ہم کو کیا
تو نے کی تحریف قرآن و حدیث   راندۂ درگاہ ہوا پھر ہم کو کیا
خالقِ کون و مکان کو چھوڑ کر   غیر کے در پر جھکا پھر ہم کو کیا
شرک و بدعت کو کیا تو نے پسند
توحید و سنت سے پھرا پھر ہم کو کیا
آیۂ ایاک نستعین کو !!   کر دیا تو نے بھلا پھر ہم کو کیا
ہم تو ہیں اللہ کے بندے سبھی
تو ہے عبد المصطفےٰ پھر ہم کو کیا (مصنف)

یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ خان صاحب نے نجدیوں اور دیوبندیوں کو تجھ کو کیا کے الفاظ سے بار بار خطاب کیا ہے۔ کیا واقعی تمام نجدی اور دیوبندی خان صاحب کے پاس حاضر و ناظر تھے؟ یا یہی آپ کہیں گے کہ ان کو تخیل کے طور پر حاضر و ناظر جان کر ان سے خطاب کیا گیا ہے۔ اسی طرح آپ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ میں خطاب سمجھئے۔ یہ ہمارا نرا دعویٰ ہی نہیں بلکہ آیئے ہم خان صاحب سے اسکی تصدیق کرا دیتے ہیں۔ خانصاحب امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم ج ۱ صفحہ ۹۹ طبع لکھنؤ سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ کی تشریح نقل کرتے ہوئے کوکبۂ شہابیہ صفحہ ۳۵ میں لکھتے ہیں (یہی مضمون مقیاس حنفیت صفحہ ۲۹۳ میں مسک الختام سے اور جاء الحق صفحہ ۱۳۵ میں موجود ہے) معنی بھی خانصاحب کا ہے۔

اُحضُر فی قلبك النبی صلی اللہ علیہ وسلم وشخصہ الکریم وقل السلام علیك اَیُّهَا النَّبِیُّ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

التحیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دل میں حاضر کر اور حضور کی صورت کا تصور باندھ اور عرض کر سلام تجھ پر اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکت۔

قارئین کرام! دل میں حاضر کرو اور تصور باندھو کا معنی تو جانتے ہی ہوں گے۔ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حقیقی طور پر حاضر و ناظر ہیں تو دل میں حاضر کرنے اور تصور باندھنے کا کیا مطلب ہے۔ اس کو اسی طرح سمجھیے جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:-

اُعْبُدْ رَبَّكَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کر کہ گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے۔

آپ جانتے ہی ہیں کہ حقیقتاً رویتِ خداوندی دنیا میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے جلیل القدر پیغمبر کو بھی نہیں ہوئی تو جس طرح آپ گویا کہ دیکھنے اور حقیقتاً دیکھنے میں فرق کرتے اور جانتے ہیں۔ اسی طرح حقیقتاً حاضر ہونے اور دل میں حاضر کرنے کا فرق سمجھ لیجئے۔ آپ کو اس میں کیوں تردد اور پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔ چنانچہ شیخ عبدالحق صاحبؒ مدارج النبوت میں تحریر فرماتے ہیں۔

"ذکر کن او را و درود بفرست بروئے علیہ السلام و باش درحالِ ذکر گویا حاضر است پیشِ تو الخ" (بحوالہ جاء الحق ص ۱۴۲) ؎

آثارِ سحر کے پیدا ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا ؛ ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

جواب چہارم: آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے التحیات السلام علیک کے الفاظ کے ساتھ جن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے ان میں بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کے مبارک نام نمایاں طور پر نظر آتے ہیں لیکن اسکو کیا کریں کہ یہی اکابر حضرات صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بجائے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ کے اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ وغیرہ پڑھتے بھی تھے اور اس کی تعلیم بھی دیتے تھے۔

(۱) صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۲۶ وغیرہ میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو ہم التحیات میں اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِّ پڑھا کرتے تھے۔

(۲) اسی طرح موطا امام مالکؒ ص ۳۱، ابو عوانہ ج ۲ ص ۲۲۹، مسند احمد ج ۴ ص ۴ اور سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۲ وغیرہ میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے۔

(۳) سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۱۴۲ وغیرہ میں حضرت قاسم بن محمدؒ سے مروی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت

عائشہؓ نے ہمیں التحیات میں السلام علی النبیؐ ورحمۃ اللہ پڑھایا اور اسی کی وہ تعلیم دیا کرتی تھیں، بلکہ فتح الباری وغیرہ میں حضرت عطاء تابعیؒ سے یہاں تک منقول ہے کہ حضرات صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کے بعد السلام علی النبی پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت شاہ عبدالحقؒ لکھتے ہیں:-

"در شرح صحیح بخاری میگوید کہ صحابہؓ در زمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام بصیغۂ خطاب میگفتند و بعد از زمان حیاتش این چنیں میگفتند والسلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نہ بصیغۂ خطاب" (مکتوبات صـ ۳۱۹)۔

آپ غور فرمائیے اگر حضرات صحابہ کرامؓ کا اور خصوصاً ان بزرگوں کا جن سے السلام علیک کے الفاظ سے التحیات منقول ہے۔ یہ عقیدہ ہوتا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے اندر موجود اور حاضر ہیں تو ان کو ضمیر خطاب چھوڑنے کی کیا ضرورت محسوس ہوئی تھی؟ بلکہ انھوں نے اُمت کی رہنمائی فرمائی کہ اگر اُمت السلام علیک کو اس عقیدہ سے پڑھے کہ ہم بطور حکایت پڑھتے ہیں یا حکایت بطور دعا اور انشاء ہے اور یہی صحیح ہے اور فرشتے ہمارے صلوٰۃ وسلام کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچاتے ہیں تو پھر خطاب ہو جاتا ہے۔ جیسے خطوط کی مثال ہم نے پیش کی تھی یا اگر تخیل اور تصور میں حاضر سمجھ کر خطاب کرے تو اس کے لئے اسکی گنجائش ہے ورنہ بجائے اسکے السلام علی النبیؐ پڑھیں تاکہ خبط واقع نہ ہو ؎

طریقِ عشق میں ہم یوں سنبھل سنبھل کے چلے ۔۔۔ کہ جیسے ہاتھ میں لبریز جام ہوتا ہے

جوابِ پنجم:- اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واقعی السلام علیک ایھا النبی کے پیش کردہ استدلال کی رُو سے حاضر و ناظر ہوتے تو ایک تو حضرات صحابہ کرامؓ کا (جو نمازی ہونے کے ساتھ عربی النسل بھی تھے اور ضمیر خطاب وغیرہ کے محل وقوع اور مواقع استعمال سے بخوبی واقف تھے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیض صحبت کی برکت سے قرآن کریم اور حدیث شریف کے مطلب کو بھی اچھی طرح سمجھ سکتے تھے) یہ عقیدہ ہونا چاہیئے تھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ اور دوسرے خود جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اگر دوسروں کے متعلق نہیں تو ان حضرات صحابہ کرامؓ کے متعلق جو نمازی بھی تھے، اچھی خاصی واقفیت ہونی ضروری تھی کیونکہ اس غلط عقیدہ کی رُو سے آپ ان کے

حق میں حاضر و ناظر تھے لیکن قرآن کریم اور حدیث کا علم رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ کسی صحابی کا یہ عقیدہ نہ تھا جیسا کہ حضرت زید بن ارقمؓ حضرت حفصہؓ حضرت عائشہؓ حضرت رفاعہؓ حضرت قتادہؓ وغیرہ کے واقعات ہم قرآن کریم اور صحیح احادیث سے باحوالہ عرض کر چکے ہیں اور حضرت کعبؓ بن مالک کے الفاظ بھی نقل کر دیئے گئے ہیں اب ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ غرضیکہ حضرات صحابہ کرامؓ السلام علیک بھی پڑھتے تھے لیکن حاضر و ناظر کا عقیدہ ان کا نہ تھا۔ اگر السلام علیک سے حاضر و ناظر مراد ہوتی تو ضرور ان کو علم ہوتا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی ان کے حالات سے واقفیت نہ تھی بجز ان واقعات کے جو وحی کے ذریعہ آپ کو بتا دیئے جاتے تھے جیسا کہ پہلے باحوالہ یہ بات گزر چکی ہے ؎

دل بجھ گیا تیرے سخن دلکشا کے بعد ٭ تو جل گیا کہ خانۂ امید جل گیا

فریق مخالف کی آٹھویں دلیل اور اس کا انجام

فریق مخالف کہا کرتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہیں تو امت آپ کو یا رسول اللہ سے کیوں خطاب کرتی رہی ہے؟ اور اب بھی کیوں خطاب کیا جاتا ہے؟ کیونکہ یا حاضر کیلئے آتا ہے۔

جواب اول: علم نحو میں یہ مسئلہ صاف طور پر لکھا ہوا ہے کہ حرف یا کا اصلی استعمال کیا ہے؟ علامہ زمخشری مفصل صفحہ ۵ میں اسکا دعویٰ کرتے ہیں کہ حرف "یا" ندا بعید کیلئے مستعمل ہے۔ قریب کیلئے یہ مستعمل ہی نہیں۔ ان پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب یا ندائے قریب کے لئے مستعمل نہیں تو اللہ تعالےٰ تو قریب ہے پھر اسکو "یا اللہ" سے کیوں ندا کرتے ہیں؟ تو اسکا جواب علامہ موصوف نے یہ دیا ہے کہ انسان اس اعتبار سے خطا کار اور محتاج مخلوق ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے۔ اسلئے انسان گویا اللہ تعالےٰ سے اور اللہ تعالیٰ انسان سے بہت ہی دور ہے اور اس لئے یا اللہ سے تعبیر کی جاتی ہے لیکن جمہور نحاۃ یہ کہتے ہیں کہ حرف یا ندا قریب اور بعید دونوں میں مساوی طور پر مستعمل ہے۔ دیکھئے ہدایۃ النحو صفحہ ۱۱۵۔ کافیہ صفحہ ۱۲ اور شرح جامی صفحہ ۳۶ وغیرہ۔ اگر فریق مخالف کو ختموں اور عرسوں سے مہلت نہیں مل سکتی کہ ان کتب کی طرف مراجعت کر سکیں تو ہم شرح مائۃ عامل صفحہ ۲۲ کا حوالہ ہی لکھ دیتے ہیں تاکہ فریق مخالف کو یہ بخوبی معلوم ہو سکے۔

یَا وَھِیَ تُستعمل لنداء القریب والبعید۔ حرف یا نداء قریب اور بعید دونوں میں مستعمل ہے۔

قارئین کرام دیکھئے کہ کفر اور شرک کو ثابت کرنے کے لئے فن سے کس طرح بغاوت کی جاتی ہے۔ اگر حرف یا محض نداء قریب کیلئے ہی مستعمل ہوتا تو پھر فریق مخالف کا کہنا ممکن ہے کہ صحیح تسلیم کر لیا جاتا۔ اگر دوسرے دلائل اسکے خلاف نہ ہوتے۔ لیکن غضب تو یہ ہے کہ یا جیسے ندائے قریب کے لئے مستعمل ہے اسی طرح ندائے بعید کے لئے بھی مستعمل ہے تو اس سے حتمی طور پر حاضر و ناظر پر استدلال کرنا حماقت اور جہالت نہیں تو اور کیا ہے؟

جواب دوم: اگر حرف یا سے حاضر و ناظر ہی مراد ہوتی ہے تو براہ کرم ذیل کی آیات کا مطلب بیان سمجھا دیجئے:۔

(۱) یٰهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا — اے ہامان میرے لئے ایک بلند عمارت تعمیر کر۔

(۲) یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ — اے یہود و نصاریٰ دین میں تجاوز نہ کرو۔

(۳) وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا — اے فرعون میرے خیال میں تو ہلاک کر دیا جائے گا۔

(۴) اسی طرح قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ (اے کافرو) کے الفاظ موجود ہیں اور حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وہ تقریریں بھی قرآن کریم میں موجود ہیں جن میں انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو خطاب کرتے ہوئے "یا قوم" (اے میری قوم) سے تعبیر کیا ہے۔ کیا ہامان، فرعون، یہود، نصاریٰ اور جملہ مشرکین و کفار جن کو حرف یا سے خطاب ہے۔ فریق مخالف کے نزدیک حاضر و ناظر ہیں۔ کیا بعید ہے کہ انکے نزدیک کرشن کنہیا کی طرح وہ بھی حاضر و ناظر ہوں۔ اگر آپ کہیں کہ جسوقت ان قوموں کو خطاب ہوا تھا اسوقت تو وہ موجود تھیں اور اب ہم اسکی حکایت کرتے ہیں۔ تو جواب یہ ہے کہ اسیطرح آپ "یا رسول اللہ" کو سمجھ لیجئے کہ حضرات صحابہ کرامؓ آپ کی موجودگی میں یہ کہا کرتے تھے اور ہم اسکی حکایت کرتے ہیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی نہ بھول جائیے کہ حرف نداء قریب اور بعید دونوں کے لئے برابر اور مساوی درجہ میں مستعمل ہے۔

جواب سوم:۔ مولوی عبد السمیع صاحب لکھتے ہیں کہ ہم جو یہی توجیہ خطاب کی اور بتا دیں قرآن

شریف (میں) وارد ہے یَا حَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ یہاں یا حرفِ ندا ہے جس سے مخاطب حاضر کو پکارا کرتے ہیں۔ یہ لفظ یا داخل ہو رہا ہے حسرت پر اور حسرت ایسی چیز ہے ادراک وشعور ہے کہ اسکو قیامت تک کبھی خبر نہ ہوگی کہ کوئی مجھ کو پکار رہا ہے۔ امام رازیؒ کا کلام اس مقام میں ہے: المقصود ان ذلک وقت الحسرۃ فان النداء مجاز والمراد الاخبار۔ غرضیکہ سب مفسرین اس مقام میں لکھتے ہیں کہ یہ ندا کلام عرب میں شائع ہے اور مراد اس سے یہ ہوتی ہے کہ وقت حسرت کا ہے۔ یعنی یہ نہیں کہ حسرت کو پکارتے ہیں اور بلاتے ہیں۔ اس مقام پر ندا ہے مجازاً اب یہ بات ثابت ہوئی کہ کہیں ندا مجازاً ہوتی ہے اور مراد اس سے خبر دینا ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح اس مقام میں سمجھ لو جو کوئی کہتا ہے ؎

تمہارے نام پر قربان یا رسول اللہ فدا ہو تم پہ میری جان یا رسول اللہ

اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ میری جان حضرت پر قربان ہے اور مراد اسکی جملہ خبریہ ہے۔ گو اس نے لفظ ندا یہ بولا ہے۔ کیا ضرور کہ یوں کہو یہ شخص خدا کی طرح حاضر وناظر جان کر پکارتا ہے۔ ہاں البتہ تم خود معنی شرک اور کفر کے لوگوں کے ذہن میں جماتے ہو یہ کہہ کر کہ لفظ یا نہیں ہوتا مگر واسطے حاضر کے اور خطاب نہیں کیا جاتا مگر حاضر کو حالانکہ یہ قاعدہ غلط ہے۔ کلام صحابہؓ میں غائب کو خطاب اور ندا موجود ہے (بلفظہٖ انوارِ ساطعہ ص۲۲) عام فریق مخالف سے عموماً اور مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب اور مولوی سید احمد سعید صاحب کاظمی سے خصوصاً التماس ہے کہ وہ اس عبارت کو بار بار پڑھیں اور غور فرمائیں کہ حرفِ یا سے حاضر وناظر مراد لینے کو صرف دیوبندی ہی کفر وشرک کہتے ہیں یا مولوی عبد السمیع صاحب بریلوی کا بھی یہی نظریہ ہے! اور کیا حرفِ یا سے حاضر وناظر کی نفی مراد لے کر صرف دیوبندی ہی کافر ہیں یا اُن کے ساتھ مولوی عبد السمیع صاحب بریلوی بھی شریک ہیں؟

نوٹ:- انوار ساطعہ کے آخر میں کم وبیش چوبیس ۲۴ علماء کی تصدیقات اور تقریظات موجود ہیں جنھوں نے اس کتاب کو صحیح کہا ہے۔ اور اسی کتاب میں آپ نے یہ پڑھ لیا کہ حرفِ یا سے حاضر وناظر سمجھنا شرک ہے اور کفر کا عقیدہ ہے۔ اور اس سے حاضر وناظر کا معنی لینا غلط ہے۔ مولوی عبد السمیع صاحب لکھتے ہیں کہ پھر اسی طرح سمجھ لو کہ جو اشعارِ شوقیہ رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جناب میں

بطورِ خطاب حاضر کہتے ہیں، اس لئے ہیں جو نکہ تصور آپ کا دل میں بندھا ہوا ہے غلبہ اشتیاق میں یہ خطاب حاضرانہ بباعثِ حضور فی الذہن کے کرتے ہیں (ملتقطاً انوارِ ساطعہ صفحہ ۲۲۹)۔

اور حضرات سلفِ صالحین رحمہم اللہ کے اشعار و عبارات میں جو خطابات ہوتے ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں چنانچہ انوارِ ساطعہ میں اس کی متعدد مثالیں دی ہیں۔ دیکھئے انوارِ ساطعہ صفحہ ۲۲۸ وغیرہ) ؎

مل گئی خاک میں وہ انجمن آرا ہے ہے ۔۔۔ قالبِ گور میں ہے جانِ تماشا ہے ہے

فریقِ مخالف کی نویں دلیل اور اس کا ابطال

فریقِ مخالف ایک حدیث سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمیشہ اور ہر وقت حاضر و ناظر ہونے پر استدلال کیا کرتا ہے۔ حدیث مسلم ج ۲ صفحہ ۳۹۰ اور مستدرک ج ۴ صفحہ ۴۴۹ وغیرہ میں حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ زوی لی الارض حتی رأیت مشارقہا ومغاربہا۔ ۔۔۔ کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا یہاں تک کہ میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھ لیا (دیکھئے جاء الحق صفحہ ۱۶۲ وغیرہ)

جواب:۔ اس حدیث میں زوٰی اور رأیت کے الفاظ موجود ہیں جو دونوں ماضی کے صیغے ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ معراج کی رات یا کسی اور وقت اللہ تعالیٰ نے زمین کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے سمیٹا اور آپ نے اس کے مشرق اور مغرب کو دیکھ لیا۔ اس حدیث سے یہ کیونکر ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر وقت زمین پر ہر چیز کو دیکھتے رہتے تھے یا اب بھی دیکھتے ہیں علاوہ ازیں مخالفین تو یہ کہتے ہیں کہ ہر چیز اپنی اپنی جگہ پر رہتی ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسکو دیکھتے ہیں اور آپ خود وہاں حاضر اور موجود ہوتے ہیں۔ مگر اس حدیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خبر دینے سے پہلے کسی ماضی کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی جگہ پر رہے اور اللہ تعالیٰ نے زمین کے اطراف کو اٹھا کر آپ کے سامنے پیش کیا تھا۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ نماز کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے جنّت اور

دوزخ کو اللہ تعالیٰ نے پیش کیا تھا یا جیسا کہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو آپ کے سامنے پیش کیا تھا اور جیسا کہ مسند احمد ج ۴ ص ۳۴۶ میں ایک حدیث ہے جس کے تمام راوی ثقہ اور معتبر ہیں کہ نجاشی رحمہ کا جنازہ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا تھا۔ اور آپ نے اسکی نماز جنازہ پڑھائی۔ قارئین کرام آپ نے علماء کرام سے یہ مسئلہ سنا ہی ہوگا کہ حضرات محدثین کرام کا غائبانہ جنازہ پڑھنے میں کچھ اختلاف ہے۔ ایک گروہ قائل ہے اور دوسرا منکر۔ جو منکر ہیں وہ جمہور ہیں اور جو قائل ہیں وہ تھوڑی تعداد میں ہیں اور غائبانہ جنازہ کے ثبوت پر وہ مذکور حدیث پیش کیا کرتے ہیں۔ آپ حضرات محدثین کرام رحمہ سے پوچھئے کہ خدا کے بندو! کہ جب جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (بقول مخالفین) حاضر و ناظر تھے تو آپ سے نجاشی (حضرت اصحمہ رض) کا جنازہ کیونکر غائب تھا؟ کیا حاضر و ناظر سے بھی کوئی چیز غائب رہ سکتی ہے۔ حضرات محدثین کرام رحمہم کے اس اختلاف سے بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حاضر و ناظر نہ تھے۔ ورنہ اس حدیث کو نفی یا اثبات میں غائبانہ جنازہ کی مد میں پیش کرنا بے سود ہے۔ نیز یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے زمین سمیٹی گئی تھی تو کیا آپ نے ہر آدمی اور ہر چیز کو تفصیلاً دیکھا؟ کیا آپ اگر لاکھ دو لاکھ کے مجمع کو دیکھتے ہیں تو کیا اسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آپ ہر آدمی کو اور اسکے تمام اعضاء حتیٰ کہ سر اور ڈاڑھی کے ایک ایک بال کو بھی دیکھا کرتے ہیں؟ یا کسی پہاڑ اور باغ کو اگر آپ دیکھتے ہیں تو کیا اس کے ایک ایک درخت کی ایک ایک ٹہنی اور ٹہنی کے ایک ایک پتے کو بھی دیکھا کرتے ہیں؟ کہنے کو تو یہی کہا جائیگا کہ میں نے ایک بھاری مجمع کو دیکھا اور ایک بہت بڑا پہاڑ یا باغ دیکھا۔ کیا آپ نے آسمان کے تارے کبھی نہیں دیکھے؟ اگر دیکھے ہیں تو کیا تفصیلاً دیکھے ہوئے ستاروں کی تعداد گنتی اور پوری کیفیت جانتے ہیں؟ حافظ ابن حجر عسقلانی رح (جنکی مجمل اور گول مول عبارت سے فریق مخالف نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مجلس میلاد میں حاضر ہونے پر استدلال کیا کرتا ہے) خود شرح نخبۃ الفکر ص ۵ میں لکھتے ہیں کہ اگر یہ بات صحیح طور پر ثابت ہو جائے کہ لیلۃ الاسراء وغیرہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسوقت جتنے بھی آدمی روئے زمین پر موجود تھے، دکھا دیئے گئے تھے اور آپ نے ہر ایک کو دیکھ بھی لیا تھا۔ تو چاہئیے کہ ان لوگوں کو جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی میں ایمان قبول کیا تھا صحابی کہا جائے۔ اگرچہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلّم کو نہ دیکھا ہو اور آپ سے ملاقات بھی نہ ہوئی ہو مگر آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی طرف سے تو رؤیت (دیکھنا) ہوئی ہوگی۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر آپ نے اسوقت ہر آدمی کو دیکھا تھا تو حافظ الحدیث کو اگر مگر کے الفاظ استعمال کرنے کی کیا مصیبت پڑی ہے؟ نیز جب آپ کی زندگی میں ایمان قبول کرنے والے صحابی ٹھہرے۔ اگرچہ دو طرفہ رؤیت نہ سہی لیکن آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی طرف سے تو رؤیت ہوئی تھی پھر نہ معلوم حافظ الحدیث کو ان کے صحابی ہونے میں کیا تردد ہے؟ اس عبارت کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو ہر جگہ حاضر و ناظر جاننے اور ماننے والے خود صحابی بننے کا دعویٰ کرتے ہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) لیکن قارئین کرام خوب جانتے ہیں کہ فریقِ مخالف کفر و شرک بدعت اور جہالت کو دنیا میں زندہ کرتا ہے اور حقیقی حضرات صحابہ کرامؓ کی شان یہ تھی کہ

لئے علم و فن ان سے نصرانیوں نے کیا کسبِ اخلاق رہبانیوں نے

ادب ان سے سیکھا صفاہانیوں نے کہا بڑھ کے لبیک یزدانیوں نے

جہالت کا رشتہ ہر اک دل سے توڑا

کوئی گھر نہ دنیا میں تاریک چھوڑا (مولانا حالی)

فریقِ مخالف کی دسویں دلیل اور اُس کا رَدّ

مفتی احمد یار خان صاحب نے ایک حدیث کے پیش نظر صراط مستقیم وغیرہ میں حضرات صوفیا کرامؒ کی ایک اصطلاح کو نہ سمجھتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ:۔ اور یہ حدیث قدسی کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ایک اور روایت کی رو سے ولسانہ الذی یتکلم بہ اسی حالت کی حکایت ہے۔ اس عبارت میں صاف اقرار ہے کہ جب انسان فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو خدائی طاقت سے دیکھتا، سنتا اور چھوتا اور بولتا ہے یعنی عالم کی ہر چیز کو دیکھتا ہے، ہر دور و نزدیک کی چیزوں کو پکڑتا ہے یہی حاضر و ناظر کے معنی ہیں اور جب معمولی انسان فنا فی اللہ ہو کر اس درجہ میں پہنچ جاویں تو سید الانس والجان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر فنا فی اللہ کون ہو سکتا ہے؟ تو بدرجہ اولیٰ حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہوئے۔ (بلفظہ جاء الحق ص۱۴۹)

الجواب :- اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نصاریٰ کو پہلے کافر فرمایا ہے اور پھر ان کا عقیدہ بتلایا ہے کیونکہ انھوں نے یہی کہا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فنا فی اللہ ہو گئے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ میں حلول کر گئے ہیں۔ ان میں اور اللہ تعالیٰ میں کامل اتحاد ہو گیا ہے۔ بایں طور کہ ؎

تاکس نگوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

ارشاد ہوتا ہے کہ :-

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (پ ۔ المائدہ ع ۱۰)

تحقیق سے وہ لوگ کافر ہیں جنھوں نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ تو مسیح بن مریم (میں حلول کر گیا) ہے۔

اور اسی وجہ سے جناب رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میری تعریف میں غلو اور مبالغہ نہ کرنا جیسا کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا ہے میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں سو تم بھی مجھے اس کا بندہ اور رسول کہو (بخاری ج ۱ ص ۴۹۰)۔

علامہ سید شریف علی بن محمد الجرجانی الحنفیؒ (المتوفی ۸۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ کفریہ عقیدوں میں سے ایک عقیدہ یہ ہے کہ

حلوله فی بعض اشخاص الناس

اللہ تعالیٰ بعض لوگوں میں حلول کر جاتا ہے۔

(شرح مواقف ص ۶۲۹ طبع نولکشور)

اور یہی عقیدہ ان نام نہاد مسلمانوں کا ہے جنھوں نے سنن من قبلکم کی اتباع کرتے ہوئے خالق اور مخلوق کو گڈمڈ کر دیا ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔ اور عیسائیوں کو بھی چند قدم پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ فواسفا۔ حدیث کنت سمعہ الحدیث کا مطلب حضرات ائمہ اہل سنت والجماعت سے سن لیجئے حضرت امام بیہقیؒ کتاب الاسماء والصفات ص ۳۴۵ میں اور حافظ ابن تیمیہؒ تفسیر ص ۶۰ میں اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ تفسیر عزیزی پارہ تبارک سورۃ مزمل ص ۱۲۲ میں (وغیرہم فی غیرہا) لکھتے ہیں کہ جب بندہ کثرت عبادت سے حق تعالیٰ کا مقبول ہو جاتا ہے تو اس کے سب اعضاء کا حق تعالیٰ خود محافظ ہو جاتا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں کان آنکھ سب کے سب خدا تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو جاتے ہیں۔ اس کی مرضی کے بغیر نہ کچھ دیکھے نہ سنے نہ بولے اور نہ پکڑے (یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس بندہ کے کان خدا کے کان اور اس کی آنکھیں خدا کی

آنکھیں اور اسکے ہاتھ خدا کے ہاتھ بن جاتے ہیں۔ تعالے اللہ من ذٰلک لیس کمثلہٖ شئی۔ یہ سو یہ مرتبہ نفل عبادت کی کثرت سے ہوتا ہے اس لئے کہ فرائض کے اوقات اور تعداد مقرر ہے اور ان میں کثرت ممکن نہیں ہے۔ یہ ہے اس حدیث قدسی کا صحیح مطلب۔ جو حضرات ائمہ دین نے بیان کیا ہے نہ تو اس سے غیر اللہ کے لئے علم غیب کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے اور نہ حاضر و ناظر اور مختار کل وغیرہ کا جس طرح کہ فریق مخالف نے از روئے جہالت اس کا ثبوت دیا ہے۔ نہ معلوم فریق مخالف کے مفتی اس حدیث کا کیا معنی کریں گے کہ :-

اِنَّ اللہَ تعالٰی یقول یوم القیٰمۃ یا ابن آدم مرضت فلم تعدنی (الحدیث)

(مسلم ج ۲ ص ۳۱۸ مسند احمد ج ۲ ص ۴۰۴ و مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۳۴)

تحقیق سے اللہ تعالٰی قیامت کے دن ارشاد فرمائیں گے۔ اے انسان میں بیمار ہو گیا تھا تو نے میری تیمارداری نہ کی۔ الخ

اس حدیث میں اس کی تصریح ہے کہ خدا تعالٰے کے کسی نیک بندہ کی بیمار پرسی کرنا خدا تعالٰے کی رضا حاصل کرنا ہے گویا یہ معاملہ اس بندہ سے نہ ہوا بلکہ اللہ تعالٰے سے ہوا۔ اس کا یہ معنی تو ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالٰی بھی بیمار ہو جاتا ہے اور بھوکا اور پیاسا ہو جاتا ہے (چنانچہ اسی روایت میں بھوک اور پیاس کی بھی تصریح موجود ہے) (العیاذ باللہ تعالٰی) مگر کیا کیا جائے۔ فریق مخالف فہم معانی میں بجائے حضرات سلف صالحین کی اتباع کے اپنے نفس امارہ کی پیروی کرتا ہے۔ سے

گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ آزادئ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

فریق مخالف کی گیارھویں دلیل اور اس کی اہمیت

فریق مخالف آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے حاضر و حاضر ہونے پر ذیل کی حدیث سے قیاس کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے صبح کے وقت ایک مرتبہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے اسلام میں کونسا مقبول عمل کیا ہے؟ کیونکہ آج رات میں نے جنت میں تمہارے جوتوں کی کھڑکھڑاہٹ سنی ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں جب بھی وضو کرتا ہوں، نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اس حدیث سے فریق مخالف نے

یہ قیاس کیا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خادم جنت میں حاضر ہو سکتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں ہر وقت حاضر و ناظر نہیں ہو سکتے؟

الجواب: ہم اس بحث میں تو نہیں پڑنا چاہتے کہ یہ واقعہ آیا معراج کی رات کا ہے یا کسی اور دات کا؟ بیداری کا ہے یا خواب کا؟ مگر امام ترمذیؒ لکھتے ہیں: (یعنی رأیت فی المنام کانی دخلت الجنۃ هکذا روی فی بعض الحدیث۔ ج ۲ ص ۲۰۹) کہ یہ خواب کا واقعہ ہے۔ اگر معراج کی رات کا ہے تو اس کا فیصلہ فریق مخالف ہی کرے گا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو بھی آیا جسمانی معراج نصیب ہوئی تھی؟ اس بحث سے قطع نظر کر کے ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس حدیث کا یہ معنی بھی تو ہو سکتا ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنت میں نہ گئے ہوں بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جوتوں کی مثالی آواز اپنے سامنے جنت میں سن لی ہو؟ رہی یہ بات کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ زمین پر موجود تھے اور آپ جنت میں تھے تو آپ نے یہ آواز کیسے سنی؟ تو یہ محل تعجب نہیں کیونکہ اس کی ایک نظیر صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۱ میں موجود ہے کہ ایک مرتبہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایک مخصوص سی آواز سنی۔ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہنم کے طبقہ بالا سے نچلے طبقہ کی طرف یہ پتھر پھینکا گیا تھا۔ آج ستر سال کے بعد وہ پتھر نیچے جا کر لگا ہے۔ یہ آواز اس کی تھی۔ ملاحظہ فرمائیے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دنیا میں زمین پر موجود تھے لیکن انہوں نے جہنم کے پتھر کی آواز سن لی۔ اسی طرح اگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنی جگہ اور مقام پر رہے ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سامنے جنت میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جوتوں کی مثالی آواز سن لی ہو تو اس میں کیا تعجب ہے؟ اور اگر ہم اس کو بھی تسلیم کر لیں کہ واقعی حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنت میں تشریف لے گئے تھے تو فریق مخالف سے ہمارا یہ سوال ہے کہ کیا حضرت بلال رضی اللہ عنہ بطور کرامت ایک دفعہ جنت میں تشریف لے گئے تھے یا ہر وقت جنت میں رہا کرتے تھے؟ اور کیا جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ جنت میں حاضر اور موجود تھے تو اس وقت دنیا کے ہر ہر گوشہ اور گوشہ میں اور آسمانوں اور زمینوں میں اور العیاذ باللہ تعالیٰ ہر بری مجلس میں بھی موجود تھے؟ ایک ہی مرتبہ اور ایک ہی جگہ پر کسی بزرگ کے بطور کرامت اور طی الارض کے پہنچ جانے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ ہر وقت اور ہر جگہ وہ چلے گئے ہوں یا جا سکتے ہوں؟ ایسا ہی سمجھیے جیسا کہ کوئی آدمی فریق مخالف کے کسی مولوی صاحب کو کہے کہ آپ روٹی کھا سکتے ہیں، پانی پی سکتے ہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ ہر چیز خواہ حلال ہو یا حرام، کھا پی سکتے

ہیں جس میں پیشاب، گندگی اور تمام چیزیں آجاتی ہیں۔ قارئینِ کرام! آپ فریقِ مخالف کی منطق تو دیکھیے کہ کیا گل کھلاتی ہے لیکن کیا بعید ہے کہ فریقِ مخالف یہ کہہ دے کہ ؎

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح — نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں؟

فریقِ مخالف کی بارھویں دلیل اور اس کا جواب

فریقِ مخالف کہا کرتا ہے کہ ایک حدیث[1] اس مضمون کی آتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فرشتہ قیامت تک میری قبر پر کھڑا رہے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے کان دیئے ہیں، جو آدمی بھی مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ فرشتہ سن لیتا ہے اور مجھے پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح ایک دوسری حدیث آتی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کسی شخص کی بیوی اپنے خاوند کے ساتھ لڑتی ہے تو جنت میں حور اس کی آواز کو سن لیتی ہے اور اس لڑاکا عورت کو کہتی ہے کہ اپنے خاوند کو تکلیف نہ دے۔ تیرا تو تھوڑے ہی دنوں کا مہمان ہے، اصل میں تو وہ میرا خاوند ہے۔

فریقِ مخالف کے الفاظ میں ان دونوں حدیثوں سے نتیجہ سن لیجیے۔ فرشتے اور حوریں کون ہیں؟ یہ حضور علیہ السلام کے ادنیٰ غلاموں میں سے ہیں۔ یہ تمام خداداد قوتوں سے سن لیں تو یہ شرک نہ ہو (اور) اگر ہمارا یہ عقیدہ ہو کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس[2] بغیر ملائکہ کے ہمارے درود و سلام سن لیتے ہیں تو یہ کیسے شرک ہو سکتا ہے؟

---

[1] حضرت ابو درداءؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے "بلغنی صوتہ" مجھے اس کی آواز پہنچتی ہے (جلاء الافہام ص ۶۳) دیکھئے مقیاس حنفیت ص ۲۰ و جاء الحق ص ۱۵۱ وغیرہ مگر اس سے بھی استدلال باطل ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ صوتہ کا لفظ کتابت کی غلطی ہے، اصل روایت بلغنی صلوتہ کے الفاظ سے مروی ہے (ملاحظہ ہو نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۶۴ عن الطبرانی) اور حیث ما کنتم تبلغنی صلوتکم اور صلوتکم معروضۃ علیّ کی صحیح روایتیں بھی اسی کی تائید کرتی ہیں اور پہنچانا فرشتوں کی وساطت سے ہوتا ہے جیسا کہ دوسری صحیح اور صریح روایات میں آتا ہے۔ وثانیاً اسی روایت میں فرشتوں کی حاضری کا ذکر ہے فانہ یوم مشہود تشہدہ الملائکۃ تو بواسطہ ملائکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو درود پڑھنے والے کی آواز پہنچتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی آپ کی قبر مبارک کے قریب

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر دیکھئے)

جواب: قارئین کرام! آپ نے فریق مخالف کے اجتہاد کا کرشمہ تو ملاحظہ کر ہی لیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ فرشتے مجھے درود و سلام پہنچاتے ہیں اور یہ نص کے مقابلہ میں قیاس کرتے ہیں کہ فرشتوں کے بغیر آپ خود بنفس نفیس سنتے ہیں۔ آپ اب حدیث اول کی سند اور اسکے رواۃ کا حال سنئے پہلی حدیث کا راوی اسمٰعیل بن ابراہیم ابو یحییٰ التیمی ہے۔ محدث ابن نمیرؒ کہتے ہیں کہ وہ بہت ہی ضعیف تھا۔ ابن مدینیؒ لکھتے تھے کہ وہ ضعیف ہے۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ جمہور محدثینؒ اس کی تضعیف پر متفق ہیں (میزان الاعتدال ج۱ صفحہ ۹۹) حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ تمام محدثینؒ اس کی تضعیف کرتے ہیں۔ جن میں خصوصیت سے امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ، امام مسلمؒ، امام نسائیؒ، امام ابو حاتمؒ، امام ابن مدینیؒ، امام دارقطنیؒ، امام ابو احمد حاکمؒ اور امام ابن حبانؒ قابل ذکر ہیں۔ (تہذیب ج۱ صفحہ ۲۸۱) پہلی حدیث کا دوسرا راوی نعیم بن ضمضم ہے۔ علامہ ذہبیؒ میزان ج۳ صفحہ ۲۳۱ میں لکھتے ہیں بعض محدثینؒ نے ان کی بھی تضعیف کی ہے (و مثلہ فی مجمع الزوائد ج۱۰ صفحہ ۱۶۲) پہلی حدیث کا تیسرا راوی ابن حمیری ہے۔ ناقدین رجال علامہ ذہبیؒ میزان ج۲ صفحہ ۲۷۶ میں لکھتے ہیں کہ یہ مجہول ہے اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں لایتابع علی حدیثہ (مجمع الزوائد ج۱۰ صفحہ ۱۶۲) کہ یہ اپنی روایت میں اکیلا ہے۔ اسکا ساتھ نہیں دیا جاتا۔ قارئین کرام نے پہلی حدیث کے رواۃ کا حال حضرات محدثین کرامؒ سے سن لیا۔ اب آیئے دوسری حدیث کے رواۃ اور رجال کا حشر بھی حضرات محدثین کرامؒ سے سن لیجئے۔ دوسری حدیث ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے۔ جس کا پہلا راوی عبد الوہاب بن ضحاک ہے۔ محدث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سے آگے) درود شریف پڑھتا ہے تو آپ بنفس نفیس خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے آپ تک پہنچاتے ہیں۔ شاہ عبد الحق صاحب محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: مگر فرق اینکہ باشد کہ سلام زائراں بے واسطہ بسمع شریف میرسد و از دیگراں بوساطت ملائکہ سیاحین کہ حضرت عزت ایشاں را بہ تبلیغ صلوٰۃ و سلام از امت بہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم برگماشتہ است۔ چنانچہ در احادیث واقع شدہ است (مکتوبات صفحہ ۳۰۱ برحاشیہ اخبار الاخیار و اشعۃ اللمعات ج۱ صفحہ ۴۲۳) مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ کو حضرت شیخ صاحبؒ کی بعض مجمل عبارتوں سے استدلال کرتے ہیں، حضرت شیخ صاحبؒ کی یہ عبارت (مزید عبارت جو السلام علیک کے جواب میں پہلے عرض کی جا چکی ہے) بغور و فکر پڑھنی چاہیئے اور اجمالی عرض اعمال کے پیش نظر حضرت شیخ صاحبؒ کے اس قول سے کہ بر اعمال امت حاضر و ناظر است (دیکھئے جاء الحق صفحہ ۱۴۳ وغیرہ) سے حاضر و ناظر پر استدلال کرنے والوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ ہم عرض اعمال کی تفصیل اور ضروری بحث پہلے کر چکے ہیں۔

ابوحاتمؒ کہتے تھے کہ وہ جھوٹا تھا۔ امام نسائیؒ کہتے تھے کہ وہ متروک الحدیث تھا۔ امام دارقطنیؒ اسکو منکر الحدیث کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ اسکو صاحب عجائب کہتے تھے (میزان ج ۲ ص ۱۹۰) امام ابوداؤدؒ کہتے تھے کہ وہ جعلی اور من گھڑت حدیثیں بنایا کرتا تھا۔ امام بیہقیؒ اور امام عقیلیؒ کہتے تھے کہ وہ متروک تھا۔ امام صالحؒ بن محمدؒ کہتے تھے کہ اسکی اکثر حدیثیں محض جھوٹی ہیں۔ امام ابن حبانؒ کہتے ہیں کہ اس سے احتجاج درست نہیں۔ امام حاکمؒ اور ابونعیمؒ کہتے تھے۔ اس نے جعلی روایات بھی بنائی تھیں (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۰، تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۴۴۴) اس حدیث کا دوسرا راوی اسمٰعیل بن عیاش ہے۔ امام مسلمؒ (مسلم شریف ج ۱ ص ۱۹ میں) اور امام ترمذیؒ (ترمذی شریف ج ۱ ص ۳۲) میں لکھتے ہیں کہ اسمٰعیل کی کوئی حدیث لکھنے کے قابل نہیں۔ معروف اور مشہور لوگوں سے ہو یا مجاہیل سے۔

فریق مخالف خطیب قسطلانیؒ کی کتاب مواہب لدنیہ ص ۱۹۲ اور زرقانی ج ۷ ص ۲۰۴ وغیرہ کے حوالہ سے ایک روایت نقل کیا کرتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے لئے اٹھا کر سامنے رکھ دیا ہے۔ پس میں دنیا کو اور دنیا میں جو کچھ ہونے والا ہے سب کو اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کو"

جواب: یہ روایت حضرت عمرؓ سے مروی ہے جیسا کہ مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷ میں ہے اور ممکن ہے کہ اس میں کتابت میں ابن کا لفظ چھوٹ گیا ہو یا ابن عمرؓ سے جیسا کہ حلیۃ الاولیاء لابی نعیمؒ ج ۶ ص ۱۰۱ میں ہے لیکن اسکی سند میں سعید بن سنان الرھاوی ہے جو نہایت ضعیف ہے (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۸۷) لہٰذا یہ روایت ضعیف اور کمزور ہے چنانچہ مشہور حنفی محدث حافظ علی متقیؒ بھی کنز العمال ج ۶ ص ۹۵ میں لکھتے ہیں سندہٗ ضعیف یعنی اس کی سند کمزور اور ضعیف ہے۔ خان صاحب نے ایک مقام پر کیا خوب کہا ہے۔ حدیث ماننے اور حضور اکرم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنے کیلئے ثبوت چاہیے۔ بے ثبوت نسبت جائز نہیں اور قول مذکور ثابت نہیں (ملفوظات عرفان شریعت حصہ سوم ص ۲۵) مفتی احمد یار خان صاحب نے جلاء الافہام ص ۶۳ اور انیس الجلیس ص ۲۲۲ کے حوالہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سوموار اور جمعہ کے دن میری وفات کے بعد بھی تم درود شریف مجھ پر پڑھو کیونکہ

فانی اسمع صلوٰتکم بلا واسطہ (جاء الحق ص فصل) — میں تمہاری طرف سے درود کو بلا واسطہ سنتا ہوں۔

تو یہ بالکل بے سند اور بے اصل ہے۔ ایسی بے سروپا روایتوں سے یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا مفتی صاحب کو اس روایت کی سند اور پھر رواۃ کی توثیق اور سند کا اتصال ثابت کرنا ہوگا اور ان سے یہ تاقیامت نہیں ہو سکے گا طبع آزمائی کر دیکھیں۔ دیدہ باید۔

اسی طرح مفتی صاحب نے دلائل الخیرات شریف کی جو روایت پیش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

اسمع صلوٰۃ اھل محبتی واعرفھم — میں محبت والوں کا درود خود سنتا ہوں اور ان کو پہچانتا ہوں

وتعرض علیّ صلوٰۃ غیرھم عرضًا۔ — اور غیر محبین کا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

تو یہ بھی بے سند اور بے حقیقت روایت ہے اور جعلی و من گھڑت روایات سے اہلِ بدعت کی تسکین تو ہو سکتی ہے مگر اہلِ سنت والجماعت حدیث کی توثیق اور اتصالِ سند کے بغیر کوئی روایت سننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں اس بات کو مفتی احمد یار خان صاحب اور مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ بگوشِ ہوش سن لیں ؎

پڑا فلک کو کبھی دل جلوں سے کام نہیں — جلا کے خاک نہ کردوں تو داغ نام نہیں

قارئین کرام! آپ ان حدیثوں کا حال حضرات محدثین کرامؒ سے سن چکے ہیں جن پر فریقِ مخالف قیاس کرتا اور قرآنِ کریم اور صحیح احادیث کا مقابلہ کرتے ہوئے کفر اور شرک کی تعمیر استوار کرنا چاہتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو ہمیں بھی اس تلخ حقیقت کو بے نقاب کرنے کی ہرگز ضرورت نہ تھی ؎

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم فریاد یوں کرتے — نہ کھلتے راز سربستہ نہ یہ رسوائیاں ہوتیں

فریقِ مخالف کی تیرھویں[۱۳] دلیل اور اس کی مدافعت

فریقِ مخالف حضرات بزرگانِ دینؒ اور حضرات صوفیائے کرامؒ کی بعض مجمل اور غلبۂ سکر کی حالت کی گول مول عبارتیں بھی پیش کرتا ہے کہ فلاں صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر چیز اور ہر آدمی کے لئے حاضر و ناظر ہیں۔ ہر ذرہ میں حقیقت محمدیہ ہے۔ فلاں بزرگ نے کہا میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کو دیکھا۔ فلاں صاحب لکھتے ہیں کہ ایک صاحب ایک وقت میں کئی ایک مقامات پر حاضر ہو گئے اس طرح لطائف اور امثال کے بیسیوں شطحیات او رمنتر پیش کر کے عوام اور سادہ لوح مسلمانوں کو کفر اور شرک کے دامِ تزویر میں لایا جاتا ہے۔

جواب :- قارئین کرام! ہم نے مقدمہ میں وضاحت کے ساتھ یہ بات عرض کر دی ہے کہ عقائد کے اثبات کے لئے نص قطعی کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خبر واحد کو بھی قرآن کریم کے مقابلہ میں پیش کرنا مولوی احمد رضا خان صاحب کے نزدیک محض ہرزہ بافی ہے پھر نہ معلوم حضرات صوفیائے کرام رح کی بے سند اور بے ثبوت مجمل اور گول مول باتوں سے قرآن کریم اور متواتر احادیث کا مقابلہ کرنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ یہی کہا جائیگا کہ ان بزرگوں کی عبارات میں اگر مناسب تاویل کی گنجائش ہوئی تو تاویل کر دی جائیگی ورنہ علامہ اقبال رح کی اصطلاح میں ؎

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

پر عمل کیا جائیگا۔ آئیے اب میں آپ کو مولوی احمد رضا خان صاحب سے ہی یہ مسئلہ منوا دوں۔ وہ عرس والوں میں قوالوں کے ڈھول، سارنگی، باجے اور بانسری وغیرہ کے شرعاً ممنوع ہونے پر بحث کرتے ہوئے بخاری شریف جلد دوم ص۸۳۷ کی ایک حدیث نقل کر کے اسکا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ضرور میری امت میں وہ لوگ آنے والے ہیں جو حلال ٹھہرائیں گے عورتوں کی شرمگاہ یعنی زنا، اور ریشمی کپڑوں اور شراب اور باجوں کو۔ حدیث صحیح جلیل متصل الخ۔ پھر آگے لکھتے ہیں بعض جہال بدمست یا نیم ملا شہوت پرست یا جھوٹے صوفی بادبدست کہ احادیث صحاح مرفوعہ محکمہ کے مقابل بعض ضعیف قصے یا محتمل واقع یا متشابہ پیش کرتے ہیں۔ انہیں اتنی عقل نہیں یا قصداً بے عقل بنتے ہیں کہ صحیح کے سامنے ضعیف، متعین کے آگے محتمل، محکم کے حضور متشابہ، واجب الترک ہے۔ پھر کہاں قول اور کہاں حکایت فعل پھر کجا محرم کجا مبیح۔ ہر طرح یہی واجب العمل، اسی کو ترجیح۔ مگر ہوس پرستی کا علاج کس کے پاس ہے؟ کاش گناہ کرتے اور گناہ جانتے۔ اقرار لاتے۔ یہ ڈھٹائی اور بھی سخت ہے کہ ہوس بھی پالیں اور الزام بھی ٹالیں اپنے لئے حرام کو حلال بنالیں (احکام شریعت حصہ اول ص۲۶ طبع برقی پریس۔ مراد آباد)

ہماری طرف سے خود جناب خانصاحب اور ان کی ذریت کو ہر ایسے مقام پر یہی جواب کافی ہے جہاں وہ نصوص قطعیہ، احادیث صحیحہ وصریحہ اور محکمات کے مقابلہ میں قصے اور کہانیاں اور ضعیف حدیثیں اور بعض بزرگوں کی محتمل اور مجمل عبارات پیش کیا کرتے ہیں اور دلیل محترم کو چھوڑ کر مبیح کے چور دروازہ سے دین کی عمارت میں داخل ہو کر اپنے باطل عقائد اور بدعات کے جواز اور حق ہونے اور الزام ٹالنے کے لیے بے جا کوشش کیا کرتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ عبارت انکی ناکہ بندی کے لئے کافی ہے۔

كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝

جادو وہ ہے جو سر پر چڑھ کر بولے

فریق مخالف کی چودھویں دلیل اور اس کا ایراد

فریق مخالف کے بعض علم سے ناواقف اور عقل کے کورے مولوی یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اگر ہم یہاں بیٹھے بیٹھائے برلن، لندن، پیرس اور نیویارک وغیرہ دور دراز ملکوں کی خبریں ریڈیو کے ذریعے سُن سکتے ہیں تو جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُمت کی طرف سے درود وسلام وغیرہ کو براہِ راست کیوں نہیں سُن سکتے؟

جواب: ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ نص کے ہوتے ہوئے قیاس کرنا بے دینوں کا کام ہے جب جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے مجھ پر درود وسلام پہنچاتے ہیں تو ہمارا یہی ایمان ہونا چاہئیے۔ علاوہ ازیں ریڈیو کی آواز عالم اسباب میں بجلی، بیٹری اور ہوا پر موقوف ہے تو جس طرح بغیر بجلی اور بیٹری کے ریڈیو کی آواز سُنی نہیں جا سکتی۔ اسی طرح آپ سمجھ لیں کہ بغیر فرشتوں کے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُمت کی طرف سے درود وسلام نہیں سُنتے۔ گویا فرشتوں نے وہی کام دیا جو ریڈیو کے لئے بجلی اور بیٹری نے دیا ہے۔ اب فرمایئے کہ ریڈیو کی مثال ہماری ہے یا فریق مخالف کی؟

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو خود ہی اپنے دام میں صیاد آگیا

فریقِ مخالف کی پندرھویں دلیل اور اُس کا ازالہ

مفتی احمد یار خان صاحب اور مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں (واللفظ لہٗ) قصیدۃ النعمان مصنّفہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ صلا سے

وَاِذَا سَمِعْتُ فَعَنْکَ قَوْلًا طَیِّبًا　　وَاِذَا نَظَرْتُ فَمَا اَرٰی اِلَّاکَ،

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: جب میں کوئی بات سنتا ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ ہی کی طرف سے کلام پاک سنائی دیتی ہے اور جب میں دیکھتا ہوں (ہر سُو) تو آپ کے سوا مجھے کچھ نہیں نظر آتا۔

اے حنفی بننے کا دعویٰ کرنے والو یہ ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان اور عقیدہ۔ اب فرمائیے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی مُشرک کہو گے؟ الخ (جاء الحق صلا) و (مقیاس حنفیت صلا)۔

الجواب: حضرت امام ابوحنیفہؒ کی شخصیت کوئی ایسی گمنام شخصیت نہیں ہے کہ ان کی طرف ہر ایرا غیرا بات نسبت کر دی جائے۔ اور وہ ہضم ہو جائے۔ انکی زندگی کا ایک ایک پہلو اور ان کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک جملہ رواً و قبولاً امتِ محمدیہ میں مشہور ہے۔ یہ قصیدۃ النعمان خالص جعلی اور من گھڑت ہے۔ حضرت ابوحنیفہؒ کی یہ ہرگز ہرگز تصنیف نہیں ہے۔ اگرچہ انکی متعدد کتابیں ہیں مگر قصیدۃ النعمان ان میں ہرگز ہرگز نہیں جس طرح ان کا علم اور فقہ ہے وہ ان کے قابل تلامذہ کے ذریعہ سے اُمتِ محمدیہ (علی صاحبہا الف الف تحیۃ) تک پہنچا ہے جعلی اور بے اصل قصائد سے حضرت امام صاحبؒ کا عقیدہ ثابت کرنے والو، دل میں کچھ تو خدا تعالیٰ کا خوف کرتے ہوئے شرم کرو۔ آخر ایک دن مرنا ہے۔ پھر بلا قرینہ اس سے حضور کا مراد لینا کیونکر صحیح ہے؟ کیا معلوم شاعر نے کس کو خطاب کیا ہے؟ اور پھر کیا معلوم کہ اس سے حقیقۃً دیکھنا مراد ہے یا تصور کے طور پر جو محل نزاع سے خارج ہے۔

مسلّم حضرات محدثین کرامؒ و حضرات فقہاء عظامؒ اور ارباب تاریخ کی کم از کم دو شہادتیں ایسی پیش کرو جنھوں نے یہ کہا اور لکھا ہو کہ یہ قصیدہ حضرت امام صاحبؒ نے تصنیف فرمایا ہے محض زبان سے

دعویٰ کرنے کا نام ہرگز ثبوت نہیں ہوتا۔ یہ نازک مقام ہے، قدم سنبھال کر رکھنا پڑے گا ۔

ابھری ہوئی ہے چوٹ دلِ دردمند کی ۔۔ رکھنا قدم تصورِ جاناں سنبھال کے

فریقِ مخالف کی سولہویں دلیل اور اُس کا دفعیہ

مفتی احمد یار خان صاحب اور مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ نے حاضر و ناظر کا مسئلہ اکابر علماءِ دیوبند سے بھی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے اور اُن کی عبارات سے یہ مسئلہ کشید کیا ہے کہ ان کی عبارتوں سے بھی حاضر و ناظر کا مسئلہ ثابت ہے مگر ایک معمولی سمجھ کا ادنیٰ طالب علم بھی بخوبی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ان کی عبارتوں سے یہ مسئلہ ثابت کرنا خالص سینہ زوری اور ہٹ دھرمی کی شرمناک اور بدترین مثال ہے جبکہ انکی عبارتوں میں صراحت اور وضاحت سے اس مسئلہ کی تردید کی گئی ہے چونکہ باقی حضرات کی عبارات بالکل صاف ہیں ان سے اس مسئلہ کے اثبات کا شبہ بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان کے جواب کی اصلاً ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانیِ دارالعلوم دیوبند (المتوفی ۱۲۹۷ھ) اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) کی عبارتوں سے ممکن ہے کہ کسی کج فہم کو شبہ ہو، اسلئے ان کو نقل کر کے ان کا جواب دینا ضروری معلوم ہوتا ہے چنانچہ مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب لکھتے ہیں۔ واللفظ لہٗ

چوتھی فصل حاضر و ناظر کا ثبوت مخالفین کی کتابوں سے۔ تحذیر الناس صفحہ ۱۰ میں مولوی محمد قاسم صاحب بانیِ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کہتے ہیں کہ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ کو بعد لحاظ صلہ مِنْ اَنْفُسِهِمْ دیکھئے تو یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام کو اپنی اُمّت کے ساتھ وہ قرب ہے کہ ان کی جانوں کو بھی ان کے ساتھ حاصل نہیں ہے کیونکہ اولیٰ بمعنی اقرب ہے (جاء الحق صفحہ ۱۳۸ و مقیاس حنفیت صفحہ ۲۸۹)۔

الجواب: حضرت نانوتویؒ نے اس قرب کا مفہوم خود تحذیر الناس میں اور اس سے بڑھ کر علی وجہ الاتم آبِ حیات میں بیان کیا ہے۔ اس سے حاضر و ناظر کا قرب ہرگز مُراد نہیں ہے۔ لیجئے ہم بجائے دقیق تفصیل میں پڑنے کے خود حضرت مولاناؒ کی ایک عبارت عرض کر دیتے ہیں۔ بغور ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت

مولانا نانوتوی حکیم عبدالصمد صاحب کے نام خط میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ :۔

مرشدوں کی نسبت یہ خیال غلط ہے کہ ہر دم ساتھ رہتے ہیں اور ہر دم آگاہ رہتے ہیں۔ یہ خدا کی ہی شان ہے گہہ و بیگاہ بطور خرق عادت بعض اکابر سے ایسے معاملات ظاہر ہوتے ہیں۔ جاہلوں کو یہ دھوکا پڑا ہے۔ تصور میں صورت کا خیال امر فضول ہے جیسے کسی کے تذکرہ کے وقت کسی کا خیال آتا ہے۔ ایسا ہی تصور شیخ میں۔ مگر تصور کرو تو اپنے آپ کو اپنی جگہ اور شیخ کو اپنے وطن میں اور اس کے ساتھ یہ خیال رہے کہ اُدھر سے کچھ فیض آتا ہے۔ اللہ الصمد اور بسم اللہ کو برائے چند موقوف رکھو اور الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ بہت مختصر ہے مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ سمجھنا چاہیے ورنہ اسلام کیا ہوگا، کفر ہوگا۔ بلکہ یوں سمجھے یہ پیغام فرشتے پہنچاتے ہیں۔ والسلام (انتہٰی بلفظہٖ فیوض قاسمیہ ص۴۸)

حضرت مولانا نانوتوی رح کی غیر متعلق عبارتوں سے مسئلہ حاضر و ناظر کشید کرنے والوں کو ذرا ہوش میں آکر یہ عبارت بار بار اور غور سے پڑھنی چاہیے۔ طبیعت صاف ہو جائے گی انشاء اللہ العزیز۔

مولوی محمد عمر صاحب مخالفین کی کتابوں سے حاضر و ناظر ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فتاوی رشیدیہ ج۳ ص۹۱ اور فخر عالم علیہ السلام کو مجلس مولود میں حاضر و ناظر جاننا بھی غیر ثابت ہے اور اگر باعلام اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو شرک نہیں (مقیاس حنفیت ص۲۸۹)۔

الجواب:۔ اس عبارت میں "ورنہ شرک ہے" کے الفاظ حذف کر کے اس سے مسئلہ حاضر و ناظر کشید کرنا مولوی محمد عمر صاحب ہی کا کام دکمال ہے۔ بفرض مجلس مولود میں باعلام اللہ جاننے کے شرک نہ ہونے سے یہ کیسے اور کیونکر لازم آیا کہ آپ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھنا شرک نہ ہوگا؟ لیجیے یہ مسئلہ ہم خود حضرت مولانا گنگوہی رح کے ارشاد سے واضح کر دیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں کہ یہ عقیدہ رکھنا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سب غیب کو جانتے ہیں شرک قبیح جلی ہوئے گا۔ معاذ اللہ حق تعالےٰ سب مسلمانوں کو ایسے عقیدہ فاسدہ سے نجات دیوے۔ آمین۔ پس ایسے عقیدہ والا مشرک ہوا اور جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو خود کفر ہے۔ اور جو یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں مگر کلمہ مشابہ کفر ہے۔ البتہ اگر

اس کلمہ کو درود شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ کرے کہ ملائکہ درود شریف آپ کو پیش کرتے ہیں تو درست ہے۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ملائکہ درود بندۂ مومن کا آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں (فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص ۷) حضرت مولانا گنگوہی رح کی اس واضح تر عبارت کے بعد بھی اگر مولوی محمد عمر صاحب وغیرہ کی طبیعت میں خلجان باقی رہے تو پہلے آپ کو اپنی طبیعت عالیہ کا علاج کرالینا چاہیئے۔ پھر دوسروں پر اعتراض کی فکر کرنی چاہیئے۔

شکوہ کرنا ہو تو اپنا کر مقدر کا نہ کر — خود عمل تیرا ہے صورت گر تیری تصویر کا

مفتی احمد یار خاں صاحب کا بزعم خود مولانا گنگوہی رح کی ایک عبارت ہے کہ "ہم مرید یقین داند کہ روح شیخ مقید بیک مکان نیست پس ہر جا کہ مرید باشد قریب یا بعید اگرچہ از شیخ دور است اما روحانیت او دور نیست الی ان قال شیخ را بقلب حاضر آورد و بلسان حال سوال کند۔ البتہ روح شیخ باذن اللہ القا خواہد کرد مگر ربط تام شرط است الخ (جاء الحق ص ۱۴۹) سے نزاعی مسئلہ حاضر و ناظر پر استدلال کرنا مفتی صاحب کا انتہائی کمال ہے اور حضرات صوفیاء کرام رح کی اصطلاحات کو سمجھنے میں بھی مفتی صاحب خوب مہارت رکھتے ہیں اور باوجود اس تصریح کے کہ اگرچہ از شیخ دور است، شیخ را بقلب حاضر آورد۔ اس سے نزاعی حاضر و ناظر کا مراد لینا کیا ہی دیانت ہے۔ اگر ایسے ہی باکمال اور رمز شناس مفتی دو چار اور پیدا ہو گئے تو قوم کا بیڑا غرق ہو جائے گا۔ ع

این چنیں ارکان دولت ملک را ویران کنند

فریق مخالف کی سترھویں دلیل اور اس کا دفاع

یہ سوال فریق مخالف کا معرکۃ الآراء ہے جس کو مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی، مولوی حشمت علی خاں صاحب، مفتی احمد یار خاں صاحب اور مولوی محمد عمر صاحب نے مختلف تعبیرات بدرنگ سے بدرنگ اور بھیانک سے بھیانک صورت اور شکل میں پیش کر کے عامۃ المسلمین کے ایمانی جذبات کو اشتعال دے کر صرف اپنا الو سیدھا کرنے کی بے جا سعی کی ہے (دیکھئے حسام الحرمین ص ۱۴۳، مقیاس حنفیت ص ۲۱۲،

اور جاء الحق صفحہ ۴۳۰ وغیرہ) اس اعتراض کا خلاصہ یہ ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک شیطان اور ملک الموت تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں مگر جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں ہیں تو ان کے نزدیک شیطان اور ملک الموت کا علم حضور سے زیادہ ہوا (العیاذ باللہ تعالیٰ ثم العیاذ باللہ تعالیٰ ـ صفدر) براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب صفحہ جاء الحق صفحہ ۱ محصلہ۔

الجواب: دجل اور فریب کی مثالیں تو دنیا میں بے شمار ہیں تلبیس اور بد دیانتی کے نمونے تو اس جہان میں لاتعداد ہیں۔ افتراء اور بہتان کے طریقے تو اس دارِ فانی میں ان گنت ہیں مگر جس ڈھنگ اور صورت میں مکر و خداع کے اوزار فریق مخالف نے یہ اعتراض کرتے وقت اختیار کئے ہیں۔ اس کی شاذ و نادر مثال ہی دنیا میں کہیں موجود ہوگی۔ فریق مخالف نے یہود کو شرما دیا ہے اور ابلیس لعین کے کان کترے ہیں وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ اخبار شاد خداوندی ہی تو ہے لیکن ؎

وہ آنکھ کہ ہے سرمۂ افرنگ سے روشن ــــ پرکار و سخن ساز ہے نمناک نہیں ہے

آپ غور سے اس کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اہل بدعت کے مشہور اور محقق عالم مولوی عبد السمیع صاحب رامپوری نے مجلس میلاد میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے پر بزعم خود چند دلائل پیش کئے ہیں جن میں سے ایک دلیل ان کا یہ فاسد اور باطل خیال بھی ہے کہ جب ملک الموت اور شیطان ہر جگہ موجود ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں مجلس مولود میں حاضر نہیں ہو سکتے؟ چنانچہ اس کیلئے انہوں نے چند روایتیں پیش کی ہیں اور پھر لکھتے ہیں: ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ملک الموت تو ایک فرشتہ مقرب ہے۔ دیکھو شیطان ہر جگہ موجود ہے۔ در مختار کے مسائل نماز میں لکھا ہے کہ شیطان اولادِ آدم کے ساتھ دن کو رہتا ہے اور اس کا بیٹا آدمیوں کے ساتھ رات کو رہتا ہے علامہ شامی نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ شیطان تمام بنی آدم کے ساتھ رہتا ہے مگر جس کو اللہ نے بچا لیا۔ اس کے بعد لکھا ہے:

واقدرہ علی ذالک کما اقدر ملک الموت ــــ یعنی اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس بات کی قدرت دے دی

ہے جس طرح ملک الموت کو سب جگہ موجود ہونے پر قادر کر دیا ہے
علیٰ نظیر ذالک۔ انتہیٰ (ملخصاً انوار ساطعہ ص۱۴۹)

اس کے بعد مولوی عبد السمیع صاحب سورج اور چاند کی مثال دے کر پھر یوں لکھتے ہیں کہ "اب فکر کرنا چاہیئے۔ جب چاند سورج ہر جگہ موجود اور ہر جگہ زمین پر شیطان موجود ہے اور ملک الموت ہر جگہ موجود ہے تو یہ صفت خاص خدا کی کہاں ہوئی جس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک کرنے سے مشرک اور کافر ہو جاویں معاذ اللہ تعالیٰ۔ اور تماشا یہ کہ اصحاب محفل میلاد تو زمین کی تمام جگہ پاک ناپاک مجالس مذہبی و غیر مذہبی میں حاضر ہونا رسول اللہ کا نہیں دعویٰ کرتے۔ ملک الموت اور ابلیس کا حاضر ہونا اس سے بھی زیادہ تر مقامات پاک و ناپاک کفر غیر کفر میں پایا جاتا ہے (ملخصاً انوار ساطعہ ص۱۴۹) اہل بدعت حضرات آنکھیں کھول کھول کر بار بار اس عبارت کو پڑھیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محفل میلاد میں حاضر و ناظر ہونے کو شیطان لعین وغیرہ کے ہر جگہ حاضر ہونے پر یہ شیطانی قیاس کس نے کیا ہے؟ کسی دیوبندی عالم نے یا مولوی عبد السمیع صاحب بریلوی اور بدعتی نے؟ پھر یہ کس نے کہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ہر پاک و ناپاک، مذہبی اور غیر مذہبی مجلس میں حاضر نہیں ہیں اور ابلیس کا حاضر ہونا زیادہ تر مقامات میں ہے۔ وہ پاک ہوں یا ناپاک، مجالس کفر ہوں یا غیر کفر؟ بتاؤ اہل بدعت حضرات کہ شیطان کے ہر جگہ موجود ہونے پر یہ دلیل پیش کر کے اسکی وسعت علمی کس نے بیان اور تسلیم کی ہے؟ کیا یہ براہین قاطعہ کی عبارت ہے یا انوار ساطعہ کی؟ یہ مولوی عبد السمیع صاحب بول رہے ہیں یا قطب وقت حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری؟ عوام الناس کو دھوکہ دے کر گمراہ کرنے والو، بتاؤ یہ کیا قصہ ہے؟
خان صاحب بریلوی نے حسام الحرمین ص۱۵ وغیرہ میں اور اسی طرح مولوی محمد عمر صاحب اور مفتی احمد یار خان صاحب وغیرہ اہل بدعت نے شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر کیسی ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا ہے کہ جناب سردار دو جہاں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کو ابلیس لعین پر تو خود ان کا مولوی قیاس کرے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے سے زیادہ تر مقامات میں ابلیس لعین کو حاضر و ناظر مان کر اسکی وسعت علمی ثابت کرے اور یہ اس ابلیسی اور شیطانی قیاس کو مؤلف براہین قاطعہ کے گلے منڈھ دیں کیا اس سے بڑھ کر بھی بے حیائی کا کوئی مظاہرہ

ہوگا؟ مگر کیا ہی خوب کہا گیا ہے ؎

کہ بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن

قارئین کرام! آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ اس باطل قیاس کے ذریعے ابلیس لعین کی وسعتِ علمی کو تسلیم اور بیان کرنے والا مولوی عبد السمیع صاحب بدعتی رامپوری صاحبِ انوار ساطعہ ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے انوار ساطعہ کے جواب میں جب براہین قاطعہ لکھی تو اس بحث سے صرفِ نظر کرتے ہوئے کہ کیا تمام دنیا کو گمراہ کرنے والا صرف ابلیس لعین ہے یا اس کی ذریت اور چیلے چانٹے ہیں اور وہ خود دربارِ تخت بچھا کر آرام کرتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں آتا ہے (مشکوٰۃ ج صـ) اور کیا ایک ہی شیطان دن اور رات میں انسان کو گمراہ کرنے پر مامور ہوتا ہے یا دن کا اور ہوتا ہے اور رات کا اور؟ اور اس سے بھی قطع نظر کرتے ہوئے کہ کیا جان نکالنے والا صرف ایک ہی فرشتہ ہے یا حسبِ ارشادِ خداوندی توفتھم رسلنا کئی فرشتے ہیں[1] اور ملک الموت ان کے انچارج ہیں۔ اور اس سے نظر ہٹاتے ہوئے کہ کیا کرۂ ارض کے ہر حصہ پر ہر وقت سورج اور چاند موجود ہوتے ہیں یا ایک جگہ ان کا طلوع ہوتا ہے اور دوسری جگہ غروب؟

---

[1] امام فخر الدین الرازی رح (المتوفی ۶۰۶ھ) لکھتے ہیں:-

فوض قبض الارواح الی ملک الموت وھو رئیس وتحتہ اتباع وخدم فاضیف التوفی فی ھذہ الآیۃ الی اللہ تعالیٰ بالاضافۃ الحقیقیۃ وفی الآیۃ الثانیۃ الی ملک الموت لانہ ھو الرئیس فی ھذا العمل والی سائر الملئکۃ لانھم الاتباع لملک الموت واللہ تعالیٰ اعلم (تفسیر کبیر ج ص طبع مصر)

سو اللہ تعالیٰ نے ارواح کا قبض کرنا ملک الموت کے سپرد کیا ہے اور وہ انچارج ہیں اور ان کے ماتحت بہت سے اتباع اور خدام ہیں پس اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ الآیۃ میں توفیِ ارواح کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ کیونکہ حقیقۃً تو جان وہی قبض کرتا ہے اور دوسری آیت مَلَکُ الْمَوْتِ الَّذِیْ وُکِّلَ بِکُمْ الآیۃ میں قبض روح کی نسبت ملک الموت کی طرف کی گئی ہے۔ کیونکہ اس کارروائی کے انچارج وہی ہیں۔ اور تیسری آیت تَوَفَّتْہُ رُسُلُنَا الآیۃ میں سب فرشتوں کی طرف بھی قبض ارواح کی نسبت کی گئی ہے کیونکہ وہ ملک الموت کے تابع ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ان تمام امور سے پہلوتہی کرتے ہوئے بغرضِ اختصار حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے اس باطل قیاس کو یوں رد کیا ہے کہ :-

الحاصل غور کرنا چاہیے کہ شیطان و ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کون سا ایمان کا حصہ ہے؟ شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے جس سے تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کیا جاتا ہے (براہین قاطعہ ص۵۱)

حضرت مولانا مرحوم یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اے مولوی عبدالسمیع صاحب تم نے شیطان اور ملک الموت کے ہر جگہ موجود ہونے پر بزعم خود چند حدیثیں بطور نص کے پیش کی ہیں جو تمہارے نزدیک مقیس علیہ ہیں، کیا ایسی ہی کوئی نص جناب فخر دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے پر بھی موجود ہے؟ اگر ہے تو لائیے اللہ بسم اللہ۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ایسے قیاس فاسد سے ان نصوص قطعیہ کو کیوں رد کرتے ہو، جن میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عالم الغیب اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کی نفی ہے اور اس مخصوص صفت خداوندی کو آپ کے لیے تسلیم کر کے کیوں شرک کا ارتکاب کرتے ہو؟ اور تمام نصوص قطعیہ کو قیاس فاسد سے رد کر دینا کونسا ایمان کا حصہ ہے؟ غرضیکہ یہ شیطانی قیاس اور شیطان کے لیے وسعت علمی فریق مخالف کے پیشوا اور مقتدا مولوی عبدالسمیع صاحب نے تسلیم اور پیش کی ہے حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے تو صرف یہ کیا ہے کہ اس فاسد اور باطل قیاس کو رد کیا ہے مگر فریق مخالف کے مولوی صاحبان بے حیائی کا برقع اور نقاب اوڑھ کر مسجدوں اور سٹیجوں پر گلے پھاڑ پھاڑ کر یہ الزام مولانا سہارنپوریؒ مظلوم پر عائد اور قائم کرتے ہیں۔ اور اصل ظالم کو کوئی پوچھتا ہی نہیں مگر دنیا میں ایسا ہوتا رہا اور ہوتا رہتا ہے اور ہوتا رہے گا۔ ؎

باش کہ تا خیل قیامت زنند　　آں تو نیکست آید و یا ایں ما

مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے اکابر علماء دیوبند کی عبارات میں قطع و برید کر کے اور مکر و فریب کے جملہ اوزار استعمال کر کے جب علماء حرمین شریفین سے تکفیری فتوے حاصل کیے تاکہ انگریز کی ظالم

حکومت مضبوط ہو لیکن جب علماء حرمین کو شبہ ہوا تو انھوں نے چند سوالات تحریر کر کے مولانا خلیل احمد صاحب کو بھیجے جن میں ایک سوال یہ بھی تھا کہ کیا تم نے شیطان کے علم کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علم سے زیادہ تسلیم کیا ہے؟ مولانا مرحوم نے دیگر سوالات کے جوابات کی طرح اس کا جواب بھی مفصل تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ اس میں یہ بھی ہے کہ "اور ہمارا پختہ عقیدہ ہے کہ جو شخص اس کا قائل ہو کہ فلاں کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے، وہ کافر ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح ایک نہیں ہمارے بہت سے علماء کر چکے ہیں۔ اور جو شخص ہمارے بیان کے خلاف ہم پر بہتان باندھے اس کو لازم ہے کہ شاہنشاہ روز جزا سے خائف بن کر دلیل بیان کرے اور اللہ ہمارے قول پر وکیل ہے" (المہند علی المفند ص۲۷-۲۸ مطبوعہ ۱۳۵۲ھ و ۱۹۳۳ء)۔

ان تصریحات کے باوجود بھی اگر کوئی ہٹ دھرم، حضرات اکابرین علماء دیوبند پر الزام رکھتا ہے اور خدا تعالیٰ اور اس کی مخلوق سے نہیں شرماتا تو ہمارا اس میں کیا دخل ہے؟ اِذَا لَمْ تَسْتَحِيْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ مگر ایک وقت ایسا ضرور آئے گا جس میں دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی سامنے آجائے گا اور حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ کون سچا اور کون جھوٹا تھا؟ اور کس کا ساتھ دینا مناسب اور کس کا نامناسب تھا۔ اور کون صحیح معنیٰ میں اللہ تعالیٰ کا محب اور جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطیع تھا اور کون چوری کھانے والا مجنوں تھا؟ ؎

بوقتِ صبح شود ہمچو روز معلومت — کہ باکہ باختہ عشق در شب دیجور

فریق مخالف کی اٹھارویں دلیل اور اس کا قلع قمع

مولوی محمد عمر صاحب لکھتے ہیں:-

(انعام پ۷) وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ۔

اور نہ چھوڑیئے آپ (اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو جو خاص اس کی رضا کے لئے اپنے رب کی صبح شام عبادت کرتے ہیں۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنین کے نہ چھوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اب تم کہو

نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ نہیں ہیں تو تمھارا یہ کہنا ہم اپنے متعلق کیسے صحیح سمجھیں۔ جب ہم مومن ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے نہ چھوڑنے کا ارشاد فرمایا ہے۔ ہاں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے منکر ہیں۔ ان کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایمان سے خالی ہیں۔ لہٰذا انکو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ نہیں۔ (ملتقطہ مقیاس حنفیت صہ ۲۹۸)

جواب: دین الٰہی کے اندر تحریف اگرچہ بہت لوگوں نے کی ہے مگر اس فن میں جو کمال مولوی محمد عمر صاحب کو حاصل ہے وہ کسی اور کو ہرگز حاصل نہیں ہے۔ وہ اپنے اس تحریف کے فن میں یکتائے روزگار ہیں اور لطف یہ ہے وہ اس پر شرماتے بھی نہیں ہیں۔ اگر وہ اس آیت کا سرسری شانِ نزول ہی ملاحظہ کر لیتے تو ان کو وَلَا تَطْرُدِ کے لفظی معنی ہیں نہ چھوڑیئے کہہ کر تحریف کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ نیز اس آیت کے مفہوم سے جو مضمون انھوں نے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر استدلال کرتے ہوئے کشید کیا ہے۔ اس سے یقیناً ان کو رستگاری ہو جاتی۔ اس آیت کا شانِ نزول جیسا کہ صحیح مسلم ج ۲ صہ ۲۸۱ معالم التنزیل برابن کثیر ج ۳ صہ ۳۱۴ تاریخ بغدادی ج ۱۲ صہ ۱۵۱ تفسیر ابن کثیر ج ۲ صہ ۳۱۵ اور روح المعانی ج ۷ صہ ۱۳۵ وغیرہ میں حضرت عبداللہؓ بن مسعود سے (جو تمام حضرات صحابہ کرامؓ میں وجہ اول کے مفسر قرآن سمجھے جاتے تھے) یوں مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حضرت صہیبؓ، حضرت عمارؓ، حضرت بلالؓ اور حضرت خبابؓ جیسے دولتِ ایمان سے مالامال اور اتباع رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سرشار مگر دولتِ دنیا سے تہی دست بیٹھے ہوئے تھے کہ مشرکین کے چند ایک سردار آئے اور انھوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ ان نادار و مفلس غریب و فاقہ مست لوگوں کو اپنی مجلس سے باہر نکال دیں تو ہم آپ کی تقریر و وعظ سن لیں گے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے ایمان لانے کیلئے جو جذبہ اور ولولہ پیدا کیا تھا وہ مخلوقِ خدا میں اور کس کا حصہ ہو سکتا ہے؟ آپ کے دل میں یہ خیال ہی پیدا ہوا تھا کہ اگر یہ لوگ توحید سن لیں اور میں اس مصلحت کے پیش نظر اپنے ان مخلص ساتھیوں کو تھوڑی دیر کے لئے مجلس سے نکال دوں اور کھڑا کر دوں تو کیا مضائقہ مگر اللہ تعالیٰ کو غرباء سے جو محبت ہے وہ عموماً سرمایہ داروں سے نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیتِ کریمہ نازل فرمائی اور

آپ کو تنبیہ کی کہ آپ ہرگز ایسا نہ کریں۔ نہ تو اس آیت میں سب مومن مراد ہیں اور نہ ہر ایک کا ساتھ دینے کا ذکر ہے اور نہ حاضر و ناظر کا اس میں سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ صرف مولوی محمد عمر صاحب کی خانہ ساز اختراع اور تحریف ہے ع

زاغوں کے تصرف عقابوں کے نشیمن

اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف میں وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ الآیۃ میں بیان کیا ہے۔ اس آیت کریمہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختار کل ہونے کی صاف طور پر نفی ثابت ہوتی ہے جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ مولوی محمد عمر صاحب کو اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے کہ وہ دعویٰ اور دلیل میں مطابقت کا مفہوم ہی سمجھ سکیں مفتی اور مولوی تو وہ بن بیٹھے ہیں مگر ع

نہ ہر کہ موئے برافروخت دلبری داند

قارئین کرام! ہم نے نہایت اختصار کے ساتھ فریق مخالف کے دلائل اور ان کے جوابات آپ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بعض نہایت ہی لچر، پوچ اور بیہودہ استدلالات فریق مخالف کی طرف سے پیش کیے گئے ہیں لیکن وہ اتنے عامیانہ اور جاہلانہ ہیں کہ ان کی طرف ایک مبتدی طالب علم کو بھی توجہ مبذول کرنا نامناسب اور غیر ضروری ہے۔ فریق مخالف کو ایک عمدہ اور نفیس اور جائز وردیا ہوں، وہ اس کو ہر وقت پڑھتا رہے۔ آخر جائز ورد پڑھنے میں کیا مضائقہ ہے؟ وہ ورد شریف یہ ہے۔

ے مرے باغِ آرزو کیا ہے باغ ہائے تو
کلیاں تو گو ہیں چار سو کوئی کلی کھلی نہیں

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ اَفْضَلِ الْمُرْسَلِيْنَ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ اَجْمَعِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اٰمِيْنَ ثُمَّ اٰمِيْنَ

واناالعبد الاحقر ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر الحنفی مسلکا والدیوبندی تلمذا والحسینی مشربا والسواتی نسباً

خطیب جامع مسجد گکھڑ ——— ضلع گوجرانوالہ